کتابُ البِدعَة

(بدعت کا صحیح تصور)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

MINHAJ-UL-QURAN PUBLICATIONS

منہاج القرآن پبلیکیشنز

کتاب البدعة

﴿بدعت کا صحیح تصور﴾

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین

محمد افضل قادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون:7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

نام کتاب	:	**کتاب البدعة**
تصنیف	:	**شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**
تحقیق و تدوین	:	محمد افضل قادری
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّتؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اپریل 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت امپورٹڈ پیپر	:	-/350 روپے

ISBN # 969-32-0554-5

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لئے وقف ہے۔

ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز

sales@minhaj.biz

بسم الله الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ

کُلِّهِمِ

آیَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمَانِ

مُحْدَثَةٌ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

عنوانات	صفحہ
احادیث میں لفظِ اِحداث کے اِستعمالات	۱۶۶
فصل دوم: تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم	۱۷۳
۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین کا عمل	۱۷۵
۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا	۱۷۸
۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان	۱۸۴
۴۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی	۱۸۶
۵۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم	۱۸۸
۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا	۱۸۹
۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال	۱۹۰
۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا	۱۹۳
۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت	۱۹۳
۱۰۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی	۱۹۵
۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ	۱۹۷
۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی	۱۹۸
۱۳۔ مجرم کے لے شہر بدری کے حکم کی منسوخی	۱۹۹
۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم	۲۰۰
۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر	۲۰۲
فصل سوم: تصورِ بدعت اور عصری نظائر و واقعات	۲۰۵
۱۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ	۲۰۷

عنوانات	صفحہ
باب: ۷	
اِجتہاد اور تصورِ بدعت	**۲۵۷**
حدیث أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال	۲۵۹
اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید	۲۶۲
اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصور بدعت	۲۶۳
مثالوں سے وضاحت	۲۶۶
خلاصۂ بحث	۲۷۶
باب: ۸	
اِباحت اور تصورِ بدعت	**۲۷۷**
فصل اول: اصلاً تمام اشیاء مباح ہیں	۲۷۹
اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ	۲۸۲
اِسلام آسان دین ہے	۲۸۶
دینِ یُسر پر قرآن سے دلائل	۲۸۷
دینِ یُسر پر احادیثِ نبویہ سے دلائل	۲۸۸
احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان	۲۹۵
تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ	۲۹۶
فصل دوم: اِباحتِ اَصلی اور مفسرین کا نقطۂ نظر	۳۰۱
۱۔ امام ابو بکر جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ ھ)	۳۰۳

عنوانات	صفحہ
باب : ۱۰	
بدعت ...... ائمہ و محدثین کی نظر میں	**۳۸۳**

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب عصرِ حاضر کے عظیم مفکر، شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العزیز کے تصورِ بدعت پر سلسلہ وار علمی و فکری اور تحقیقی لیکچرز کی محققہ و مرتبہ صورت ہے۔ یہ کتاب آپ کے علمی تبحر، اِجتہادی بصیرت، بلند فکری اور تحقیق و اِستدلال کا بین ثبوت ہے۔ آپ مدظلہ العالی نے اپنی اِس تصنیف میں تصورِ بدعت کے حوالے سے نہ صرف مدتِ مدید سے اُلجھے ہوئے مسئلے کو اپنی فکر و دانش سے سلجھایا ہے بلکہ اسے بحث و تحقیق اور اِستدلال و اِستشہاد کی اعلیٰ روایات سے بھی مزین کیا ہے۔

کتاب البدعۃ کے اُسلوبِ بیان اور طرزِ اِستدلال سے حضرت شیخ الاسلام کی وسعتِ نظری، رفعتِ تخیل اور فنی و تکنیکی مہارت کا بڑی آسانی سے اَندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے تصور بدعت پر وارد ہونے والے ممکنہ اِعتراضات کا جواب کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ ائمہ و محدثین کی روشنی میں ایسے محققانہ اور مجتہدانہ انداز میں دیا ہے کہ طویل مدت سے تصورِ بدعت پر پڑی ہوئی اِبہام و تشکیک کی گرد ہمیشہ کے لئے چھٹتی ہوئی نظر آتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے ناقابلِ تردید دلائل و براہین سے اِس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ ہر بدعت یا نیا کام محض ''نیا'' ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے کام مبنی بر خیر اور تابع سنت ہونے کی وجہ سے جائز اور مباح بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اِعتراض کہ بدعت کی حسنہ اور سیّئہ میں تقسیم درست نہیں، تعلیماتِ اسلام سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے ہے۔

کتاب البدعۃ میں قرآن و سنت، آثارِ صحابہ اور اَکابر ائمہ اِسلام کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ صرف وہ بدعت ناجائز اور ممنوع ہوتی ہے جس کی کوئی اَصل،

مثال، دلیل یا نظیر کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ ایسی بدعت شریعت کے کسی نہ کسی حکم کے واضح طور پر مخالف اور متضاد ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو ''نیا کام'' احکامِ شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ ایسے اُمور میں داخل ہو جو اصلاً حسنات و خیرات اور صالحات کے زمرے میں آتے ہیں تو ایسے جملہ نئے کام محض لغوی اِعتبار سے تو ''بدعت'' کہلائیں گے کیونکہ ''بدعت'' کا لغوی معنی ہی ''نیا کام'' ہے ورنہ وہ شرعًا نہ تو بدعت ہوں گے اور نہ ہی مذموم اور باعثِ ضلالت ۔ یقیناً ایسے اُمورمبنی بر خیر ''اُمورِ حسنہ'' متصور ہوں گے۔مختصر یہ کہ اِس تصنیفِ لطیف میں اِحداث و بدعت کے حقیقی تصور اور ان کی شرعی حیثیت کو واضح کر دیا گیا ہے تا کہ ان الفاظ کے غلط اِستعمال سے سادہ لوح عوام کو پریشان نہ کیا جا سکے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں حضرت شیخ الاسلام کی اِس علمی و تحقیقی کاوش سے کما حقہ مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے حبیب ﷺ کے تصدق سے اُمتِ مسلمہ کو اِتحاد و یکجہتی کی دولت سے نوازے۔

آمین بجاء سید المرسلین ﷺ

محمد افضل قادری

﴿سینئر ریسرچ سکالر﴾

فرید ملت اِسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ

26-03-06

باب: ۱

بدعت کا معنی و مفہوم

بدعت کا لُغوی مفہوم

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم

بدعت کا حقیقی تصور

أَحْدَثَ کے بعد مَا لَيْسَ مِنْهُ فرمانے میں حکمت

لَيْسَ فِيْهِ اور لَيْسَ مِنْهُ میں فرق

مغالطے کا اِزالہ اور '' فَهُوَ رَدٌّ '' کا درست مفہوم

ہمارے ہاں عام طور پر ایک خاص نقطہء نظر اور مذہبی پس منظر رکھنے والے طبقے کی طرف سے ''**شرك**'' اور ''**بدعت**'' کی دو اِصطلاحات کو بہت زیادہ بے محل اور غلط طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ناجائز، غیر مستحسن، غیر ثابت، مکروہ اور حرام، ہر قسم کے اُمور پر لفظِ شرک اور بدعت کو مُنطبق کر کے اُمت کی بھاری اکثریت (Large Majority) کو مشرک، بدعتی اور گمراہ قرار دے دیا جاتا ہے اور وہ آیاتِ مقدسہ اور اَحادیثِ مبارکہ جو کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں اُنہیں بڑھی بیبا کی سے اُمتِ مسلمہ پر چسپاں کر دیا جاتا ہے[1] جو کہ ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جاہلانہ طرزِ عمل ہے۔ اس کتاب میں تصورِ بدعت کے حوالے سے پائے جانے والی غلط فہمیوں کا اِزالہ کیا گیا ہے۔ شرک اور توحید کے حوالے سے راقم کی دوسری ضخیم تصنیف ''**التوحید**'' میں

---

(۱) اِمام بخاریؒ ترجمۃ الباب کے طور پر آیت وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَومًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ[التوبة، ۹: ۱۱۵] کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب استتابة المرتدين و المعاندين و قتالهم، باب قتل الخوارج و الملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، ۶: ۲۵۳۹،

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الخوارج شر الخلق و الخليقة، ۲: ۷۵۰، رقم: ۱۰۶۷

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب السنة، باب في قتال الخوارج، ۴/۲۴۳، الرقم: ۴۷۶۵

۴۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ۷/۱۱۹، رقم: ۴۱۰۳

←

مکمل تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

بدعت کا لغوی مفہوم

" البِدْعَة " عربی زبان کا لفظ ہے جو " بَدَعَ " سے مشتق ہے۔ اس کا معنی کسی سابقہ مادہ، اَصل، مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا ہے ۔دوسرے لفظوں میں کسی شئے کو نیست سے ہست کرنے اور عدمِ محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں **"اِبداع"** کہتے ہیں۔ ذیل میں ہم اہم لغات اور اَقوالِ محدّثین سے بدعت کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

۱۔ **ابنِ فارس** (۱۰۰۴ھ) اپنی معروف لُغت **"معجم مقاييس اللغة"** میں بدعت کا لُغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اِبتداء الشيئ و صنعه لاعن مثال۔(۱)

"کسی سابقہ مثال کے بغیر کسی چیز کا آغاز کرنا یا بنانا "بدعت" کہلاتا ہے۔"

۲۔ **اِمام ابن حجر عسقلانی** (المتوفی ۸۵۲ھ) اپنی معروف شرح "**فتح الباری شرح صحيح البخاری**" میں لفظِ بدعت کی لُغوی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

البدعة أصلها ما أُحدِث علی غير مثال سابق۔(۲)

.... ۵۔ ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب في ذکر الخوارج، ۱:۶۰، رقم:۱۷۰

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۵، ۲۲۴، رقم: ۱۱۱۳۳، ۱۳۳۶۲

نوٹ: مزید تفصیلات کے لیے راقم کی علمِ حدیث پر کتاب" المنهاج السوی من الحديث النبوی" کا باب دوم" حُكْمُ الْخَوَارِجِ وَالْمُرْتَدِّيْنَ وَالْمُتَنَقِّصِيْنَ فِي النَّبِيِّ ﷺ" ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، ۱: ۲۰۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحيح البخاری، ۴: ۲۵۳

''بدعت کی اصل یہ ہے کہ اسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا گیا ہو۔''

۳۔ **اِمام مرتضیٰ زبیدی حنفی**ؒ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لغت کی معروف کتاب ''تاج العروس من جواھر القاموس'' میں لفظِ بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا لغوی معنٰی ''الجدید'' ہے پھر اِس معنٰی کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کما یقال جئت بأمرٍ بدیعٍ ای محدث عجیب، لم یعرف قبل ذالک۔(۱)

''جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''میں ایک نیا کام لایا یعنی ایسی عجیب جدّت جو اس سے قبل معروف نہیں تھی۔''

۴۔ **خلیل بن احمد الفراھیدی** (۱۷۸۶ھ) لغت کی کتاب ''العین'' میں بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

إحداث شيئ لم یکن له من قبل خلق ولا ذکر ولا معرفة۔(۲)

''بدعت سے مراد کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا ہے کہ اس سے قبل نہ وہ چیز تخلیق کی گئی ہو اور نہ ہی اس کا ذکر اور معرفت ہو۔''

۵۔ **المنجد فی اللّغة** میں لفظِ بدعت کا لغوی معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

اخترعه و صنعه لا علی مثال۔(۳)

''بدعت کا معنی کسی سابقہ مثال کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بنانا ہے۔''

قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر لفظِ بدعت کے مُشتقات (Derivatives) بیان ہوئے ہیں جن سے مذکورہ معنی کی توثیق ہوتی ہے، چند مقامات درج ذیل ہیں۔

---

(۱) زبیدی، تاج العروس، ۱۱: ۸

(۲) الفراھیدی، العین، ۲: ۵۴

(۳) لوئس معلوف، المنجد: ۲۹

ا۔ یہ کائنات نیست اور عدمِ محض تھی، اس کو اللہ رب العزت نے کسی مثالِ سابق کے بغیر خِلْعتِ وجود عطا کیا تو لُغوی اعتبار سے یہ بھی ''بدعت'' کہلائی اور اس بدعت کا خالق خود اللہ رب العزت ہے جو اپنی شانِ تخلیق بیان کرتے ہوئے سورۃ البقرہ میں اِرشاد فرماتا ہے!

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَ اِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○(۱)

''وہی آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور جب وہ کسی چیز (کے اِیجاد) کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے، تو ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے○''

ب۔ یہی بیان دوسرے مقام پر سورۃ الأنعام میں بھی ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(۲)

''وہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔''

ج۔ اِسی تصور کو سورۃ الحدید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ۔(۳)

''اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا۔''

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے ثابت ہوگیا کہ کائناتِ اَرضی وسماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ **بدعت** کہلاتا ہے اور وہ ہستی جو کسی ایسی چیز کو وجود عطا کرے جو پہلے موجود نہ ہو

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۱۷

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۰۱

(۳) القرآن، الحدید، ۵۷: ۲۷

''**بدیع**'' کہلاتی ہے۔ پس قرآن اِعلان کرتا ہے کہ خالقِ کائنات صرف صانع ہی نہیں بلکہ ''بدیع'' بھی ہے کیونکہ اس نے زمین و آسمان کو بغیر کسی سابق مادہ کے محض اپنے اِرادہ سے پیدا فرما دیا۔

ھ۔ بدعت کے اس لغوی مفہوم کی وضاحت درج ذیل آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔(۱)

''آپ فرما دیں کہ میں (انسانوں کی طرف) کوئی پہلا رسول نہیں آیا (کہ مجھ سے قبل رسالت کی کوئی مثال ہی نہ ہو)۔''

ان آیاتِ مبارکہ سے بدعت کا لُغوی معنی خوب واضح ہو گیا ہے کہ ہر وہ نئی چیز بدعت کہلاتی ہے جس کی مثل، مادہ، نمونہ اور نظیر (Precedent) پہلے سے موجود نہ ہو۔

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم واضح کرتے ہوئے فقہاءِ اُمت اور ائمہ حدیث نے اس کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ **امام یحیٰ بن شرف نوویؒ** (المتوفی ۶۷۷ھ) بدعت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

البدعة هی إحداث مالم یکن فی عهد رسول الله ﷺ۔(۲)

''بدعت سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہ ہو۔''

۲۔ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) بدعت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معروف فتاویٰ ''مجموع الفتاویٰ'' میں لکھتے ہیں:

(۱) القرآن، الاحقاف، ۴۶: ۹

(۲) نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۳: ۲۲

و البدعة ما خالفت الكتاب و السنة أو إجماع سلف الأمة من الاعتقادات و العبادات كأقوال الخوارج والروافض و القدرية و الجَهْمِيَّة۔ (۱)

''بدعت سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات و عبادات میں کتاب و سنت اور اُخیارِ امت کے اِجماع کی مخالفت کرے۔ جیسے خوارج، روافض، قدریہ اور جہمیہ کے عقائد۔''

۳۔ شیخ ابنِ رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنی کتاب ''**جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**'' میں بدعت کی اِصطلاحی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أُحدث ممّا لا أصل له فی الشّريعة يدلّ عليه واما ما کان له أصل من الشّرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وإن کان بدعة لغة۔(۲)

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لُغوی اعتبار سے بدعت ہو گا۔''

علامہ ابن رجب حنبلیؒ بدعت کے مفہوم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فکلّ من أحدث شيئا و نسبه إلی الدّين ولم يکن له أصل من الدّين يرجع إليه فهو ضلالة والدّين بریء منه، و سواء فی ذلک

(۱) ابن تیمیه، مجموع الفتاویٰ، ۳: ۱۹۵

(۲) ۱۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۲

۲۔ محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن أبی داؤد، ۱۲: ۲۳۵

۳۔ عبد الرحمن مبارکپوری، تحفة الأحوذی، ۷: ۳٦٦

مسائل الإعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظاهرة والباطنة. و أما ما وقع فی کلام السّلف من إستحسان بعض البدع فإنّما ذلک في البدع اللّغوية لا الشّرعية۔(۱)

''جس کسی نے بھی کوئی نئی چیز ایجاد کی پھر اس کی نسبت دین کی طرف کر دی درآنحالیکہ وہ چیز دین کی اصل میں سے نہ ہو تو وہ چیز اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور وہی گمراہی ہو گی اور دین اس چیز سے بری ہو گا۔ اس میں اعتقادی، عملی، قولی، ظاہری و باطنی تمام مسائل برابر ہیں۔ اور بعض اچھی چیزوں میں سے جو کچھ اسلاف کے کلام میں گزر چکا ہے پس وہ **بدعت لغویہ** میں سے ہے، **بدعت شرعیہ** میں سے نہیں ہے۔''

۴۔ **امام ابن حجر عسقلانیؒ** (المتوفی ۸۵۲ھ) بدعت اور اِحداث کا اِصطلاحی مفہوم بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

المحدثة و المراد بها ما أُحدث و ليس له اصلٌ فی الشّرع، و يسمّی فی عرف الشّرع بدعة، و ما کان له أصل يدلّ عليه الشّرع فليس ببدعة، فالبدعة فی عرف الشّرع مذمومة بخلاف اللّغة: فان کلّ شيء أحدث علی غير مثال يسمی بدعة، سواء کان محمودًا أو مذمومًا۔(۲)

''محدثہ سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ اسی محدثہ کو اِصطلاحِ شرع میں ''بدعت'' کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کسی کام کو بدعت نہیں کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے۔ شرعی اعتبار سے بدعت فقط **بدعتِ مذمومۃ** کو کہتے ہیں **بدعتِ لغویۃ** کو نہیں۔ پس ہر وہ کام جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا جائے اسے

(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم: ۲۵۲
(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۲۵۳

بدعت کہتے ہیں چاہے وہ بدعتِ محمودہ ہو یا بدعتِ مذمومہ۔‘‘

علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والتّحقيق انها ان كانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشّرع فهی حسنة وان كانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشّرع فهی مستقبحة۔(۱)

’’تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت شریعت میں کسی مستحسن کے تحت داخل ہے تو وہ حسنہ ہے اور اگر وہ شریعت کی ناپسندیدگی کے تحت آتی ہے تو وہ مستقبحة (غیر پسندیدہ) ہوگی۔‘‘

۵۔ **سید شریف جرجانیؒ** (المتوفی ۸۱۶ھ) اپنی کتاب ’’التعریفات‘‘ میں بدعت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں!

البدعة هی الفعلة المخالفة للسنة سميت البدعة لأنّ قائلها ابتدعها من غير مقال إمام۔(۲)

’’بدعت (صرف) وہ کام ہے جو سنت کے مخالف ہو اور اس کو بدعت اِس لیے کہتے ہیں کہ اس کا قائل اِمام کے قول کے بغیر اسکی اِختراع کرتا ہے۔‘‘

علامہ جرجانی ؒ کی اِس تعریف سے واضح ہو گیا کہ شرعی اعتبار سے بدعت صرف وہی کام ہوگا جو کتاب و سنت کے اَحکامات سے متعارض و متناقض ہو، لہٰذا بے شمار وہ اُمور جن کا اگرچہ کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو اور وہ شریعت کی کسی حد کو بھی نہ توڑیں تو وہ جائز مباح اور مشروع ہونگے۔

---

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳
۲۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۶۳

(۲) جرجانی، التعریفات: ۱۶

علامہ جرجانیؒ بدعت کی ایک اور تعریف کرتے ہوئے اِس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں:

البدعة هی الأمر المحدث الّذی لم یکن علیه الصحابة والتابعون ولم یکن مما اقتضاه الدلیل الشّرعی۔(۱)

’’بدعت وہ نیا کام ہے جس کو صحابہ ﷺ اور تابعینؒ نے نہ کیا ہو اور نہ ہی وہ دلیلِ شرعی کا تقاضا ہو‘‘

۶۔ **اِمام بدرالدین عینیؒ** شارح صحیح بخاری (المتوفی ۸۵۵ھ) بدعت کی تعریف اور تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة فی الاصل إحداث أمر لم یکن فی زمن رسول الله ﷺ ثم البدعة علی نوعین اِن کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشّرع فهی بدعة حسنة واِن کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشّرع فهی بدعة مستقبحة۔(۲)

’’بدعت اصل میں ایسے نئے کام کا بجالانا ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا ہو، پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر یہ شریعت کے مُستحسنات کے تحت آجائے تو یہ **بدعتِ حسنة** ہے اور اگر یہ شریعت کے مُستقبحات کے تحت آجائے تو یہ **بدعتِ مستقبحة** ہوگی۔‘‘

۷۔ **علامہ اسماعیل حقیؒ** (۱۱۳۷ھ) بھی بدعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدعت صرف اُس عمل کو کہا جائے گا جو سنتِ رسول یا عملِ صحابہ و تابعین کے خلاف ہو۔ فرماتے ہیں:

أنّ البدعة هی الفعلة المخترعة فی الدّین علی خلاف ما کان علیه

(۱) جرجانی، التعریفات: ۱۶

(۲) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱: ۱۲۶

النّبی علیه السلام و کانت علیه الصحابة و التابعون ﷺ۔(۱)

''بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سنت کے خلاف گھڑا جائے اور وہ عمل صحابہ و تابعین ﷺ کے طریقے کے بھی مخالف ہو۔''

مُتذکرہ بالا تعریفات سے یہ حقیقت مُترشّح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل مثال یا نظیر پہلے سے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ''بدعت'' ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز وحرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب و سنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقص (Contradictory) ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیئۃ یا بدعتِ ضلالۃ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ ناجائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو۔ جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ھدیۃ المھدی کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضّلالة المحرّمة هی التی ترفع السّنة مثلها والتی لا ترفع شیئا منها فلیست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔(۲)

''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

(۱) اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۹: ۲۴

(۲) وحید الزمان، ہدیة المهدی: ۱۱۷

رہی وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت داخل ہے اور وہ قرآن و حدیث کے کسی حکم سے ٹکراتی بھی نہیں تو وہ مشروع، مباح اور جائز ہے، اسے محض بدعت یعنی نیا کام ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب و سنت کے ساتھ نا اِنصافی ہے۔

بدعت کا حقیقی تصور

ذیل میں اَحادیث مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا حقیقی مفہوم بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ''اَحادیثِ بدعت'' کا حقیقی اطلاق(Application) کن کن بدعات پر ہوتا ہے۔

۱۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ۔(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

صحیح بخاری میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضية، باب نقض الأحکام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، ۱: ۷، باب تعظيم حديث رسول الله، رقم: ۱۴

۳۔ احمد بن حنبل، المسند: ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶

۵۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

۶۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۳۵۹

۷۔ بيهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۹

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردٌّ۔(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں اصلاً نہ تھی تو وہ مردود ہے۔''

ان اَحادیث میں لفظِ '' اَحْدَثَ '' کے بعد '' مَا لَيْسَ مِنْهُ '' یا '' مَا لَيْسَ فِيْهِ '' کے الفاظ قابل غور ہیں۔ عرفِ عام میں '' اَحْدَثَ '' کا معنی ''دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا'' ہے اور لفظ '' مَا لَيْسَ مِنْهُ '' اَحْدَثَ کے مفہوم کو واضح کر رہا ہے کہ ''اَحْدَثَ'' سے مراد وہ نئی چیز ہوگی جو اس دین میں نہ ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ

اگر ''اَحْدَثَ'' سے مراد ''دین میں کوئی بھی نئی چیز پیدا کرنا'' ہے تو جب ایک چیز نئی پیدا ہو رہی ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' یا ''ما ليس فيه'' کیونکہ اگر وہ دین کا حصہ تھی تو اس کو نئی کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جس کو نئی چیز کہہ دیا تو لفظ ''اَحْدَثَ'' ذکر کر دینے کے بعد اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' کا اضافہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دین میں سے ہو تو نئی (مُحْدَثَه) نہ رہی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم:۲۵۵۰

۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

اور اگر وہ نئی ہے تو ''ما لیس منه'' کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ نئی چیز تو کہتے ہی اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔ذیل میں ''أحدث'' کے بعد ''ما لیس منه'' ذکر کرنے کی حکمت بیان کی جاتی ہے۔

أَحْدَثَ کے بعد مَا لَیْسَ مِنْهُ فرمانے میں حکمت

متذکرہ بالا حدیث پر فکر و تدبّر کرنے اور اس میں ''أحدث'' کے بعد ''ما لیس منه'' کے اضافہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نیا کام مردود نہیں بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا کہ جس کے لئے دین میں سرے سے کوئی اصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ ہی نہ ہو اور اسے دین میں یعنی ضروریاتِ دین، واجباتِ اسلام اور اَساسی عقائدِ شرعیہ میں یوں داخل کیا جائے کہ وہ ''اساسیاتِ دین میں اضافہ'' بن جائے۔ جس سے دینِ اسلام کے بنیادی اُصولوں میں اصلاً کمی یا بیشی واقع ہو جائے۔ یہ اِحداث دینِ اسلام کی مخالفت اور دین میں ''فتنہ'' تصور ہوگا۔

اسی لیے **علامہ ابنِ اَثیر جزریؒ** (المتوفی ۶۰۶ھ) اِحداث کا معنی متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلی هذا التاویل یحمل الحدیث الآخر کل محدثة بدعة انما یرید ما خالف اُصول الشّریعة ولم یوافق السنة۔(۱)

''اِن دلائل کی بنا پر حدیث ''کل محدثة بدعة'' کی وضاحت یوں ہوگی کہ اِس سے مراد ہر وہ نیا کام ہوگا جو اصولِ شریعت کے مخالف ہو اور سنت سے کوئی مطابقت نہ رکھتا ہو۔''

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کے نزدیک بھی جب تک یہی دو شرائط (احداث اور ما لیس منه) نہ پائی جائیں کوئی نیا کام بدعتِ مذمومہ نہیں ہوسکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ ابن اثیر جزری، النهایة فی غریب الحدیث و الأثر، ۱: ۱۰۶
۲۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، ۸: ۶

فليس كل ما أبدع منهيا بل المنهى بدعة تضاد سُنة ثابتة و ترفع أمرا من الشّرع مع بقاء علته۔(۱)

''ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف وہ بدعت ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اُٹھا دے۔''

لیس فیه اور لیس منه میں فرق

ہر کام کی دو حیثیتیں (Dimentions) ہوتی ہیں۔ ایک اس کی اصل اور دوسری اس کی ہیئت۔ جیسے نماز کی اصل ذکرِ الٰہی ہے اور اس کی ہیئت مخصوص اَوقات میں خاص طریق سے عبادت کرنا ہے۔ اسی طرح روزہ کی اَصل حصولِ تقویٰ ہے مگر ایک خاص وقت سے خاص وقت تک کھانے پینے وغیرہ سے اِجتناب کرنا اسکی ہیئت کذائیہ ہے۔ پس ''ما لیس فیه'' کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کا اِضافہ کیا جسکی سرے سے شریعت میں کوئی اَصل، کوئی حوالہ، کوئی مثال، کوئی بنیاد اور کوئی جنس موجود نہ تھی اور پھر ''ما لیس فیه'' اور ''ما لیس منه'' میں ''ہ'' ضمیر کا مرجع ''أمرنا هذا'' ہے۔ یعنی ایسا کام ایجاد کیا جو ضروریاتِ دین میں نہ تھا مگر اسے دین کے واجبات اور بنیادی اُصولوں میں داخل کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے اَساسی عقائد میں اِضافہ کر دیا یا دین کے بنیادی اُصولوں میں کوئی کمی کر دی، احکامِ دین کو توڑا یا دین کی مخالفت کر دی جس سے دینِ اسلام کی شکل بدل جائے تو ایسے اِحداث کو فتنہ اور بدعتِ سئیّہ کہا جائے گا۔

مذکورہ حدیث (**من احدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو ردٌّ**) کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہے کہ اِسے اِمام ابن ماجہؒ نے ''**باب تعظیم حدیث رسول** ﷺ'' کے ذیل میں درج کیا ہے(۲) ہر محدِّث، حدیث کا جو مفہوم سمجھتا ہے اُسے

---

(۱) غزالی، إحیاء العلوم، ۲:۳

(۲) ابن ماجه، السنن، المقدمه، ۱: ۷، باب تعظیم حدیث رسول الله، رقم: ۱۴

ایک عنوان قائم کرکے اُس کے تحت لاتا ہے۔ اِمام ابن ماجہؒ کا اِس حدیث کو ''**باب تعظیم حدیث رسول** ﷺ'' کے تحت لانے کا مقصود یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہ کیا جائے۔ وہ ''**من أحدث فی أمرنا هذا**'' سے حضور ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کرنا مراد لے رہے ہیں یعنی اگر کسی نے کوئی آیت گھڑی اور قرآن کی طرف منسوب کر دی یا کوئی حدیث گھڑی اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی تو وہ مردود ہوگی۔

مغالطے کا ازالہ اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' کا درست مفہوم

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ (۱)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا کوئی امر موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔''

اس حدیث میں ''لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا'' سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام (خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو) مثلاً اِیصالِ ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اخلاقی اُمور، اگر اُن پر قرآن و حدیث سے کوئی نص موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور مردود ہیں۔ یہ مفہوم سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیونکہ اگر یہ معنی لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن و سنت میں نہ ہو وہ حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات (Permissible) کا کیا ہوگا کیونکہ مباح تو کہتے ہی اسے ہیں جس کے کرنے کا

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضیه، **باب نقض الاحکام الباطلة**، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، رقم: ۲۵۵۱۱

۳۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۷، رقم: ۸۱

۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱: ۴۴، رقم: ۷۷

۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱:۶۵

شریعت میں حکم نہ ہو۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی مذکورہ دونوں روایات میں ''فھو رد'' کا اطلاق نہ صرف ''ما لیس منه'' پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط ''أحدث'' پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اُس صورت میں ہوگا جہاں یہ دونوں چیزیں (أحدث اور ما لیس منه) جمع ہو جائیں یعنی مردود فقط وہی عمل ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور کسی جہت سے بھی وہ تعلیماتِ دین سے ثابت نہ ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی ''محدثه'' کے بدعت و ضلالت قرار پانے کے لئے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے۔

۱۔ دین میں اس کی سرے سے کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور احکامِ سنت کو توڑے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی اصل بالواسطہ یا بلا واسطہ نہ قرآن میں ہو نہ سنت رسول ﷺ میں اور اس کو ضروریاتِ دین[1] میں شمار کر لیا جائے جس سے دین کی مخالفت بھی ہو، ایسی بدعت کو ''بدعت سیئه'' اور ''بدعت ضلاله'' کہتے ہیں اور حضور ﷺ کے ارشاد ''كل بدعة ضلالة'' سے بھی یہی بدعت مراد ہے نہ کہ ہر نئے کام کو ''ضلالة'' کہا جائے گا۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بدعت کے اِسی تصور کو واضح کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان (المتوفی ۱۳۲۸ھ) نے علامہ بھوپالی کے حوالے سے اپنی کتاب ''ہدیۃ المہدی'' میں لکھا ہے کہ ''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہوجائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''(۲)

---

(۱) ضروریات دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

(۲) وحید الزمان، هدية المهدى: ۱۱۷

باب دوم

تصورِ بدعت کی درست تعبیر

فصل اول:

بدعات کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہوا

فصل دوم:

فتنوں سے بچنے کے لئے اِتباعِ رسول ﷺ اور اِتباعِ صحابہ کا حکم

فصل سوم:

اِحداث فی الدّین سے مراد اِرتداد کے فتنے ہیں

فصل چہارم:

فتنہءِ احداث و بدعات کا تعلق دورِ خلفاء راشدین سے ہے

فصل پنجم:

تاریخِ اسلام اور آغازِ بدعت

فصل اوّل

بدعات کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہوا

گذشتہ باب میں بدعت اور محدثہ کی تعریف کرتے ہوئے ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ ہر وہ نیا کام جس پر دلیلِ شرعی موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ لُغوی اعتبار سے اسے بدعت ہی کہا جائے گا[1]۔ اِس باب میں ان اُمور کی عملی و اِطلاقی صورت بیان کرنا مقصود ہے جن پر بدعات و محدثات کا اِطلاق ہوتا ہے، تاکہ ایک قاعدہ اور ضابطہ طے کر لیا جائے اور ہم کسی بھی معاملہ کو اِس کسوٹی (criterion) پر پرکھ کر یہ کہہ سکیں کہ آیا یہ بدعت اور اِحداث فی الدّین ہے یا نہیں۔ نفسِ مسئلہ کی تفہیم کے لئے سب سے پہلے تین کتبِ اَحادیث سننِ ابو داؤد، جامع ترمذی اور سننِ ابنِ ماجہ کی متعلقہ اَحادیث کے عنوانات کو ملا کر تصورِ بدعت سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔

بدعات کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہوا

بدعات سے مراد وہ محدثات الاُمور اور اِختلافِ کثیر ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ[2]، فتنہء اِدّعائے

(۱) ۱۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۲
۲۔ محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن أبی داؤد، ۱۲: ۲۳۵
۳۔ عبد الرحمن مبارکپوری، تحفة الأحوذی، ۷: ۳۶۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۵۰۵، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، رقم: ۱۳۳۵
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۵۷، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله، رقم: ۶۸۵۵
۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۵۱، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله إلا الله، رقم: ۲۰
۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۳، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، رقم: ۲۶۰۷

نبوت(۱)، فتنۂ ارتداد(۲) اور فتنۂ خوارج(۳) وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اس مؤقف کی تائید میں کتبِ اَحادیث میں متعدد روایات پائی جاتی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں

اَحادیثِ نبویہ سے استدلال

۱۔ **اِمام ابوداؤدؒ** (۲۷۵ھ) نے کتاب السنة کے ذیل میں ''باب فی لزوم السنة'' میں ایک حدیث بیان کی ہے جسکے راوی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّی بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ: كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ: أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْداً حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِی فَسَيَرَی اخْتِلَافاً كَثِيْراً، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔(۴)

(۱) يعقوبی، تاريخ اليعقوبی، ۲: ۱۳۰

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، كتاب الجهاد، ٦:٦، رقم:۳۰۹۳

۲۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴:۷، رقم:۲۲۴۷

۳۔ حاكم، المستدرك علی الصحيحين، ۱:۵۴۴، رقم:۱۴۲۷

(۳) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ۷:۱۱۹، رقم: ۴۱۰۳

۲۔ نسائي، السنن الكبری، ۲:۳۱۲، رقم: ۳۵٦٦

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۴۲۱

(۴) ۱۔ ابوداؤد، السنن، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴٦۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ ←

''ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری جانب متوجہ ہو کر دل میں اتر جانے والی نصیحتیں فرمائیں، جن سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو الوداعی نصیحت معلوم ہوتی ہے لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور امیر کے فرمانبردار رہنے کی خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہا تو وہ عنقریب بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے، اس کو تھامے رہنا اور اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ دین میں جو فتنے داخل کئے جائیں ان سے بچتے رہنا کیونکہ ہر فتنہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

وضاحت

اس حدیثِ مبارکہ میں چند اہم اُمور ترتیب سے سمجھنے کی ضرورت ہے:

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ یعنی میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تقویٰ اختیار کرنے کا یہ حکم بمنزلہ نصیحت اور وصیت تھا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا میرا حکم ہے۔

.... بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بيهقی، شعب الايمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

ب۔ دوسری اہم وصیت سمع و طاعت تھی، فرمایا ! **وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْداً حَبَشِيًّا** کہ اگر تم پر حبشی غلام بھی خلیفہ یا سربراہ مقرر کر دیا جائے تب بھی اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا (اس ساری بحث کو حدیث **کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة** کے پس منظر کے طور پر ذہن میں رکھیں تا کہ مربوط طریقے سے بات سمجھی جا سکے)

ج۔ حدیث زیر بحث میں تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے دورِ فتن کے تعین کا اِشارہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا **فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِىْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلَافاً كَثِيراً** یعنی اے میرے صحابہ میرے وصال کے بعد تم میں سے جو بھی زندہ رہا تو وہ عنقریب کثرت کے ساتھ اِختلاف دیکھے گا۔ اس حدیث میں لفظ **فسیری** توجہ طلب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اختلافِ کثیر، گروہ بندیاں، اور فتن جن کا ذکر حضور ﷺ فرما رہے ہیں ان کا تعلق صدیوں بعد کے فتن سے نہیں ہے بلکہ یہ حضور ﷺ کے وصال فرمانے کے فوراً بعد دورِ صحابہ اور دورِ خلفاءِ راشدین میں رونما ہوں گے یعنی ان اِختلافات اور فتن کی زد میں براہِ راست خلفاء راشدین آئیں گے، کیونکہ یہ حضور ﷺ کے بعد اُمت کے رہنما اور پیشوا ہوں گے۔ ان پُرآشوب حالات میں حضور ﷺ نے اُمت کی رہنمائی کے لئے ضابطے کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ** یعنی میرے فوری بعد دورِ فتن میں جب دھڑے بندیاں اور گروہ بندیاں شروع ہو جائیں اور لوگ پریشان ہونے لگیں کہ کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں، تو تذبذب اور تردّد کا شکار ہونے کی بجائے میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو تھامے رکھنا۔ حضور ﷺ نے مزید تاکید کرتے ہوئے اِنہیں تلقین فرمائی: **تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذ** اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لینا کہ چھوٹنے نہ پائے۔ حضور ﷺ نے بدعات کا سارا زمانہ اور ان کی نوعیت متعین فرمانے کے بعد اِرشاد فرمایا: **وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ** ”محدثات الاُمور سے بچتے رہنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی

ہے'' یعنی خلفاء راشدین کے ساتھ اس طرح متمسک ہو جانا کہ جو وہ کہیں اسے مان لینا اور جو اُن کے مخالف کہیں اُسے چھوڑ دینا، یہی راہ ہدایت ہے۔

اس حدیث کے مضامین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ محدثات الأمور وہ اِختلافِ کثیر ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین کے زمانے میں فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ، فتنہء اِدّعائے نبوت اور فتنہء اِرتداد وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ انہیں ''محدثات الأمور'' کو حضور ﷺ نے بدعت قرار دیا۔

اہم نوٹ

اس ترتیب اور وضاحت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جو اُمور خلافتِ راشدہ میں ایجاد ہوئے لغوی اِعتبار سے وہ بھی بدعت ہیں۔ لہٰذا یہ موقف مبنی بر صداقت نہیں ہے کہ خلافتِ راشدہ میں ایجاد ہونے والے اُمور بدعت نہیں۔ اس کی تائید اسی حدیث کے اگلے الفاظ سے ہو رہی ہے جس میں حضور ﷺ نے خلافتِ راشدہ میں ظاہر ہونے والے ''اختلافِ کثیر'' سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''إیّاکم و **محدثات الأُمور**'' کہ اے لوگو! میرے بعد عنقریب ظاہر ہونے والے محدثات (یعنی اِختلافِ کثیر) کے فتنہ سے بچتے رہنا کیونکہ ''**فانّ کلّ محدثة بدعة**'' ہر محدثہ بدعت ہے اور ''**کلّ بدعة ضلالة**'' اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے''۔ پس ''محدثات الامور'' وہ فتنے تھے جو حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلافتِ راشدہ کے زمانۂ قریب میں ''اِختلاف کثیر'' کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ان فتنوں سے بچنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''**فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین**'' کہ اگر ان فتنوں سے بچنا چاہتے ہو تو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر چلتے رہنا۔

اسی طرح حدیث ''**من أحدث فی أمرنا هذا مالیس فیه فهوردٌ**''(۱) میں

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

←

بھی أحدث سے مراد یہی اُمور ہیں۔ اِن حالات میں حضور ﷺ نے یہ رہنمائی فراہم کی کہ عنقریب جب بعض لوگ اِسلام کے بنیادی رُکن زکوٰۃ کا انکار کر دیں گے، عقیدۂ ختم نبوت پر حملہ ہو گا اور کچھ لوگ فتنۂ اِرتداد میں مبتلا ہو جائیں گے، اُمت میں انتشار و افتراق اور اختلاف کثیر ہو گا۔ سادہ لوح مسلمان تشکیک و اِبہام میں مبتلا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں گے کہ اب کدھر جائیں تو ان حالات میں آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی کہ دائیں بائیں جانے کی بجائے صرف میرے خلفائے راشدین کے پیچھے جانا کیونکہ یہ میرے راستے پر ہیں۔

۲۔ اِسی حدیث کو چند اَلفاظ کے اِضافہ کے ساتھ **امام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) نے جامع ترمذی کی کتاب العلم میں **باب ماجاء فی الأخذ بالسنة و اِجتناب البدعة** کے ذیل میں درج کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے **أخذ بالسنة** اور **اجتناب أهل البدعة** کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا ہے، یعنی سنتوں کے تھامنے اور بدعتوں کے ترک کر دینے کو ایک دوسرے کے متقابل بیان کیا ہے۔ اس حدیث کا مکمل متن درج ذیل ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافاً كَثِيْراً، وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ، فَمَنْ أَدْرَکَ ذَلِکَ مِنْكُمْ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

.... ۳۔ ابو عوانہ، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

الْمَهْدِيِّيْنَ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔(۱)

’’ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز کے بعد نہایت بلیغ نصیحتیں فرمائیں جن سے آنکھیں پرنم ہوگئیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو الوداعی نصیحت معلوم ہوتی ہے لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمائیے۔ اِرشاد فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی اور حاکمِ وقت کے فرمانبردار رہنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس جو تم میں سے زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اِختلاف دیکھے گا، دین میں جو نئے کام جاری کئے جائیں اِن سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں اور تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے۔ اس (وصیت) کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو۔‘‘

جامع ترمذی کی اس حدیثِ مبارکہ نے سنن ابوداؤد کی پیچھے ذکر کی گئی حدیث کی وضاحت کر دی ہے۔ سنن ابوداؤد میں **وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ** کے الفاظ تھے

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح،، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة و اِجتناب البدع، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بیهقی، شعب الایمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

۹۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

جبکہ جامع ترمذی کی روایت میں وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ کے الفاظ ہیں۔ امام ترمذیؒ کی روایت میں فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ کے الفاظ نے تشریح اور صراحت کر دی کہ وہ اختلافِ کثیر اور محدثات الاُمور جو حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد رونما ہوئے اصل میں وہ ضلالت و گمراہی ہیں، نہ کہ میلاد، عرس اور ختم و درود جیسے اَعمالِ صالحہ۔ اِسطرح حضور ﷺ نے فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فرما کر خود اعمالِ بدعت کو متعین فرما دیا کہ یہ نئے اعمالِ صالحہ، بدعت نہیں بلکہ اختلافِ کثیر بدعت ہیں۔ لہٰذا جو شخص اُس زمانۂ فتن کو پائے اس پر لازم ہے کہ میرے خلفاء راشدین کی سنت کو تھام لے کیونکہ ان کی سنت میری سنت ہے۔

۳۔ درج ذیل احادیثِ مبارکہ میں بھی اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ''احداث فی الدّین'' (یعنی دین میں فتنہ) کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، جس میں فتنۂ اِرتداد، فتنۂ انکارِ زکوٰۃ اور فتنۂ اِدّعائے نبوت جیسے متعدد فتن کا ظہور ہوا۔ امام بخاریؒ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا فرطكم على الحوض و لَيُرْفَعَنَّ رجال منكم ثم لَيُخْتَلَجُنَّ دوني، فأقول: يا رب أصحابي فيقال: إنّك لا تدري ما أحدثوا بعدك۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب في الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵
۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب التفسير، باب و كنت عليهم شهيدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹
۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة، باب فناء الدنيا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰
۴۔ ترمذي، السنن، كتاب التفسير، باب من سورة الأنبياء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷
۵۔ نسائي، السنن، كتاب الجنائز، باب أول من يكسى، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷
۶۔ نسائي، السنن الكبرىٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰
۷۔ ابن ابي شيبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷
۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

''میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور تم میں سے کچھ آدمی مجھ پر پیش کیے جائیں گے پھر وہ مجھ سے جدا کر دیئے جائیں گے، تو میں کہوں گا: اے میرے رب! (یہ تو) میرے لوگ ہیں، تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کام ایجاد کیے تھے؟''

۴۔ **امام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترد علي أمتي الحوض. وأنا أذود الناس عنه. كما يذود الرجل إبل الرجل عن إبله. قالوا: يا نبي الله! أتعرفنا؟ قال: نعم. لكم سيما ليست لأحد غيركم. تردون علي غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ من آثار الوضوء، وليصدن عني طائفة منكم فلا يصلون. فأقول: يا ربّ، هؤلاء من أصحابي. فَيُجِيْبُنِي ملك فيقول: وهل تدري ما أحدثوا بعدك۔(۱)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۱: ۲۱۷، كتاب الطهارة، باب إستحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء، رقم: ۲۴۷
۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الرقاق، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵
۳۔ بخاری، الصحيح، كتاب التفسير، باب وكنت عليهم شهيدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹
۴۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة، باب فناء الدنيا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰
۵۔ ترمذی، السنن، كتاب التفسير، **باب من سورة الأنبياء**، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷
۶۔ نسائی، السنن، كتاب الجنائز، **باب أول من يكسى**، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷
۷۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰
۸۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷
۹۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

''میرے اُمتی حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے اور میں لوگوں کو اس سے ایسے ہٹاؤں گا جیسے کوئی شخص دوسرے کے اُونٹوں کو اپنے اُونٹوں سے دور ہٹاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یانبي الله ﷺ! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تمہاری ایک خاص نشانی ہوگی جو تمہارے سوا کسی کی نہ ہوگی۔ تم میرے پاس وضو کے باعث روشن پیشانیوں، ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ آؤ گے، اور تم میں سے ایک گروہ کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا پس وہ (ہمیں) نہیں ملیں گے تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے لوگ ہیں تو مجھے ایک فرشتہ جواب دیتے ہوئے عرض کرے گا: آپ یقیناً جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالیں تھیں۔''

مذکورہ دونوں روایات میں **یا رب أصحابی** اور **أحدثوا بعدک** کے الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ دورِ فتن کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد دورِ خلفاء راشدین میں ہو گیا تھا۔

وضاحت

مذکورہ حدیث کے آخر میں لفظِ ''ھل'' مذکور ہوا ہے۔ یہ لفظ سوال و اِستفہام کا معنی دینے کے ساتھ ساتھ دیگر معانی مثلاً تاکید اور تحقیق کے لئے بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں لفظ ''ھل'' بمعنی **قد** یعنی تاکید ہے۔ یعنی یہاں پر ''ھل'' اِستفہامِ تقریری کے لیے ہے۔ اِس طرح حدیث ''**ھل تدري ما أحدثوا بعدک**'' کا معنی یہ ہو گا (اے اللہ کے رسول ﷺ) یقیناً آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے فتنے گھڑ لیے تھے''۔

قرآنِ مجید میں بھی ''ھل'' اِس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اِرشاد باری تعالی ہے **هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا**(1) ''بے شک

(۱) الدھر، ۷۶:۱

انسان پر زمانے کا ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذِکر چیز ہی نہ تھا۔‘‘ اسی طرح سورہ طٰہ میں اِرشاد ہوتا ہے: وَ هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی (۲) ’’اور بے شک آپ کو موسیٰؑ (کے احوال) کی خبر پہنچی ہے۔‘‘

متذکرہ بالا آیاتِ مقدسہ میں لفظِ ’’**ھل**‘‘ تاکید اور واقعہ کے اِثبات کے لئے بیان ہوا ہے، اِس لئے ہم نے حدیث ’’**و ھل تدری ما أحدثوا بعدک**‘‘ کا ترجمہ سوالیہ کی بجائے تاکید اور اِثبات کے معنٰی میں کیا ہے۔

❁ ❁ ❁

(۲) طٰه، ۹:۲۰

فصل دوم:

فتنوں سے بچنے کے لئے اِتباعِ رسول ﷺ اور اِتباعِ صحابہ کا حکم

- خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں اہلِ بدعت کا خصوصی ذکر
- بدعت و ضلالت کے دائرے کا تعین
- ایک علمی مغالطہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف دورِ فِتن کا تعیّن فرمایا بلکہ اِس دور میں ضلالت و گمراہی سے بچنے کا طریقہ بھی واضح فرما دیا کہ اس دور میں فتنوں سے بچنے کا واحد راستہ اتباعِ رسول ﷺ اور اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہو گا یعنی میرے فوری بعد دورِ فتن میں جب دھڑے بندیاں اور گروہ بندیاں شروع ہو جائیں اور لوگ پریشان ہونے لگیں کہ کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں، تو تذبذب اور تردّد کا شکار ہونے کی بجائے میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو تھامے رکھنا۔ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ خوب متمسّک ہو جانا کہ اِن کہ سنت میری ہی سنت ہو گی جو وہ کہیں اسے مان لینا اور جو ان کے مخالف کہیں اسے چھوڑ دینا، یہی راہِ ہدایت اور اِحداث و بدعات سے محفوظ وماً مون طریقہ ہے۔

احادیثِ مبارکہ سے وضاحت

۱۔ **امام ابن ماجہؒ** (۲۷۳ھ) سننِ ابن ماجہ کے مقدمہ میں باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهديين کے ذیل میں حدیث نقل کرتے ہیں جسکے راوی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَاالْعُيُوْنُ. فَقِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَعَظْتَ مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ فَاعْهَدْ اِلَيْنَا بِعَهْدٍ. فَقَالَ ”عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِی اِخْتِلَافًا شَدِيداً. فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. وَاِيَّاكُمْ وَالْاُمُوْرَ الْمُحْدَثَاتِ. فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ۱:۱۵، رقم: ۴۲

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

←

’’رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور ہمیں بہت عمدہ نصیحت فرمائی، جس سے لوگوں کے دل لرز اٹھے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لوگوں نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ : آپ نے تو ہمیں ایسی نصیحت فرمائی ہے جیسے کوئی کسی کو رخصت کررہا ہو۔ آپ ہم سے کوئی عہد و پیمان لے لیجیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم اللہ کے خوف، اَمیر کا حکم سننے اور اِطاعت کرنے کو اپنے اُوپر لازم سمجھ لو چاہے تمہارا اَمیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔تم میرے بعد بہت اختلاف دیکھو گے۔ تم میری سنت اور خلفاء راشدین المہدیین کی سنت کو لازم پکڑ لینا اور ان کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لینا (یعنی اِس پر جمے رہنا) اور بدعات سے گریز کرنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘

وضاحت

اس حدیثِ مبارکہ کا پس منظر اور شانِ ورود ہی خلفائے راشدین ﷺ کے دور میں پیدا ہونے والے فتن تھےجن کی صراحت حضور ﷺ نے اِیَّاکُمْ وَالْأُمُوْرَ الْمُحَدَثَاتِ

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۴۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۸۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۹۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

۱۰۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہہ کر فرما دی اور انہیں کے مقابلے میں سنتِ نبوی اور سنتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن ماجہؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشاء و مراد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس حدیث کے باب کا عنوان ہی **اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين** مقرر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک دورِ فتن اور دورِ ارتداد میں اِیمان کے بچاؤ کا واحد راستہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اطاعت و اتباع ہے، یہی وجہ ہے کہ سننِ ابن ماجہ کی اِسی حدیث کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا کی مثال بیان کی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! یہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تو میرے قریبی صحابہ اور ساتھی ہیں، میرے مہاجرین اور انصار ہیں، اِنہوں نے تو بڑی قربانیاں دی ہیں اور میرے ساتھ مل کر اسلام کو اِستحکام دیا ہے، اگر ایسے موقع پر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو سنت یہ ہے کہ اس کی بات سنو اور اس کے حکم پر عمل کرو، لہٰذا دورِ ابتلاء و آزمائش میں صرف خلفاءِ راشدین کے پیچھے جانا، ان کی ہی اطاعت کرنا اور ان کے مقابلے میں فتنہ انگیزوں اور ان کے مخالفین کے پیچھے نہ جانا۔

۲۔ **امام حاکمؒ** (۴۰۵ھ) نے اسی روایت کو بعض الفاظ کے تغیّر کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں:

> **خرج علينا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يوما فقام فوعظ الناس و رغبهم و حذرهم و قال: ما شاء الله أن يقول ثم قال: اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وأطيعوا من ولاه الله أمركم، ولا تنازعوا الأمر أهله، لو كان عبدا أسود، وعليكم بما تعرفون من سنة نبيكم والخلفاء الراشدين المهديين، و عضّوا على نواجذكم بالحق۔(۱)**

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۷۵، رقم: ۳۳۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ۴۳

←

''ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہو کرلوگوں کو وعظ و نصیحت اور ترغیب و تحذیر کی اور جو اللہ نے چاہا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر فرمایا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ جس کے سپرد تمہارا معاملہ کرے اس کی اطاعت کرو اور تم امارت میں اس کے اہل سے جھگڑا نہ کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور اپنے نبی ﷺ اور رشد و ہدایت والے خلفاء رضی اللہ عنہم کی سنت جو تم جانتے ہو، پر عمل کرنا لازم ہے اور تم اسے دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لو (یعنی اس پر جمے رہو)''

۳۔ اِمام طبرانیؒ (۳۶۰ھ) بھی اسی حدیث کو المعجم الکبیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قام فينا رسول الله ﷺ ذات غداة فوعظنا موعظة وجلت منها القلوب و ذرفت منها العيون فقلنا: يا رسول الله! إنک قد وعظتنا موعظة مودع فاعهد إلينا فقال: عليكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبدا حبشيًّا فسيرى من بقي من بعدي اِختلافًا شديدا فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء المهديين الراشدين و عضّوا عليها بالنّواجذ وإيّاكم والمحدثات فإنّ كلّ محدثة ضلالة۔(۱)

.... ۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۷، رقم: ۶۱۹

۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۱۹، رقم: ۳۳

۶۔ بیہقی، المدخل، ۱: ۱۱۶، رقم: ۵۱

۷۔ هبة الله، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۲۲

۸۔ مقرئ، السنن الواردة فی الفتن، ۲: ۳۸۲، رقم: ۱۲۶

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ۴۳

←

''حضور نبی اکرم ﷺ نے صبح کے وقت ہمارے درمیان قیام فرمایا اور ہمیں نصیحت آموز وعظ کیا، جس سے دل کانپ اٹھے اور آنکھیں بہنے لگیں۔ پس ہم عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! بے شک آپ نے ہمیں الوداعی وعظ کیا ہے، لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور حاکمِ وقت کے فرمانبردار اور اطاعت گزار رہنے کی، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اور تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا تو وہ بہت شدید اختلاف دیکھے گا، پس تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے، اس کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو، اور دین میں جو نئے فتنے جاری کئے جائیں ان سے بچتے رہنا کیونکہ ہر فتنہ گمراہی ہے۔''

وضاحت

مذکورہ روایات میں حضور ﷺ نے نہ صرف ''**محدثات الأُمور**'' کے حقیقی اطلاق بلکہ زمانے کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو چند دن جیئے گا وہ ''اِختلاف کثیر'' کی شکل میں ظاہر ہونے والے فتنوں کو دیکھ لے گا اور اس وقت وہ سوچے گا کہ اب کس کی بات مانے اور کس کی نہ مانے؟ یہ وہ فتنے تھے جو حضور اکرم ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلافتِ راشدہ کے زمانہء قریب میں ظاہر ہوئے۔ ان فتنوں سے بچنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''**فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء المهديين الراشدين**'' اِن الفاظ سے یہ عندیہ بھی ملتا ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور

.... ۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۴۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۵، رقم: ۳۳۱
۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۱۹، رقم: ۳۳
۶۔ بیہقی، المدخل، ۱: ۱۱۶، رقم: ۵۱
۷۔ هبة الله، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۲۲

میں فتنے پیدا ہوں گے یعنی فتنۂ اِرتداد، فتنہ منکرینِ زکوٰۃ، فتنہ خوارج اور جھوٹے مدعیان نبوت نمودار ہوں گے لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد بعض لوگوں نے نبی ہونے کا دعوی کر دیا، کئی قبیلے مرتد ہو گئے اور بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا۔ اِن کی سرکوبی کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اَفواج بھیجیں۔ حدیثِ پاک میں اِن حالات کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس دور میں اگر ان فتنوں سے بچنا چاہتے ہو تو میری اور میرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر چلنا، جو میرے خلفائے راشدین فیصلہ کریں تم اس کو مضبوطی سے تھام لینا، وہی میری سنت ہوگی اور جو میرے خلفائے راشدین کی راہ پر چلے گا وہ حق پر ہوگا، جو اس راستے سے ہٹ کر دیگر فتنے اِیجاد کرے گا وہ ''**محدثات الأُمور**'' ہوں گے ایسے اُمور ''**بدعات**'' ہوں گے اور ایسی بدعات ''**ضلالت**'' شمار ہوں گی۔

اِن تمام متذکرہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں رونما ہونے والے فتنوں کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور **فعليکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين** فرما کر اُمت کی یہ رہنمائی بھی فرما دی تھی کہ ایسے دورِ فتن میں ہدایت یافتہ طبقہ کون سا ہوگا اور تمہیں کس طبقے کا ساتھ دینا ہوگا۔

۴۔ **امام شہرستانیؒ** (المتوفی ۵۴۸ھ) **الملل والنحل** میں نقل کرتے ہیں کہ جب خوارج نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدعتی اور کافر کہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی (الملل والنحل، ۱:۱۳۷) اور مسلمانوں کے خلاف فتنہ و فساد کا ایک محاذ کھڑا کر دیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف لشکرکشی کی۔ دوسری طرف خوارج کا نام نہاد زہد وتقویٰ اور بلند اَخلاق دیکھ کر بعض صحابہؓ بھی شش و پنج میں پڑ گئے کہ اب کس طرف جائیں اور کس کی پیروی کریں؟ **امام طبرانیؒ** (۳۶۰ھ) **المعجم الاوسط** میں اس حوالے سے حضرت جُندَب رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

عن جندب قال لما فارقت الخوارج عليًّا خرج في طلبهم و خرجنا معه فانتهينا اِلٰی عسکر القوم فاذا لهم دوی کدوی النحل

من قراء ة القرآن و فيهم اَصحاب الثفتات و اصحاب البرانس فلما رأيتهم دخلني من ذلک شکّ فتنحيت فرکزت رمحي و نزلت عن فرسي و وضعت ترسي فنثرت عليه درعي و أخذت بمقود فرسي فقمت اصلي إلي رمحي و انا أقول في صلاتي اللّهم إن کان قتال هولاء القوم لک طاعة فاء ذن لي فيه و اِن کان معصيّة فأرني براء تک قال فانا کذلک اذا أقبل عليّ بن اَبي طالب علي بغلة رسول اللہ ﷺ فلمّا حاذاني قال تعوّذ باللہ يا جُندَبُ من الشّک۔(۱)

’’حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے اور ہم بھی ساتھ تھے۔ جب ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے تو قرآن شریف پڑھنے کا ایک شور سنا گیا اور ان کی حالت یہ تھی کہ تہبند باندھے ہوئے اور ٹوپیاں اوڑھے ہوئے تھے یعنی کمال درجہ کے زاہد و عابد نظر آتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر مجھ پر ان کا قتال نہایت شاق گزرا اور میں نے ایک طرف نیزہ گاڑھ کر ٹوپی اور زرہ اس پر ٹانگی اور گھوڑے سے اتر کر نیزہ کی سمت نماز شروع کر دی اور اس میں دعا یہ تھی کہ ’’الٰہی اگر اس قوم کا قتل کرنا تیری اِطاعت ہے تو مجھے اِجازت مل جائے اور اگر معصیت ہے تو مجھے اس رائے پر اطلاع ہو۔‘‘ ہنوز اس سے فارغ نہ ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیوانہ وار میرے پاس آئے اور فرمایا! اے جندب رضی اللہ عنہ! شک کے شر سے پناہ مانگو۔‘‘

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۲۷، رقم: ۴۰۵۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۴۱
۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۲: ۲۹۶
۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۳۴۹

اس سے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کو انشراحِ صدر نصیب ہوا کہ حق کس طرف ہے لہٰذا جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف اِعلانِ جنگ کیا تو حضرت جندب خوارج کے خلاف دیوانہ وار لڑے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بھرپور ساتھ دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ**[1] یعنی ایسے دورِ فتن میں حق پر وہی ہوگا جو اس اکثریتی گروہ یعنی خلفاء راشدین کے ساتھ ہوگا۔

خلفاء راشدین کے مقابلے میں اہلِ بدعت کا خصوصی ذکر

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور فتنہ پرور گروہ کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دورِ فتن میں ایک طرف خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہوں گے اور دوسری طرف ان کے مخالفین جھوٹے مدعیانِ نبوت، منکرینِ زکوٰۃ، مرتدین اور ان کے سرغنہ ہوں گے۔ ان دونوں کے درمیان اِختلافِ کثیر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس صورتحال کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ منکرین و مرتدین کا عمل **محدثات الأُمور** ہے، لہٰذا **کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة**[1] ان کا انجام ہوگا جبکہ ان کے مقابلے میں اہلِ حق کا عمل **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين**[2] ہوگا یعنی جو لوگ میری اور میرے خلفاء کی سنت سے متمسک ہو جائیں گے وہ راہ ہدایت پر ہوں گے

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۲) ایضاً

اور جو ان کی مخالفت کر کے کسی دوسرے راستے پر چلیں گے وہ من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردٌّ[1] کے مصداق بن کر مردود و مقہور ہو جائیں گے۔

بدعتِ ضلالت کے دائرے کا تعیُّن

حضور ﷺ نے اِس حقیقت کو واضح فرماتے ہوئے اِحداث و بدعت کے مفہوم اور اس کے دائرے کو متعین فرما دیا کہ کس سطح کے اُمور مُحدثات وبدعات ہوں گے اور کون سے نہیں۔ جیسے فتنہء اِرتداد، فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ اور فتنہء اِدّعائے نبوت کو بدعات میں شامل فرمایا، اسی طرح اگر کوئی نماز کا اِنکار کر دے، حج کا انکار کر دے، اَرکان اسلام یا ضروریاتِ دین میں سے کسی اَمر کا انکار کر دے یا اُمورِ دین میں کسی چیز کا اضافہ کر دے، تو یہ سارے فتنے اِحداث اور بدعت شمار ہوں گے۔ لہٰذا اب نیکی اور بھلائی کے چھوٹے چھوٹے اُمور پر بدعت اور اِحداث کا اِطلاق کرنا بذاتِ خود محدثۃ اور ضلالۃ کے زمرے میں آتا ہے۔ اِسی طرح دین کے اُمورِ صالحات، نفلی عبادات اور خیرات وصدقات یہ سب اُمور نہ دین کی ضروریات میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ دین میں اِضافہ ہیں۔ ایسے جملہ اُمور کو بدعت کہنا بذاتِ خود بدعت ہے، لہٰذا اِنہیں بدعت اور مُحدِثہ کہنے والے خود مُحدِث یعنی بدعتی ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے دین میں اِحداث اور بدعت دیگر چیزوں کو کہا ہے مگر آج بعض مذھبی اِنتہا پسند حسنات و صالحات کو بدعت کہہ رہے ہیں۔ سننِ ابن ماجہ میں ہی اسی باب کے ذیل میں چند الفاظ کے تغیّر کے ساتھ دوسری روایت ہے کہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۲: ۹۵۹، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور، رقم: ۲۵۵۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶
۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸
۴۔ ابو يعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴
۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

وعظنا رسول الله ﷺ موعظة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب. فقلنا: يا رسول الله إنّ هذه لموعظة مُوَدِّعٍ. فماذا تَعْهَدُ إلينا؟ قال: قد تركتكم على البيضاءِ ليلُها كنهارِها. لا يَزِيْغُ عنها بعدي إلا هالكٌ. من يعش منكم فسيرى اِختلافا كثيرا فعليكم بما عرفتم من سنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين. عضُّوا عليها بالنواجذ. وعليكم بالطّاعة. وإنْ عَبْداً حَبَشِيًّا. فإنّما المؤمن كَالْجَمَلِ الأَنِفِ. حيثما قِيْدَ انْقَادَ۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نصیحت آموز وعظ کیا جس سے آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور دل کانپ اُٹھے۔ پس ہم عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو اَلوداعی نصیحت معلوم ہوتی ہے لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: میں تمہیں ایسے پاکیزہ دین پر چھوڑے جارہا ہوں کہ جس کی راتیں اس کے دن جیسی ہیں۔ سوائے ہلاک ہونے والے شخص کے کوئی اس سے رُوگردانی نہیں کرے گا۔ جو کوئی تم میں سے زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اِختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر (قائم رہنا) لازم ہے جو تم نے جانا میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت سے جو رشد و ہدایت والے ہیں اور اسے دانتوں کے ساتھ

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ۴۳
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۳۔ حاکم، المستدرك، ۱: ۱۷۵، رقم: ۳۳۱
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۷، رقم: ۶۱۹
۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۱۹، رقم: ۳۳
۶۔ بیهقی، المدخل، ۱: ۱۱۶، رقم: ۵۱
۷۔ هبة الله، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۲۲

مضبوطی سے پکڑ لو، اور تم پر حاکمِ وقت کی اِطاعت کرنا لازم ہے خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، مؤمن صرف ناک میں نکیل ڈالے جانے والے اُونٹ کی مانند ہوتا ہے کہ جیسے اُسے کھینچا جائے وہ تابعدار ہوتا ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ’’**فعليكم بما عرفتم من سُنّتي و سنّة الخلفاء الراشدين المهديين**‘‘ سے واضح ہوتا ہے کہ خلفاءِ راشدین کی اِطاعت بھی واجب ہے۔ اسی لئے مزید فرمایا گیا و**عليكم بالطاعة و ان عبداً حبشياً** یعنی اپنے اَمیر کی اطاعت کرو چاہے وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ **جب ایک حبشی امیر کی اِطاعت لازم ہے تو خلیفہ کی اطاعت کیسے لازم نہیں ہوگی۔**

ایک علمی مغالطہ

بعض لوگ تصورِ بدعت کے حوالے سے ایک علمی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مزعومہ عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کے کسی خاص ٹکڑے کو اپنے سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کرتے ہیں اور اس خاص حصے کو اِس حد تک کثرت سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہی مکمل حدیث ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی مکمل حدیث کا ایک جزو ہوتا ہے۔ مثلاً فرمانِ رسول ’’**إيّاكم و محدثات الامور فانّ كلّ محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة**‘‘[1] الگ سے کوئی حدیث نہیں بلکہ

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

←

ایک مکمل مضمونِ حدیث کا ایک حصہ ہے، جسے وہ کثرت سے اپنے سیاق وسباق سے الگ غلط طریقے سے بیان کرتے ہیں جس سے عوام الناس اور عام طلباء غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس امر پر غور نہیں کیا جاتا کہ حضور ﷺ کے فرمان سے غلط اِستدلال کیا جا رہا ہے حالانکہ فرمانِ رسول کا منشاء و مراد کچھ اور ہوتا ہے لہٰذا احادیثِ مبارکہ کو اپنے سیاق وسباق اور پس منظر سے کاٹ کر بیان کرنا اور اس سے اُمتِ مسلمہ کو گمراہ، بدعتی اور مشرک قرار دینا نہ صرف علمی خیانت ہے بلکہ تعلیماتِ اسلام کے ساتھ بہت بڑا مذاق بھی ہے۔ اس حدیث کو اگر اس کے سیاق وسباق کے ساتھ دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس میں حضور ﷺ دورِ اِفتراق و اِنتشار میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مخالفین سے دور رہنے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ جُڑے رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

❁ ❁ ❁

٦۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ١٨: ٢٤٩، رقم: ٦٢٤

٧۔ دارمی، السنن، ١: ٥٧، رقم: ٩٥

٨۔ بیہقی، شعب الایمان، ٦: ٦٧، رقم: ٧٥١٦

٩۔ حاکم، المستدرک، ١: ١٧٤، رقم: ٣٢٩

فصل سوم

اِحداث فی الدّین سے مراد ارتداد کے فتنے ہیں

- ایک غلط فہمی کا اِزالہ
  - احادیثِ مبارکہ سے تائید
  - وضاحت
- اِحداث فی الدین سے مراد تغیّر فی الدین ہے

ایک غلط فہمی کا اِزالہ

اَحادیثِ مبارکہ سے اِس اَمر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ **''محدثات الأُمور''** سے مراد اِرتداد کی سطح کے فتنے ہیں، جن کا اِرتکاب کرنے والے وہ لوگ تھے جو حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں دائرہ اِسلام میں داخل ہوگئے تھے(۱) اور بعد میں مرتدین، منکرینِ زکوٰۃ، جھوٹے مدعیانِ نبوت اور خوارج کے حامی ہوگئے۔

یہاں کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ اگر اِحداث و بدعت کو اس خاص معنی میں محصور کر دیا جائے اور اس سے یہی مراد لیا جائے جو ہم نے اُوپر بیان کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب قیامت تک نہ کوئی بدعت ہوگی اور نہ کوئی بدعتی۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ صورتیں ہمیشہ دو ہوتی ہیں، ایک خصوصی اور دوسری عمومی۔

اگر بدعت سے ہم خصوصی طور پر ضلالت و گمراہی مراد لیں تو اس سے مراد

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، ۵: ۲۴۰۷، كتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۱۳

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب التفسير، باب وكنت عليهم شهيدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة، باب فناء الدنيا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰

۴۔ ترمذی، السنن، كتاب التفسير، باب من سورة الأنبياء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷

۵۔ نسائی، السنن، كتاب الجنائز، باب أول من يكسی، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷

۶۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

اِرتداد کا باعث بننے والے اِختلافات اور فتنے ہوں گے، جیسے فتنۂ قادیانیت، فتنۂ بہائیت وغیرہ۔ یعنی اگر کوئی نئی نبوت کا اعلان کر دے، نئی کتاب یا نیا دین گھڑ دے، نیا کعبہ بنا دے، اَرکانِ دین کو پانچ کی بجائے سات کر دے، نمازیں پانچ کی بجائے چھ یا تین کر دے، اَساسِ دین میں کمی یا زیادتی کر دے، الغرض دین میں ایسی کمی یا اضافہ جو اِرتداد کا باعث ہو، چاہے وہ کسی وقت اور کسی بھی زمانے میں ہو، وہ بدعت و ضلالت اور گمراہی ہو گا اور حدیث ''كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار''[1] سے بھی یہی بدعتِ خاص مراد ہے لہٰذا اس حدیث نے بدعت کے معنی ومفہوم کو متعین کر دیا ہے کہ اب قیامت تک بھی اگر کسی دور میں اِس سطح اور اس نوعیت کے عقائد اور اَعمال وضع کر کے دین کی طرف منسوب کئے جائیں تو وہ بدعت ہوں گے اور اس کے ماننے والوں کا گروہ اہلِ بدعت کا گروہ ہو گا۔ ان کے لیے وہی حکم ہو گا جو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اہلِ بدعت کے لیے تھا[2]

محدّثین اور فقہاء نے عمومی طور پر جو بدعت یا اِحداث کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے مراد کبھی بدعتِ لغوی اور کبھی بدعتِ حسنہ ہوتی ہے۔ اب رہ گئی بدعتِ سیئہ، تو یہی بدعتِ ضلالۃ ہے جو باعثِ ارتداد ہوتی ہے۔

---

(١) ١۔ نسائی، السنن، كتاب صلوٰة العيدين، باب كيف الخطبة ٣: ١٨٩، رقم: ١٥٧٨

٢۔ نسائی، السنن، ٥: ٥٥٠، رقم: ١٧٨٦

٣۔ طبرانی، المعجم الكبير، ٩: ٩٧، رقم: ٨٥٢١

٤۔ لالكائی، إعتقاد اہل السنة، ١: ٧٧، رقم: ٨٥

٥۔ السنة، مروزی، ١: ٢٩، رقم: ٧٩

٦۔ بيہقی، الإعتقاد، : 7229

٧۔ ابو نعيم أصبهانی، المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم، ٢: ٤٥٥، رقم: ١٩٥٣

(٢) عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ لا يقبل الله لصاحب بدعة صومًا و لا صلٰوةً و لا صدقةً و لا حجًا و لا عمرةً و لا جهادًا و لا صرفًا و لا عدلًا ←

اَحادیثِ مبارکہ سے تائید

۱۔ بدعات کی نوعیت اور ان کے زمانہ کا تعین متعدد اَحادیثِ مبارکہ میں فرما دیا گیا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں نفسِ مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر سے ایک بہت اہم حدیث پیش کرتے ہیں جسے اِمام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کے علاوہ امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے کتاب الجنة میں، امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) نے کتاب التفسیر میں اورامام نسائیؒ (۳۰۳ھ) نے کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے۔ان کے علاوہ اکثر و بیشتر محدّثین نے اس حدیث کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ) سے روایت ہے کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

يا أيها النّاس انّكم محشورون إلى الله حفاة عراة غرلا ثم قال ”كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ“[۱] الى آخر الاية ثم قال ألا وان أول الخلائق يكسى يوم القيامة ابراهيم عليه السلام ألا وانه يجآء برجال من اُمتى فيوخذ بهم ذات الشّمال فأقول يا رب أصيحابى فيقال انّك لا تدرى ما أحدثوا بعدك فأقول كما قال العبد ال صالح ”وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِى كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ شَهِيْدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ“[۲] فيقال ان هولاء لم يزالوا مرتدين على

.... يخرج من الاسلام كما تخرج الشّعرة من العجين (ابن ماجه، السنن، باب اِجتناب البدع والجدل، ۱:۱۹، رقم:۴۹)

اہلِ بدعت سے متعلق مزید تفصیلات کے لئے باب:۶ ”قرونِ اُولیٰ اور تصور بدعت“ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) الأنبياء، ۲۱:۱۰۴

(۲) المائده، ۵:۱۱۷

أعقابهم منذ فارقتهم۔(۱)

''اے لوگو! تم اللہ کے پاس ننگے پیر، ننگے بدن اور بغیر ختنے کے جمع کئے جاؤ گے۔ پھر آیتِ مبارک تلاوت فرمائی'' جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا ہم (اس کے ختم ہو جانے بعد) اسی عملِ تخلیق کو دہرائیں گے یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے ہم (یہ اعادہ) ضرور کرنے والے ہیں'' (پھر فرمایا:) سنو! مخلوق میں سب سے پہلے ابراہیم (علیہ السلام) کو لباس پہنایا جائے گا، سنو! بے شک میری اُمت میں سے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، ان کو بائیں جانب سے پکڑ لیا جائے گا۔ میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرے لوگ ہیں۔ کہا جائے گا کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا فتنے نکالے تھے؟۔ پس میں وہی کہوں گا جو اللہ کے ایک عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا'' اور میں ان (کے عقائد و اعمال) پر (اس وقت تک) خبر دار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان (کے حالات) پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے، اگر تو انہیں عذاب

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۶۹۱، کتاب التفسير، باب وكنت عليهم شهيدا، رقم: ۴۳۴۹

۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۹۱، کتاب الرقاق، باب كيف الحشر، رقم: ۶۱۶۱

۳۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۱۹۴، کتاب الجنة، باب فناء الدنيا، رقم: ۲۸۶۰

۴۔ ترمذی، السنن، ۵: ۳۲۱، کتاب التفسير، **باب من سورة الأنبياء**، رقم: ۳۱۶۷

۵۔ نسائی، السنن، ۴: ۱۱۷، کتاب الجنائز، **باب أول من يكسى**، رقم: ۲۰۸۷

۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تُو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے‘‘ پھر مجھ سے کہا جائے گا جیسے ہی آپ ان سے جدا ہوئے یہ اُسی وقت مرتد ہو گئے تھے۔‘‘

وضاحت

اِس حدیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ نے در اَصل اِحداث، محدثہ اور بدعت کا معنی متعین فرما دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اِس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اِنہیں دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہو گا میں دیکھ کر کہوں گا کہ اے فرشتو ٹھہرو! یہ تو میرے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ سے عرض کیا جائے گا، اِنّک لا تدری ما أحدثوا بعدک کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا نئے فتنے کھڑے کئے تھے؟ اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لئے پچھلے صفحات میں ذکر کی گئی تینوں روایات ’’من أحدث فی أمرنا هذا[۱] اور ’’إنّک لا تدری ما أحدثوا بعدک[۲] اور ’’فانه

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم:۲۵۵۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶
۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸
۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴
۵۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹
۶۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۶۹۱، کتاب التفسیر، باب وکنت علیہم شہیدا، رقم: ۴۳۴۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۹۱، کتاب الرقاق، باب کیف الحشر، رقم: ۶۱۶۱
۳۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۱۹۴، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، رقم: ۲۸۶۰

من يعش بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً[1] پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اِحداث سے مراد اِرتداد کی سطح کے فتنے ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں رونما ہوئے۔ کیونکہ بعض قبائل اور لوگ کثرت سے فتوحات دیکھ کر داخلِ اسلام ہو گئے تھے لیکن ابھی ایمان پورے طور پر ان کے دلوں میں نہیں اُترا تھا۔ دنیاوی مال و دولت کی محبت غالب تھی۔ جونہی آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال ہوا تو ان میں سے کچھ لوگ مرتد ہو گئے، کسی نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کسی نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اِن کے تمام احوال و واقعات کو دیکھ کر فرشتے عرض کریں گے کہ یا رسول اللہ ﷺ: **إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک** حضور ﷺ نے فرمایا میں اس وقت وہی بات کہوں گا جو اللہ کے بندے عیسیٰ علیہ السلام نے کہی تھی! **وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِم** ’’اور میں ان (کے عقائد و اَعمال) پر (اس وقت تک) خبردار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تو ہی اِن (کے حالات) پر نگہبان تھا۔‘‘

اِس حدیثِ پاک کے آخری حصہ میں ہمارے مؤقف کی تائید میں کہ ’’أحدثوا‘‘ سے مراد اِرتداد ہے، اس پر صراحتاً دلیل آرہی ہے کہ: **إنّ هؤلاء لم يزالوا مرتدّين على أعقابهم منذ فارقتهم**‘‘ (جونہی آپ ﷺ ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑھیوں کے بل دین سے پھر گئے)۔ پس اِن محدِثین کو حضور ﷺ نے صراحتاً مرتدین کہا ہے لہٰذا یہ چاروں طبقات (۱۔ مدعیانِ نبوت، ۲۔ منکرینِ زکوٰۃ، ۳۔ مرتدین، ۴۔ خوارج) صحیحین کی

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

روایات کے مطابق محدثات کے مرتکب تھے اور حدیث نے ''اِحداث'' کے معنی کو ''اِرتداد'' کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ یعنی ''ما أحدثوا بعدک'' کی وضاحت ''مرتدين علی أعقابهم'' نے کر دی ہے یعنی حدیثِ پاک نے اِحداث کے مرتکبین کو صراحتًا مرتدین کہا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ دین میں ایسا فتنہ پیدا کرنا جو باعثِ ارتداد ہو، بدعت وضلالت ہے لہٰذا بدعت سے مراد دین میں فقط ایسے فتنوں کا اِیجاد کرنا ہے جو باعثِ اِرتداد ہوں اور اسی بدعت کی مختلف شکلیں وہ ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ کے فوری بعد پیدا ہوئیں اور انہی کی مثل دیگر فِتن بعد کے اَدوار میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں جیسے فتنۂ باطنیت، فتنۂ قادیانیت اور فتنۂ بہائیت وغیرہ۔ اس مؤقف کی تائید میں ذیل میں چند مزید اَحادیث دی گئی ہیں تا کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اِحداث فی الدین سے مراد اِرتداد ہی ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

يرد علي يوم القيامة رهط من أَصحابي فَيُحَلَّؤُوْنَ عن الحوض فأقول: يارب! أصحابي فيقول: إنّک لا علم لک بما أحدثوا بعدک إنّهم ارتدّوا على أدبارِهم القَهْقَرٰي۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، ۵: ۲۴۰۷، کتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۱۳

۲۔ بخاری، الصحيح، کتاب التفسير، باب وکنت عليهم شهيدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹

۳۔ مسلم، الصحيح، کتاب الجنة، باب فناء الدنيا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰

۴۔ ترمذی، السنن، کتاب التفسير، باب من سورة الأنبياء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷

۵۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب أول من يکسی، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷

۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۷۔ ابن ابی شيبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

''میرے لوگوں کا ایک گروہ قیامت کے روز میرے پاس آئے گا تو انہیں حوضِ کوثر سے دور کردیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے ربّ! یہ تو میرے لوگ ہیں! تو اللہ ﷻ فرمائے گا: (کیا) آپ کو علم نہیں ہے جو انہوں نے آپ کے بعد بدعات (یعنی نئے فتنے) ایجاد کیں، یہ اپنے اُلٹے پاؤں پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔''

۳۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ فرماتے ہوئے سنا:

إني على الحوض أنتظر من يرد عليّ منكم فوالله ليقتطعن دوني رجال فلأقولن أي ربّ منّي ومن أُمّتي؟ فيقول: إنّک لا تدري ما عملوا بعدک ما زالوا يرجعون على أعقابهم۔(۱)

''بے شک میں حوض پر تم لوگوں میں سے اپنے پاس آنے والوں کا منتظر ہوں گا، پس اللہ کی قسم! چند لوگوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا تو میں ضرور کہوں گا: اے میرے رب! یہ مجھ سے ہیں اور میرے اُمتی ہیں؟ تو وہ فرمائے گا: (کیا) آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ وہ دین سے اُلٹے پاؤں پھرے رہے۔''

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، ۴: ۱۷۹۴، رقم: ۲۲۹۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ٦: ۱۲۱
۳۔ ابو يعلى، المسند، ۷: ۴۳۳، رقم: ۴۴۵۵
۴۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۳۵۸، رقم: ۷۷۰
۵۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۴: ۲۲۹، رقم: ۵۴۸۴

وضاحت

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں **إنّک لا تدري ما عملوا بعدک**[۱] کے الفاظ ہیں۔ فرشتوں کا اس طرح اِن الفاظ سے آپ ﷺ سے اِستفسار کرنا محض اِستفہامِ اِنکاری تھا جو آپ کے عدمِ علم پر نہیں بلکہ اِثباتِ علم پر دال ہے۔ صحیح مسلم میں ہی **هل تدري ما أحدثوا بعدک**[۲] اور **أما شعرتَ ما عملوا بعدک**[۳] اور صحیح بخاری میں **هل شعرتَ ما عملوا**

(۱) **مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ۴: ۱۷۹۴، رقم: ۲۲۹۴**

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۲۱۷، **کتاب الطهارة، باب إستحباب إطالة الغرة والتحجیل في الوضوء**، رقم: ۲۴۷

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب وکنت علیهم شهیدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹

۴۔ مسلم، الصحیح، **کتاب الجنة، باب فناء الدنیا**، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰

۵۔ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، **باب من سورة الأنبیاء**، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۷۹۴، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، رقم: ۲۲۹۳

۲۔ بخاري، الصحیح، ۵: ۲۴۰۹، کتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۲۰

۳۔ بزار، المسند، ۶: ۴۳۲، رقم: ۲۴۶۲

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴: ۹۴، رقم: ۲۵۱

←

بعدک[1] کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ اِن اَحادیث میں لفظِ ھل اِستفہامیہ اور سوالیہ معنٰی دینے کی بجائے تاکید، واقعہ کے اِثبات اور خبر کے معنٰی میں بیان ہوا ہے۔ اِس طرح حدیث ''ھل تدري ما أحدثوا بعدک'' کا معنی یہ ہوگا (اے اللہ کے رسول ﷺ) یقیناً آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے فتنے گھڑ لیے تھے۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دنیا و آخرت کے تمام احوال و واقعات سے مطلع فرمایا تھا۔

مذکورہ تمام روایات میں أحدثوا کی وضاحت إرتدوا سے کی گئی ہے یعنی حدیثِ پاک میں اِحداث کے مرتکبین کو واضح طور پر مرتدین قرار دیا گیا ہے۔ اس سے یہ اَمر واضح ہوتا ہے کہ بدعت کا اِطلاق صرف اِرتداد کی سطح کے اُمور پر ہوگا نہ کہ دین کے چھوٹے چھوٹے اُمورِ حسنات و صالحات پر۔

اِحداث فی الدین سے مراد تغیّر فی الدین ہے

متعدد اَحادیثِ مبارکہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ فقط اُن اُمور کو محدثہ یا بدعت

.... ۵۔ سدوسی، مسند عمربن الخطاب، ۱: ۹۲

۶۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲: ۳۰۸، رقم: ۱۳۰۹

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، ۵: ۲۴۰۹، كتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۲۰

۲۔ مسلم، الصحيح، ۴: ۱۷۹۴، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، رقم: ۲۲۹۳

۳۔ بزار، المسند، ۶: ۴۳۲، رقم: ۲۴۶۲

۴۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۴: ۹۴، رقم: ۲۵۱

۵۔ سدوسی، مسند عمربن الخطاب، ۱: ۹۲

۶۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲: ۳۰۸، رقم: ۱۳۰۹

کہیں گے جن سے اُصولِ دین میں کمی یا بیشی ہو یا دین میں تغیر واقع ہو رہا ہو۔ امام بخاریؒ (۲۵٦ھ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إني فرطكم على الحوض، من مرّ عليّ شرب، ومن شرب لم يظمأ أبدًا، ليردنّ عليّ أقوام أعرفهم ويعرفونني، ثم يحال بيني وبينهم. قال أبوحازم: فسمعني النعمان بن أبي عياش فقال: هكذا سمعت من سهل؟ فقلت: نعم، فقال: أشهد على أبي سعيد الخدری، لسمعته وهو يزيد فيها: ''فأقول: إنهم منّيفيقال إنّک لا تدري ما أحدثوا بعدک فأقول: سُحقًا سُحقًا لمن غيّر بعدي.''(۱)

''بے شک میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا، جو بھی میرے پاس آئے گا وہ اس میں سے پیئے گا اور جو شخص بھی پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ میرے پاس بعض لوگ گروہ کی شکل میں آئیں گے، میں انہیں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے گا۔ ابوحازم کہتے ہیں: مجھ سے نعمان بن ابوعیاش نے سنا تو کہا: کیا آپ نے اسی طرح سہل سے سنا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں، اس نے کہا: میں ابوسعید خدریؓ کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان کو یہی کہتے ہوئے سنا، وہ اس میں اضافہ فرماتے کہ

---

(۱) ۱۔بخاری، الصحیح، ۵: ۲۴۰٦، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، رقم: ٦۲۱۲

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۱۷۹۳، کتاب الفضائل، باب اثبات الحوض، رقم: ۲۲۹۰

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۳

۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۲۱۲، رقم: ۱۰۵۳

۵۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۱: ۱٦۳

آپ ﷺ نے فرمایا: پس میں کہوں گا: بے شک وہ مجھ سے ہیں تو کہا جائے گا: (کیا) آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا بدعتیں (نئی چیزیں) نکالی تھیں؟ پس میں کہوں گا: (ان سے) دوری ہو، دوری ہو جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیّر کیا۔''

صحیح بخاری میں ہی دوسرے مقام پر ''سُحقاً سُحقاً لمن بدّل بعدی[1] کے الفاظ ہیں یعنی ان سے دوری ہو جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔

اِن دونوں احادیث میں ''غیّر بعدی'' اور ''بدّل بعدی '' کے اَلفاظ واضح کررہے ہیں کہ حضور ﷺ کے نزدیک إحداث فی الدّین سے مراد تغیّر فی الدین ہے۔ اور من أحدث فی أمرنا هذا[2] یا کلّ محدثه

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۴۰۶، کتاب الفتن، باب فی قول الله تعالی واتقوا فتنة، رقم:۶۶۴۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب اِثبات حوض نبینا، ۱۷۹۳:۴، رقم:۲۲۹۰

۳۔ احمد، المسند، ۲۸:۳

۴۔الرویانی، المسند، ۱۹۲:۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم:۲۵۵۰

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیہقی، الاعتقاد، ا: ۲۲۹

بدعة(۱) سے مراد دین میں ایسا تغیر یا تبدُّل ہوگا جس سے دین کے اُصول یا اَساس بدل جائے۔ضروریاتِ دین میں کمی یا اِضافہ ہوجائے اور دین کی ہیئت بدل جائے۔

❁ ❁ ❁

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

فصل چہارم:

فتنۂ اِحداث و بدعات کا تعلق دورِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم سے ہے

- امام بخاری رحمہ اللہ کا مؤقف
- حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے اِستدلال
- امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور امام ابنِ عبد البر رحمہ اللہ کا مؤقف

صحیح مسلم میں کتاب الجنة، باب فناء الدنیا کے تحت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نصیحت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّکُمْ تُحْشَرُوْنَ اِلَی اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً. ﴿کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِیْدُهُ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ﴾.[1] اَلاَ وَاِنَّ اَوَّلَ الْخَلاَئِقِ یُکْسٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِبْرٰهِیْمُ (علیہ السلام)، اَلاَ وَاِنَّهٗ سیُجَآءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِیْ فَیُؤْخَذُبِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ. فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ أَصْحَابِیْ فَیُقَالُ: إِنَّکَ لَا تَدْرِی مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ، کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ﴿وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَادُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾[2] قَالَ فَیُقَالُ لِیْ: اِنَّهُمْ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ وَفِیْ حَدِیْثِ وَکِیْعٍ وَّمُعَاذٍ فَیُقَالُ اِنَّکَ لاَ تَدْرِیْ مَآ اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ. (۳)

---

(۱) الأنبیاء، ۲۱:۱۰۴

(۲) المائده، ۵:۱۱۷

(۳) ۱۔مسلم، الصحیح، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، ۴:۲۱۹۴، رقم، ۲۸۶۰

۲۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۶۹۱، کتاب التفسیر، باب وکنت علیهم شهیدا، رقم: ۴۳۴۹

۳۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۹۱، کتاب الرقاق، باب کیف الحشر، رقم: ۶۱۶۱

←

’’اے لوگو! تم اللہ کے پاس ننگے پیر، ننگے بدن اور بغیر ختنے کے جمع کیے جاؤ گے (اِرشادِ باری تعالی ہے) ’’جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا ہم اسی عملِ تخلیق کو دہرائیں گے، یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے ہم (یہ اعادہ) ضرور کرنے والے ہیں‘‘ سنو! مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ سنو! بے شک میری اُمت میں سے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا ان کی بائیں جانب والوں کو پکڑ لیا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے لوگ ہیں۔ کہا جائے گا، کیا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا بدعتیں نکالی تھیں؟ میں عبدِ صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح کہوں گا ’’ اور میں ان (کے عقائد و اعمال) پر (اس وقت تک) خبر دار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان (کے حالات) پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر مجھ سے کہا جائے گا۔ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑیوں کے بل دین سے پھرے رہے، اور وکیع کی اور معاذ کی روایت میں ہے کہ آپ سے کہا جائے گا، کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے فتنے نکالے تھے؟‘‘

مذکورہ مضمون کی جتنی بھی اَحادیث ہیں ان میں اَلاَ وَاِنَّهٗ سيُجَآءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ. فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اَصْحَابِيْ کے الفاظ ہر حدیث میں

.... ۴۔ ترمذی، السنن، ۵: ۳۲۱، کتاب التفسير، باب من سورة الأنبياء، رقم: ۳۱۶۷

۵۔ نسائی، السنن، ۴: ۱۱۷، كتاب الجنائز، باب أول من يكسى، رقم: ۲۰۸۷

۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۷۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

ہیں۔ اس سے یہ بات طے ہوگئی کہ جن اِحداث و بدعات کا ذکر حضور ﷺ فرما رہے ہیں اس کا تعلق صرف اور صرف زمانہء خلفاء راشدین کے ساتھ ہے۔ باقی اُمت کے اَعمالِ صالحہ اور نیک اُمور کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اِن نئے حسنات و صالحات کی حیثیت کے بارے میں اِختلاف ہوسکتا ہے کہ یہ مستحب ہیں یا غیر مستحب، مباح ہیں یا مکروہ، افضل ہیں یا غیر افضل، علمی اختلاف جو چاہے کریں مگر انہیں بدعت، محدثہ، یا ضلالۃ کہنا بذاتِ خود بدعت، محدثہ اور ضلالۃ ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں بدعت نہیں فرمایا بلکہ اُن اُمور کو اِحداث و بدعت کہا ہے جو آپ ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلفاءِ راشدین کے زمانے میں اِرتداد کی صورت میں رونما ہوئے۔ ان اِحداث و بدعات کا آغاز ان لوگوں کی طرف سے ہوا جو پہلے آپ کے ساتھ تھے، مگر آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین ﷡ کے ساتھ اِختلافِ کثیر اور اِحداث و بدعات کا شکار ہونے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہے کہ جب انہیں دوزخ کی طرف دھکیلا جا رہا ہو گا تو حضور ﷺ اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے! **یَارَبِّ اَصُحَابِی** کہ یا اللہ ! یہ تو میرے لوگ ہیں، جواب ملے گا کہ **اِنَّکَ لَا تَدُرِیُ مَا اَحُدَثُوُا بَعُدَکَ** یعنی اے محبوب ﷺ کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا اِحداث کیا تھا؟ اسی حدیث کے آخر میں مزید فرمایا گیا: **اِنَّھُمُ لَمُ یَزَالُوُا مُرُتَدِّیُنَ عَلٰی اَعُقَابِھِمُ مُنُذُ فَارَقُتَھُمُ** کہ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑھیوں کے بل دین سے پھر گئے۔

حضور ﷺ نے متعدد اَحادیث کے ذریعے یہ بات واضح فرما دی کہ اِحداث وبدعات کا آغاز آپ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین ﷡ کے زمانے سے ہوا۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری، **کتاب الدنیا** میں اس مسئلے کو مزید واضح کر دیا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس ﷛ (۶۸ھ) سے مروی اِس حدیث میں ہے **''ثم یؤخذ برجال من أصحابی ذات الیمین و ذات الشّمال فأقول: أصحابی فیقال: انّھم**

لم يزالوا مرتدين على أعقابهم منذ فارقتهم"[1] قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر پچاس کتبِ اَحادیث میں یہ حدیث دیکھی جائے تو سب میں دو باتیں مشترک ہوں گی، پہلا لفظِ **أصحابی** اور دوسرا **احدثوا بعدک** یا **مرتدین علی أعقابهم**۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان احداث و بدعات کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو پہلے آپ کے ساتھ تھے، مگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اِحداث و بدعات اور اِرتداد[2] میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔

اِمام بخاریؒ کا موٴقف

اس موقف کی تائید صحیح بخاری میں ہی امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کے شاگرد **محمد بن یوسف الفربریؒ** کی اس روایت سے ہوتی ہے:

قال محمد بن یوسف الفربری ذکر عن أبی عبدالله عن قبیصة قال: هم المرتدون الّذین ارتدّوا علی عهد أبی بکر فقاتلهم

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدنیا، باب واذکر فی الکتاب مریم ۳: ۱۲۷۱، رقم: ۳۲۶۳

۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۱۹۴، **کتاب الجنة، باب فناء الدنیا**، رقم: ۲۸۶۰

۳۔ ترمذی، السنن، ۵: ۳۲۱، کتاب التفسیر، **باب من سورة الأنبیاء**، رقم: ۳۱۶۷

۴۔ نسائی، السنن، ۴: ۱۱۷، کتاب الجنائز، **باب أول من یکسی**، رقم: ۲۰۸۷

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۶۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الجهاد، ۶:۲، رقم: ۳۰۹۳

۲۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۴:۷، رقم: ۲۲۴۷

۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۵۴۴، رقم: ۱۴۲۷

أبو بکر۔(۱)

''**محمد بن یوسف فربریؒ** کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) سے ذکر کیا گیا، وہ قبیصہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: یہ وہ مرتدین ہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔''

یہ اَمر بالکل واضح ہو گیا کہ مُحْدِث سے مراد وہی مرتدین ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اِحداث کیا تھا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اِعلانِ جنگ کیا تھا۔ اسی زمانۂ قریب کے اِختلافِ کثیر کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ، و ایاکم و محدثات الأمور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة۔(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الدنیا، باب قول الله تعالیٰ و اذکر فی الکتاب مریم، ۳: ۱۲۷۱، رقم: ۳۲۶۳

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

’’جوتم میں سے میرے بعد زندہ رہا تو وہ عنقریب بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت اور میرے ھدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے، اس کو تھامے رہنا اور اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ ے رکھنا۔ دین میں جو فتنے داخل کئے جائیں ان سے بچتے رہنا کیونکہ ہرفتنہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘

حضرت اُبو درداءؓ کی روایت سے اِستدلال

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اِحداث و بدعات کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور سے ہے نہ کہ بعد میں آنے والے اَدوار سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشادفرمایا:

أنا فرطكم على الحوض فلألفين ما نوزعت في أحدكم فأقول: هذا منّي فيقال: إنّك لا تدري ما أحدث أحدثوا بعدك فقلت: يارسول الله! اُدع الله أن لا يجعلني منهم قال: لست منهم. فمات قبل عثمان بسنتين۔(۱)

’’میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ مجھے وہاں تم میں سے کسی ایک کو میرے قریب آنے سے روک دیا جائے گا تو میں کہوں گا: یہ مجھ سے ہے، تو مجھ سے کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے فتنے اِیجاد کیے تھے، (اُبو درداءؓ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا:

(۱) ۱۔ طبرانی، مسند الشاميين، ۲: ۳۱۱، رقم: ۱۴۰۵
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۱۵۲، رقم: ۳۹۷
۳۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۳۵۷، رقم: ۷۶۷
۴۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۵۰، رقم: ۱۲۹
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۹: ۳۶۷، ۱۰: ۳۶۵
۶۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲: ۳۰۴، رقم: ۱۳۰۰

یارسول اللہ ﷺ! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ ان میں سے نہیں ہیں۔تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو سال قبل وفات پا گئے۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ﷺ ''اُدع الله أن لا يجعلني منهم'' اور اس پر آپ ﷺ کا فرمانا ''لستَ منهم'' پھر اس پر امام طبرانیؒ کا یہ کہنا کہ ''فمات قبل عثمان سنتين'' اس سے مراد یہ ہے کہ جو فتنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُٹھا وہ فتنۂ بدعت اور فتنۂ اِرتداد تھا۔ اس سے واضح طور پر زمانے کا تعین ہو گیا کہ اِحداث و بدعت کا تعلق حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے ہے۔

اِس حدیثِ پاک میں حضرت اَبودرداءؓ سے حضور ﷺ کے اِرشاد '' لست منهم '' (آپ ان میں سے نہیں ہے۔) سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ کے فیض یافتگان اور قریبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن محدثات الاُمور کے مرتکب نہ تھے یعنی وہ اِرتداد کے فتنہ کی آگ بھڑکانے والوں سے علیحدہ تھے، اور وہ اُن فتنوں کے پھیلاؤ میں شامل نہیں تھے۔

امام ابنِ حجر عسقلانیؒ اور امام ابنِ عبد البرؒ کا مؤقف

ہمارے اسی مؤقف کو بحسن و خوبی واضح کرنے کے لیے **مستدرک امام حاکم** کی درج ذیل روایت نہایت مفید اور معاون ہوگی جس کے بعد اِس پر کسی قسم کے اِعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ **اِمام حاکمؒ** (۴۰۵ھ) اپنی مستدرک میں تابعین میں سے ایک تابعی حسین بن خارجہؒ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

لمّا كانت **الفتنة الأولى** أشكلت عليّ فقلتُ: اللّهم أَرني أمراً من أمر الحق أتمسک به. قال: فأريت الدنيا والآخرة و بينهما

حائط غير طويل، و إذا أنا بجائز فقلت: لو تشبثت بهذا الجائز لعلي أهبط إلى قتلى أشجع ليخبروني قال: فهبطت بأرض ذات شجر وإذا أنا بنفرجلوس فقلت: أنتم الشهداء؟ قالوا: لا نحن الملائكة قلت: فأين الشهداء؟ قالوا: تقدم إلى الدرجات العلى إلى محمد ﷺ فتقدمت فإذا أنا بدرجة الله أعلم ما هي السعة والحسن؟ فإذا أنا بمحمد ﷺ و إبراهيم عليه السلام وهو يقول لإبراهيم عليه السلام: استغفر لأمّتي فقال له إبراهيم عليه السلام: إنک لا تدري ما أحدثوا بعدک أراقوا دماءهم وقتلوا إمامهم ألا فعلوا كما فعل خليلي سعد قلت: أراني قد أريت أذهب إلى سعد فأنظر مع من هو فأكون معه فأتيته فقصصت عليه الرؤيا فما أكثر بها فرحا وقال: قد شقي من لم يكن له إبراهيم عليه السلام خليلا قلت: في أي الطائفتين أنت؟ قال: لست مع واحد منهما قلت: فكيف تأمرني؟ قال: ألک ماشية؟ قلت: لا قال: فاشتر ماشية واعتزل فيها حتى تنجلي۔ (١)

’’جب پہلا فتنہ ظاہر ہوا تو مجھ پر مشتبہ ہوگیا (کہ اس میں حصہ لوں یا نہ لوں) پس میں نے کہا: اے اللہ! مجھے امرِ حق دکھا جسے میں تھام لوں، فرماتے ہیں: پس مجھے (خواب میں) دنیا اور آخرت دکھائی گئی اور ان دونوں کے درمیان ایک دیوار تھی جو کہ زیادہ لمبی نہ تھی اور میں نے اپنے آپ کو دیوار پر دیکھا تو میں نے کہا کہ اگر میں اس دیوار پر معلق رہا تو ہوسکتا ہے کہ میں اشجع کے مقتولوں پر اتروں تا کہ وہ مجھے خبر دیں، فرماتے ہیں: پس میں ایسی زمین پر اُترا جو کہ شجردار

---

(١) ١۔ حاکم، المستدرک، ٤: ٤٩٩، رقم: ٨٣٩٤

٢۔ ابن عبد البر، التمهيد، ١٩: ٢٢٢

٣۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ١: ١٢٠

یعنی سرسبز و شاداب تھی، تو میں نے ایک گروہ دیکھا جو کہ بیٹھا ہوا تھا، میں نے کہا: تم شہید ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہم فرشتے ہیں۔ میں نے کہا: شہید کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: بلند درجات کی طرف ہیں تم حضرت محمد ﷺ کیپاس جاؤ تو میں نے محمد ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور وہ ابراہیم علیہ السلام سے فرما رہے تھے: آپ میری اُمت کے لیے مغفرت طلب کیجئے، تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے فتنے اِیجاد کیے؟ انہوں نے اپنوں کا خون بہایا اور اپنے اِمام کو قتل کیا ہے، وہ ایسا کیوں نہیں کرتے جیسا میرے دوست سعد نے کیا ہے؟ میں نے کہا: اس (اللہ) نے مجھے دکھایا ہے جو مجھے دکھایا گیا ہے کہ میں سعد کے پاس جاؤں پس اس کا معاملہ دیکھوں تو اس کے ساتھ ہوجاؤں، لہٰذا میں ان کے پاس آیا اور ان کو خواب کا واقعہ سنایا تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: وہ شخص بدنصیب ہے جس کے ابراہیم علیہ السلام خلیل نہ ہوں۔ میں نے کہا: آپ ان دو گروہوں میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ انہوں نے کہا: میں ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں نے کہا: آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیا آپ کے پاس مویشی ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے فرمایا: مویشی خرید کر علیحدہ ہوجاؤ یہاں تک کہ صورت حال واضح ہوجائے۔‘‘

اِمام ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے الإصابة فی تمییز الصحابة[1] میں اور ابن عبد البرؒ (۴۶۳ھ) نے التمهيد[2] میں روایت میں مذکور ’الفتنة الأولى‘‘ سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اُمتِ مسلمہ میں پیدا ہونے والا فتنہ لیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے فتنہ کی آگ

(۱) ابن حجر عسقلانیؒ، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۲: ۱۷۲، رقم: ۱۹۷۹

(۲) ابن عبد البر، التمهيد، ۱۹: ۲۲۲

بھڑکانے والے تھے۔وہی دین میں بدعت کے مرتکب ہوئے اور یہی لوگ بدعتی کہلائے، یہی وہ فتنہ پرور، متعصب اور اِنتہا پسند لوگ تھے جنہوں نے جنگِ صفین کے بعد خوارجی گروہ کی بنیاد رکھی۔

❁ ❁ ❁

فصل پنجم:

تاریخِ اِسلام اور آغازِ بدعت

تاریخِ اسلام کا سب سے پہلا بدعتی......ذوالخویصرہ التمیمی

تاریخِ اسلام کا پہلا بدعتی گروہ ......خوارج

- خوارج کے مختلف نام
- خوارج کے کفریہ عقائد
- خوارج کی پہچان اور علامات

تاریخِ اِسلام کی سب سے پہلی بدعت...... گستاخیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تاریخِ اِسلام کا سب سے پہلا بدعتی......ذوالخویصرہ التمیمی

بدعت کا آغاز حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہو گیا تھا۔ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) بیان کرتے ہیں:

والنبی ﷺ انما ذكر الخوارج الحرورية، لأنهم أول صنف من أهل البدع خرجوا بعده؛ بل أولهم خرج في حياته فذكرهم لقربهم من زمانه۔(۱)

''حضور ﷺ نے خوارجِ حروریہ کا ذکر کیا کیونکہ یہ اہلِ بدعت کا وہ طبقہ تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خروج کیا، بلکہ ان کے پہلے طبقے نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی خروج کیا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے ساتھ ان کے قرب کی وجہ سے اِن کا ذکر کیا۔''

علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک سب سے پہلا بدعتی **عبداللہ بن ذوالخویصرہ التمیمی** تھا(**مجموع الفتاویٰ، ۱۹ : ۷۲**) جس نے غزوہ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ ﷺ پر اعتراض کیا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کا ایک شخص ذوالخویصرہ نامی آیا اور آ کر کہنے لگا:

يَارَسُوْلَ اللهِ اعْدِلْ، فَقَالَ وَيْلَکَ، وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ، قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَكُنْ اَعْدِلُ. فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، اِئذَنْ

(۱) ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۲۸:۴۷۶

لِی فِیْهِ فَاَضْرِبَ عُنُقَهٗ، فَقَالَ دَعْهُ، فَاِنَّ لَهٗ اَصْحَابًا یَحْقِرُ اَحَدُکُمْ صَلٰوتَهٗ مَعَ صَلٰوتِهِمْ، وَصِیَامَهٗ مَعَ صِیَامِهِمْ، یَقْرَءُ وْنَ الْقُراٰنَ لاَ یُجَاوِزُ تَرَاقِیَهِمْ، یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ، یُنْظَرُ اِلٰی نَصْلِهٖ فَلاَ یُوْجَدُ فِیْهِ شَیْءٌ، ثُمَّ یُنْظَرُ اِلٰی رِصَافِهٖ فَمَا یُوْجَدُ فِیْهِ شَیْءٌ، ثُمَّ یُنْظَرُ اِلٰی نَضِیِّهٖ، وَهُوَ قَدِحُهٗ، فَلاَ یُوْجَدُ فِیْهِ شَیْءٌ، ثُمَّ یُنْظَرُ اِلٰی قُذَذِهٖ فَلا یُوْجَدُ فِیْهِ شَیْءٌ، قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ، اٰیَتُهُمْ رَجُلٌ اَسْوَدُ، اِحْدٰی عَضُدَیْهِ مِثْلُ ثَدْیِ الْمَرْأَةِ، اَوْمِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ، وَیَخْرُجُوْنَ عَلٰی حِیْنِ فُرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ. قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ: فَأَشْهَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِیْثَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَاَنَا مَعَهٗ، فَاَمَرَ بِذَالِکَ الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَأُتِيَ بِهٖ، حَتّٰی نَظَرْتُ اِلَیْهِ عَلٰی نَعْتِ النَّبِیِّ ﷺ الَّذِیْ نَعَتَهٗ۔(۱)

’’یا رسول اللہ! انصاف سے کام لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تیری خرابی ہو، اگر

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، ۳: ۱۳۲۱، رقم: ۳۴۱۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ویلك، ۵: ۲۲۸۱، رقم: ۵۸۱۱

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، ۲: ۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰-۸۵۶۱ / ۶: ۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۷۱

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۱۴۶

۸۔ اِبن حبان، الصحیح، ۱۱: ۱۴۸

میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اجازت مرحمت فرمایئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا، جانے دو، کیونکہ اس کے اور بھی ساتھی ہیں۔ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر جانو گے اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں۔ یہ قرآن بہت پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔ اگر ان کے پکڑنے کی جگہ کو دیکھا جائے تو کچھ نہیں ملے گا، پھر اِن کے پر کو دیکھا جائے تب بھی کچھ نہیں ملے گا اور ان دونوں کے درمیان والی جگہ کو دیکھا جائے تب بھی کچھ نہ ملے گا، حالانکہ وہ گندگی اور خون کے درمیان سے گزرا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہوگا، جس کا بازو عورت کے پستان کی مانند یا گوشت کا لوتھڑا ہوگا۔ جب لوگوں میں اِختلافات پیدا ہوجائیں گے تو ان کا خروج ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ حدیث خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے جنگ کی اور میں بھی لشکرِ اسلام کے ساتھ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ جب اسے لایا گیا تو اس کے اندر وہ تمام نشانیاں دیکھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں۔''

اس سے یہ ثابت ہوا کہ تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی بدعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی تھی، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے گستاخانِ رسول کے فتنوں سے اُمت کو بچانے کے لئے تفصیل کے ساتھ ان کی علامات بیان فرما دیں تاکہ ان کے اَقوال و اَحوال سے انہیں بہ آسانی پہچانا جا سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے سامنے صراحتاً فرما دیا کہ اِن فتنہ پردازوں کی

داڑھی، ان کے سر، ان کا چہرہ، ان کے کپڑے، الغرض سر سے پاؤں تک ان کا پورا سراپا دیکھ لو تاکہ میرے بعد ظاہر ہونے والے بدعتیوں اور گستاخوں کی آسانی سے شناخت ہو سکے۔ آج ہر کوئی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان کی مماثلت اور مشابہت (similarity) کن لوگوں سے ہے۔ مختلف طبقات کے حلیوں، خیالات، مزاج، فتاویٰ اور تعصّب و تشدّد سے آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں خوارج کے نمائندہ طبقات کون سے ہیں۔

تاریخِ اسلام کا پہلا بدعتی گروہ ...... خوارج

تمام تابعین، تبع تابعین اور ائمہ و محدّثین کا اِس اَمر پر اتفاق ہے کہ بدعتیوں کا سب سے پہلا گروہ ''خوارج'' تھا اور خوارج کا معنوی اور نظریاتی بانی ''ذوالخویصرہ تمیمی'' تھا جس نے خوارج کے فکری و نظریاتی عقیدہ کی بنیاد رکھی۔ صحیح بخاری، **كتاب استتابة المرتدين، باب قتل الخوارج** میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ، حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ، سُفَهَآءُ الْاَحْلَامِ، يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، لاَ يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ، فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْراً لِّمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب استتابة المرتدين، باب قتل الخوارج: ٦٥٣١، رقم: ٦٥٣١

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ٥:٣٦، ٤٤

۳۔ حاكم، المستدرك، ٢:١٥٩، رقم: ٢٦٤٥

۴۔ ابن ابی عاصم، السنة، ٢:٤٥٦، رقم: ٩٣٧

۵۔ بيهقی، السنن الكبرى، ٨:١٨٧

٦۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ٢:٣٢٢رقم: ٣٤٦٠

۷۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ٦:٢٣٠

''عنقریب آخری زمانے میں ایک ایسی قوم نکلے گی جو عمر میں کم اور عقل کے اِعتبار سے کوری ہوگی۔ وہ سرورِ کائنات ﷺ کی حدیثیں بیان کریں گے لیکن اِیمان ان کے اپنے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ دین سے وہ اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پس تم انہیں جہاں کہیں پاؤ تو قتل کر دینا، کیونکہ ان کے قتل کرنے والے کو قیامت کے روز ثواب ملے گا۔''

علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) خوارج کو ''تاریخِ اسلام کی پہلی بدعت'' قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

و أوّل بدعة حدثت في الإسلام بدعة الخوارج والشيعة۔(۱)

''تاریخ اسلام میں سب سے پہلی بدعت جو شروع ہوئی وہ خوارج اور شیعہ کی بدعت تھی۔''

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فكان من أوّل البدع والتفرق الذى وقع في هذه الأُمة بدعة الخوارج۔(۲)

''اس اُمت میں سب سے پہلی بدعت اور تفرقہ جو واقع ہوا وہ خوارج کی بدعت تھی۔''

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اکابر علماء کے نزدیک بدعتی فقط گستاخانِ رسول اور گستاخانِ صحابہ ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی بے اَدبی اور صحابہ سے اِختلاف کثیر کیا لہٰذا اس بے اَدبی اور اِختلاف کی وجہ سے علماءِ اُمت نے اِنہیں بدعتی اور خوارج قرار دیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل خوارج کے یہ نمائندہ طبقات اپنی بدعت اور گستاخی کو چھپانے کے لیے جمہور اُمت پر کثرت سے کفر و شرک کے فتوے صادر کرتے

---

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۳:۲۷۹

(۲) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۲:۴۷۰

ہیں تا کہ سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا جا سکے لیکن چونکہ حضور ﷺ اِن بے اَدبوں اور گستاخوں کی واضح علامات اور نشانیاں(۱) بیان فرما چکے ہیں لہٰذا ان ہدایات کی روشنی میں بڑی آسانی سے ان کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے۔

خوارج کے مختلف نام

علامہ **ابن تیمیہ** خوارج کا پس منظر اور ان کے مختلف نام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهؤلاء الخوارج لهم أسماء يقال لهم: ''الحرورية'' لأنهم خرجوا بمكان يقال له حروراء، ويقال لهم ''اهل النهروان'' لأن علياً قاتلهم هناک ومن اصنافهم ''الاباضية'' اتباع عبدالله بن اباض، و''الأزارقة'' اتباع نافع بن الأزرق و ''النجدات'' أصحاب نجدة الحروری۔(۲)

''اور ان خوارج کے کئی نام ہیں۔ اِنہیں ''حروریہ'' کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے ایسے مکان سے خروج کیا جسے ''حرورا'' کہا جاتا ہے۔ اور اِنہیں ''اہلِ نہروان'' کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت علیؓ نے اِس مقام پر اِن سے مقاتلہ کیا تھا۔ خوارج کی ایک قسم ''اَباضیہ'' ہے یہ عبداللہ بن اباض کے پیروکار ہیں۔ انہیں ''اَزارقہ''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ و اِلی عادٍ، ۳:۱۲۱۹، رقم:۳۱۶۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاِسلام، ۳:۱۳۲۱، رقم:۳۴۱۴

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج و صفاتھم، ۲:۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰-۸۵۶۱/ ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

(۲) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۷:۴۸۱

بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ نافع بن ازرق کے متبعین ہیں اور انہیں ''نجدات'' بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ نجدۃ الحروری کے ماننے والے ہیں''

خوارج کے کفریہ عقائد

علامہ ابن تیمیہ اِن تمام خوارج کے عقائد اور اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ان کی ظالمانہ اور متعصّبانہ کارروائیوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهم أوّل من كفر أهل القبلة بالذنوب بل بما يرونه هم من الذنوب واستحلوا دماء اهل القبلة بذلک، فكانوا كما نعتهم النبي ﷺ "يقتلون أهل الاسلام ويدعون أهل الأوثان"[1] وكفروا علي بن ابي طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما. وقتلوا علي بن أبي طالب مستحلين لقتله. قتله عبدالرحمن بن ملجم المرادي منهم، وكان هو وغيره من الخوارج مجتهدين فى العبادة، لكن كانوا جهالاً فارقوا السّنة والجماعة: فقال هؤلاء: ما الناس إلا مؤمن او كافر؛ والمؤمن من فعل جميع الواجبات وترک جميع المحرمات: فمن لم يكن كذلک فهو

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ و اِلی عادٍ، ۳:۱۲۱۹، رقم:۳۱۶۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب إعطاء المؤلفة، ۲:۷۴۱، رقم:۱۰۶۴

۳۔ ابو داؤد، السنن، ۴:۲۴۳، رقم:۴۷۶۴

۴۔ نسائی، السنن،۵:۸۷، رقم:۲۵۷۸

۵۔ احمد، المسند، ۳:۶۸، رقم:۱۱۶۶۶

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ،۶:۳۳۹، رقم:۱۲۷۲۴

۷۔ عبد الرزاق،المصنف، ۱۰:۱۵۷

كافر: مخلد فى النار. ثم جعلوا كل من خالف قولهم كذلک. فقالوا: ان عثمان وعلياً ونحوهما حكموا بغير ما انزل الله، وظلموا فصاروا كفاراً۔(۱)

''یہ(خوارج) وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے (محض) گناہوں کی وجہ سے اہلِ قبلہ کی تکفیر کی، بلکہ اُن افعال کی وجہ سے (تکفیر کی) جنہیں یہ(اپنے زعمِ باطل میں) گناہ سمجھتے تھے۔اس وجہ سے انہوں نے اہلِ قبلہ کا خون مباح جانا۔پس وہ (خوارج) ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور ﷺ نے یہ بیان کی تھی کہ ''وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے'' اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے پیروکاروں کی تکفیر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُن سے جھگڑا کیا۔چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو **عبد الرحمٰن بن ملجم المرادی** نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اِسکے علاوہ دیگر خوارج ''مجتہد فی العبادۃ'' تھے لیکن حقیقت میں وہ جاہل تھے جنہوں نے سنت اور جماعت کو توڑا۔انہوں نے کہا کہ اِنسان مؤمن ہوگا یا کافر۔ لہٰذا مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرّمات کو ترک کرے جو ایسا نہیں ہے وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کی اِسی طرح تکفیر کرنا شروع کر دی جس نے بھی اِن کی مخالفت کی۔انہوں نے کہا کہ عثمانؓ، علیؓ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی ہے اور ظلم کیا ہے پس یہ سارے کافر ہو گئے ''

علامہ ابنِ تیمیہ خوارج کی دو اہم خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهم خاصتان مشهورتان فارقوا بهما جماعة المسلمين وأئمتهم: أحدهما: خروجهم عن السنة، وجعلهم ماليس بسيئة سيئة، أو

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۷:۴۸۱

ماليس بحسنة حسنة، وهذا هوالذي أظهروه فى وجه النبى ﷺ حيث قال له ذوالخويصرة التميمى: "إعدل فإنّک لم تعدل" حتى قال له النبى ﷺ: "ويلک ! ومن يعدل إذا لم أعدل ؟ لقد خبت وخسرت إن لم أعدل"[١] فقوله: "فانک لم تعدل" جعل منه لفعل النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله : "اعدل" أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التى لا تصلح، وهذا الوصف تشترک فيه البدع المخالفة للسنة، فقائلها لا بد أن يثبت مانفته السنة و ينفى ما أثبتته السنة، ويحسن ما قبحته السنة أو يقبح ما حسنت السنة، وإلا لم يكن بدعة. وهذا القدر قد يقع من بعض أهل العلم خطأ فى بعض المسائل؛ لكن أهل البدع يخالفون السنة الظاهرة المعلومة. والخوارج جوزوا على الرسول نفسه أن يجور ويضل في سنته ولم يوجبوا طاعته متابعته، وإنما صدقوه فيما بلغه من القرآن دون ماشرعه من السنة التى تخالف بزعمهم ظاهر القرآن.

(١) ١۔ بخارى، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام، ٣: ١٣٢١، رقم: ٣٤١٤

٢۔ بخارى، الصحيح، كتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، ٥: ٢٢٨١، رقم: ٥٨١١

٣۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، ٢: ٧٤٤، رقم: ١٠٦٤

٤۔ نسائى، السنن الكبرى، ٥: ١٥٩، رقم: ٨٥٦٠-٨٥٦١/ ٦: ٣٥٥، رقم: ١١٢٢٠

٥۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ٦٥، رقم: ١١٦٣٩

٦۔ بيهقى، السنن الكبرى، ٨: ١٧١

٧۔ عبدالرزاق ،المصنف، ١٠: ١٤٦

٨۔ إبن حبان، الصحيح، ١١: ١٤٨

وغالب أهل البدع غير الخوارج يتابعونهم فى الحقيقة على هذا: فانهم يرون أن الرسول لو قال بخلاف مقالتهم لما اتبعوه، كما يحكى عن عمرو بن عبيد فى حديث الصادق المصدوق، وإنما يدفعون [عن] نفوسهم الحجة: اما برد النقل: وإما بتأويل المنقول. فيطعنون تارة في الاسناد وتارة في المتن، وإلا فهم ليسوا متبعين ولا مؤتمين بحقيقة السنة التى جاء بها الرسول، بل ولا بحقيقة القرآن.

الفرق الثانى فى الخوارج وأهل البدع: انهم يكفرون بالذنوب والسيئات. ويترتب على تكفيرهم بالذنوب استحلال دماء المسلمين وأموالهم و ان دار الاسلام دار حرب ودارهم هي دار الايمان. وكذلك يقول جمهور الرافضة؛ وجمهور المعتزلة؛ والجهمية؛ وطائفة من غلاة المنتسبة إلى أهل الحديث والفقه ومتكلميهم۔(۱)

’’خوارج کی دو مشہور خصوصیات ہیں جن سے انہوں نے مسلمانوں کی جماعت اور اِن کے اَئمہ میں تفرقہ پیدا کیا۔

اِن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سنت سے خروج کیا اور اُن اُمور کو گمراہی قرار دیا جو درحقیقت گمراہی نہیں تھے یا ان اُمور کو حسنہ قرار دیا جو فی الواقع حسنہ نہیں تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کا اظہار ان کے نمائندے ذوالخویصرہ تمیمی نے حضور ﷺ کے سامنے کیا جب اس نے آپ ﷺ سے کہا: إعدل فإنّک لم تعدل، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’وَیْلَکَ، وَمَنْ یَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِلِ‘‘ ’’یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں

(۱) ابنِ تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۹: ۷۲، ۷۳

انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا‘‘۔ ذوالخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ’’**فإنک لم تعدل**‘‘ سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل پر محمول کیا۔ اسی طرح اس کے قول ’’**إعدل**‘‘ سے اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اِسکی بات حسنہ ہے بہ نسبت حضور ﷺ کی اس تقسیم کے جو(اِس کے نزدیک) مبنی برانصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)، یہی وہ (خوارج کا) وصف ہے جو مبنی بر بدعت اور مخالفِ سنت ہے۔ اس عقیدے کا حامل بدیہی طور پر ایسی بات کو ثابت کرتا ہے جس کی سنت نفی کرے اور ایسی بات کی نفی کرتا ہے جس کو سنت ثابت کرے۔ اسی طرح یہ ایسی بات کی تحسین کرتا ہے جس کو سنت قبیح جانے اور ایسی بات کو قبیح جانتا ہے جس کو سنت حسنہ جانے اگرچہ وہ بدعت نہ بھی ہو۔اور اس رویہ کی وجہ سے بعض اہلِ علم سے بعض مسائل میں خطاء سرزد ہوئی ہے۔ مزید برآں اہلِ بدعت (کی علامت یہ ہے کہ وہ) معروف ومعلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

خوارج نے اپنے خود ساختہ جواز کی بنیاد اِس مفروضے پر رکھی ہے کہ اگر رسول بھی اپنی سنت سے انحراف و اعراض برتے تو اسکی اطاعت و متابعت واجب نہیں ہے۔ یہ (خوارج) صرف ان اُمور کی تصدیق کرتے ہیں جو ان کے پاس قرآن کی صورت میں پہنچے اور اس مشروع سنت کی مخالفت کرتے ہیں جو ان کے زُعمِ باطل میں ظاہرِ قرآن کے خلاف ہے۔

خوارج کے علاوہ دیگر اہلِ بدعت کی اکثریت حقیقت میں اِن اُمور میں اِن کی متابعت کرتی ہے۔اِن کی رائے میں اگر رسول بھی اپنے قول کے مخالف بات کرے تو اِس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ عمرو بن عبید سے مروی روایت میں صادق ومصدوق کا ارشاد ہے۔ یہ اپنے آپ کو نقلی روایات کو رد کرنے یا منقول روایات کی تاویل باطلہ کرنے کی وجہ سے دلیل و حجت سے دور رکھتے ہیں۔ یہ کبھی سند میں طعن کرتے ہیں اور کبھی متن میں۔حالانکہ نہ یہ

اس حقیقی سنت کے متبعین اور اَمین ہیں جو رسول ﷺ لے کر آئے ہیں اور نہ ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔

خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر تکفیر کرتا ہے اور اس بنا پر یہ مسلمانوں کا خون اور انکے اموال مباح گردانتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب ہے اور انکے اپنے گھر دارالایمان ہیں۔اسی طرح جمہور روافض، معتزلہ، جہمیہ اور غلو کرنے والوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے آپ کو حدیث، فقہ اور متکلمین کی طرف منسوب کرتا ہے، کا بھی یہی عقیدہ ہے۔''

مختصر یہ کہ بدعت کا آغاز حضور ﷺ کے زمانے میں ذو الخویصرہ تمیمی سے ہوا جو بعد میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں اپنے عروج پر تھا۔لہٰذا جنگِ صفین کے بعد خارجیوں نے باقاعدہ جماعت کا اعلان کر دیا۔

خوارج نے عراق کی سرزمین میں ''حرورہ'' کے مقام پر اپنا مرکز بنایا، اپنا امیر مقرر کر کے ایک جماعت بنائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے پیروکاروں کو بدعتی اور مشرک کہا۔ ان **خوارج کی پہچان ہی یہ تھی کہ یہ دوسرے مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک کہتے تھے۔** انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کے لیے **لا حکم اِلا اللہ** کا نعرہ بھی لگایا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كلمة حق أريد بها باطل۔(۱)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲: ۷۴۹، رقم: ۱۰۶۶
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹
۳۔ابو نعیم أصبهانی، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۳: ۱۳۴، رقم: ۲۳۷۸
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۶۰، رقم: ۸۵۶۲
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۷۱
۶۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۲۸

''یہ بات تو حق ہے البتہ اس سے اِرادہ باطل کا کیا گیا ہے۔''

خوارج کی پہچان اور علامات

خوارج کے نزدیک ''لا حکم اِلا للہ'' کا نعرہ اصل میں نعرہ توحید تھا۔ یہ سارا زور توحید پر صرف کرتے اور جمہور اُمتِ مسلمہ کو مشرک اور بدعتی قرار دیتے۔ حضور ﷺ نے اِن فتنہ پرور خارجیوں کی چھ علامات بیان کی تھیں۔ **امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ)** جامع ترمذی **کتاب الفتن** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِالزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ، یَقرءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ، لاَ یُجَاوِزُ تَرَاقِیَهُمْ، یَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَیْرِ الْبَرِیَّةِ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ۔(۱)

''آخری زمانے میں ایک قوم پیدا ہوگی جن کی عمریں کم ہوں گی، بے عقل ہوں گے، قرآن پاک پڑھیں گے لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، سرورِ کائنات ﷺ کی اَحادیث پیش کریں گے، یہ دین سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔''

مختصراً مذکورہ حدیث کی روشنی میں ان کی معروف اور واضح نشانیاں یہ ہوں گی:

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ماجاء صفة المارقة، ۴: ۱۸۱، رقم: ۲۱۸۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب استتا بة المرتدین، باب قتل الخوارج: ۶۵۳۱، رقم: ۶۵۳۱

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۶، ۴۴

۴۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۵۹، رقم: ۲۶۴۵

۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۴۵۶، رقم: ۹۳۷

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۸۷

۷۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۳۲۲رقم: ۳۴۶۰

۸۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۶: ۲۳۰

۱۔ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ (آخری زمانہ)

۲۔ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ (کم عمری یعنی نوجوان)

۳۔ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ (کم عقل یا Brain washed)

۴۔ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ (ہر معاملے میں قرآن کا حوالہ)

۵۔ يَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ (نیک صالح، اسلامی نعرے اور منشور)

۶۔ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ (دین سے خروج)

اِن علامات سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو گروہ یا فرقہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پر زبانِ طعن دراز کرے اور جمہور اُمت کو گمراہ، بدعتی اور مشرک کہے حقیقت میں وہ خود بدعتی اور خارجی ہے۔

تاریخ اسلام کی سب سے پہلی بدعت ...... گستاخئ رسول ﷺ

بدعت کا سب سے پہلا ظہور حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کی گستاخی کی صورت میں رونما ہوا اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ سب سے پہلا گستاخِ رسول ذوالخویصرہ التمیمی تھا جس نے حضور ﷺ کو " إعدل" یا "إتّق الله" کہہ کر اپنے خبثِ باطن کا اِظہار کیا۔ یہ نہروان کی جنگ میں خوارج کی طرف سے لڑتا ہوا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس پہلی گستاخی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

"قال له ذوالخويصرة التميمي: "إعدل فإنک لم تعدل" حتى قال له النبي ﷺ : "ويلک ! ومن يعدل إذا لم أعدل ؟[1] لقد خبت وخسرت إن لم أعدل" فقوله: "فانک لم تعدل" جعل منه لفعل

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاِسلام، ۳: ۱۳۲۱، رقم: ۳۴۱۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، ۲: ۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

←

النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله : ''اعدل'' أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التی لا تصلح۔(۱)

''ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ سے کہا: **اعدل فإنک لم تعدل**، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ''**وَيْلَکَ، وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِلْ**'' ''یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا۔'' ذوالخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ''**فإنک لم تعدل**'' سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل سے تعبیر کیا۔ اسی طرح اس کے قول ''**إعدل**'' سے اس کا اعتقاد یہ تھا کہ اس کی بات حسنہ ہے بہ نسبت (حضور ﷺ کی) اس تقسیم کے جو (اِس کے نزدیک) مبنی بَر انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)۔''

❖ ❖ ❖

.... ۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰-۸۵۶۱ / ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸:۱۷۱

۶۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۱۴۶

(۱) ابنِ تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۹: ۷۲

باب: ۳

مُحدثاتُ الأُمور کا اِطلاق کن اُمور پر کیا گیا

۱۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ

ا۔ اَسود عنسی کا دعویٰ نبوت

ب۔ طلیحہ اسدی کا دعویٰ نبوت

ج۔ مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ نبوت

د۔ سجاح بنت حارثہ کا دعویٰ نبوت

۲۔ فتنۂ اِرتداد

۳۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ

۴۔ فتنۂ خوارج

اَب مُحدثات الأُمور کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟

گزشتہ اَبواب میں ہم قدرے شرح و بسط سے یہ موضوع زیرِ بحث لا چکے ہیں کہ اِحداث فی الدّین سے کیا مراد ہے اور اِس پہلو پر شدّ و مد سے زور دیا گیا کہ اِس کا اِطلاق چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی اِختلافات پر نہیں ہوتا بلکہ اِس کا اِطلاق صرف اُن اُمور پر ہوتا ہے جن کی بنا پر اِسلام سے اِخراج یا اِرتداد لازم آتا ہے، اَساسِ دین میں اِس قدر تغیر اور بگاڑ واقع ہو جاتا ہے کہ اِس اِحداث کی وجہ سے اُمت کا اِتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور لوگ اِختلافِ کثیر کا شکار ہو کر گروہوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ حضور سرور دوعالم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جو بڑے بڑے اِحداث و بدعات رونما ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ

حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت کے فتنے نے سر اُٹھایا اور اِنکا یہ دعویٰ نبوت ''اِحداث فی الدّین'' تھا۔ اِن جھوٹے مدعیان نبوت کا اِجمالی تذکرہ درج ذیل ہے۔

۱۔ اَسود عنسی کا دعویٰ نبوت

یہ شخص عنس قبیلہ کا سردار تھا جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کردیا تھا۔ معروف مؤرّخ احمد بن ابی یعقوب (۲۸۷ھ) اپنی کتاب تاریخ الیعقوبی میں لکھتے ہیں:

واما الأسود بن عنزة العنسی کان تنبأ علی عهد رسول الله ﷺ فلما بویع أبو بکر ظهر أمره واتبعه علی ذلک قوم فقتله قیس بن

مکشوح المرادی وفیروز الدیلمی، دخلا علیه منزله وهو سکران فقتلاه۔(۱)

''اسود بن عنزہ عنسی نے رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی گئی تو اس نے اپنی نبوت ظاہر کر دی جس پر اس کی قوم نے اس کی اِتباع کی۔ بالآخر دو شخصیتوں! قیس بن مکشوح المرادی اور فیروز دیلمی نے اس کے گھر میں داخل ہوکر اسے اُس وقت قتل کردیا جب وہ نشے کی حالت میں تھا۔''

مختلف کتب تاریخ میں اسود عنسی کا دعویٰ نبوت اور اس کا قتل ہونا مؤرخین و مفسرین نے تحریر کیا ہے ان میں سے کچھ کتب کے نام بمع حوالہ جات درج ذیل ہیں:

۱۔ بلاذری، فتوح البلدان، ۱: ۱۲۵، ۱۲۷

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۲۱۳، ۲۱۷

۳۔ ثعالبی، ثمار القلوب: ۱۴۸

۴۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۳۳۶

۵۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۶: ۳۱۱

۶۔ عسقلانی، الاصابة فی تمییز الصحابه، ۱: ۴۶۷

۷۔ ابن قتیبه، المعارف: ۱۰۵، ۱۷۰

ب۔ طلیحہ اسدی کا دعویٔ نبوت

طلیحہ اسدی کا تعلق بنو اَسد کے قبیلے سے تھا۔ اس قبیلہ کو بنو طے اور بنو غطفان میں بھی کافی اثر ونفوذ حاصل تھا۔ علامہ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) تاریخ الامم والملوک

(۱) یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ۲: ۱۳۰

میں طلیحہ اَسدی کے دعویٔ نبوت کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

عن عروة عن أبيه قال لما مات رسول الله ﷺ و فصل أسامة إرتدت العرب عوام أو خواص و توحى مسيلمة وطليحة فاستغلظ أمرهما واجتمع على طليحة عوام طيء و أسد وأرتدت غطفان إلى ماكان من أ شجع وخواص من الافناء فبايعوه۔(۱)

''عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد عرب کے بعض خاص و عام مرتد ہو گئے اور مسیلمہ اور طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کردیا۔ بنو طئی اور بنو اسد کے عوام طلیحہ کے ساتھ مل گئے اور غطفان سے لے کر اشجع تک حتی کہ بعض علاقوں کے خواص (سردار و امراء وغیرہ) بھی مرتد ہوگئے اور اس کی بیعت کرلی۔''

اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر طلیحہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ بزاخہ کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور معرکہ کا آغاز ہوگیا۔ اس جنگ میں عیینہ بن فزارہ سات سو افراد کے ساتھ طلیحہ کی حمایت میں جنگ کے لئے شریک ہوا جو سب جواں مردی سے لڑے۔ طلیحہ اپنے اونی خیمہ میں چادر اوڑھے بیٹھا ہوا تھا۔ دوران جنگ عیینہ نے دو دفعہ طلیحہ کے پاس آ کر پوچھا کہ جبرائیل آئے کہ نہیں، لیکن جواب نفی میں پاتا، جب تیسری دفعہ پوچھا تو طلیحہ نے کہا کہ ہاں، عیینہ نے پوچھا کیا کہا تو اس نے کہا:

قال لى ان لک رحاً كرحاه وحديثا لا تنساه۔(۲)

---

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوك، ۲: ۲۲۱، ۲۲۲

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوك، ۲: ۲۲۹

۲۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۴۷۶

۳۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۳۴۳، ۳۴۹

۴۔ ابن حبان، السیرة النبویة، ۱: ۴۳۲

''جبرائیل نے مجھ کہا ہے کہ تیرے لیے شدت کی جنگ ایسی ہوگی جس کو تو ناپسند کرے گا اور ایک ایسا واقعہ ہوگا جو کبھی فراموش نہ ہوگا۔''

یہ سن کر عیینہ نے جان لیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ پس اس نے جا کر میدان جنگ میں کہا کہ طلیحہ جھوٹا ہے لڑائی چھوڑو اور اپنی جانیں بچاؤ۔ بعض لوگ طلیحہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ اب کیا کریں تو اس نے ان کو کہا کہ بھاگ جاؤ۔ اس جنگ کے بعد چھ قبائل مشرف بہ اِسلام ہو گئے، پھر کچھ عرصہ بعد طلیحہ نے بھی اِسلام قبول کرلیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

شیخ احمد بن ابی یعقوبؒ (۲۸۷ھ) تاریخ یعقوبی میں لکھتے ہیں کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متبعین کو قتل کیا اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذرخواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے اور تجدیدِ ایمان کے بعد حلقۂ اِسلام میں داخل ہو گیا۔(۱)

ج۔ مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ نبوت

مسیلمہ کذّاب کا تعلق عرب کے ایک بڑے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی یہ سارا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔ مسیلمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں اس شرط پر اسلام قبول کروں گا کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں۔ گویا کہ اس کے دل میں اِسلام کی محبت نہیں مال و دنیا اور جاہ و منصب کا لالچ تھا جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھانپ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اُس وقت کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تو اِسلام کے عوض مجھ سے کھجور کی یہ ٹہنی بھی مانگے تو میں یہ بھی نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں

(۱) ابو یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ۲:۱۴۵

پہلے ہی خبر دی جا چکی ہے۔(۱)

مسیلمہ کذّاب نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ۱۰ھ میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مدعیان نبوت نے سر اٹھایا تو مسیلمہ ان میں پیش پیش تھا اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو اس کی سرکوبی کے لیے مہم پر روانہ کیا، اس کے بعد شرحبیل رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کے ساتھ جنگ لڑی مگر کامیابی نہ حاصل ہوئی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یمامہ کی طرف ایک لشکر کے ساتھ بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور شرحبیل رضی اللہ عنہ نے مل کر مسیلمہ کذّاب سے جنگ کی۔ اس سے پہلے شرحبیل رضی اللہ عنہ نے عجلت میں مسیلمہ کذّاب سے جنگ کی تھی جس میں اسے نقصان اُٹھانا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یمامہ میں مسیلمہ کذّاب تدبّر وحکمت سے جنگ لڑی۔ اس لڑائی کے دوران مسیلمہ کو ایک حبشی غلام نے قتل کر دیا اور اس طرح یہ فتنہ خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اپنے اَنجام کو پہنچا۔

تاریخ یعقوبی میں شیخ احمد بن ابی یعقوبؒ (۲۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ مسیلمہ کذّاب کی بیخ کنی کے لئے حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ روانہ کئے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتداء کریں حضرت خالد بن ولید کو ان کی اِعانت کے لئے روانہ کیا گیا چنانچہ انہوں نے دشمن کو شکست دی۔ اس کے بعد خود مسیلمہ سے مقابلہ کیا۔ مسیلمہ نے اپنے جنگجو حامیوں کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی جس میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہوئی۔ شہداء میں بہت سے حفاظِ قرآن بھی تھے۔ اس جنگ میں بالآخر فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی اور مسیلمہ کذّاب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ مسیلمہ کی بیوی سجاح بنت حارثہ جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب کان النبی ﷺ تنام عینه ولا ینام قلبه، ۳: ۱۳۵۲، رقم: ۳۳۷۴
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الرویاء، ۴: ۱۷۸۰، رقم: ۲۲۷۳

دنوں کے بعد مر گئی۔(۱)

تقریباً تمام مؤرخین اور مفسرین نے مسیلمہ کذّاب کے جھوٹے دعویٰ نبوت کا ذکر بڑی تفصیل سے اپنی اپنی کتب میں مختلف انداز میں تحریر کیا ہے جن میں چند یہ ہیں۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک،۲: ۲۴۳۔۲۵۱

۲۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون ،۲: ۴۸۰

۳۔ امام ذہبی، تاریخ الاسلام، :۳۸

۴۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی ،۲: ۱۳۰

۵۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ،۲: ۳۶۰

د۔ سجاح بنت حارثہ تمیمہ

آپ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مرد تو مرد طبقۂ نسواں کے سر میں بھی جعلی نبوت کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ جو حضور ﷺ کے وصال کے بعد ۱۱ھ میں منظرِ عام پر آئی، نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا اور اَشعث بن قیس اس کا داعیٔ خاص تھا۔ سجاح نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد مرتدین و مذبذبین کی گہری اندرونی مناقشت کی وجہ سے بنو تمیم کا شیرازہ بکھرا ہوا پایا تو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی چرب زبانی سے انہیں اپنا پیرو بنانے کی کوشش کی، انہیں وہ مدینے کے خلاف مہم میں لے جانا چاہتی تھی۔ غالباً حضور ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے تھوڑی دیر کے لیے اس نے اپنے تمام قبیلے کی حمایت حاصل کر لی تھی۔ اس نے اپنے وسائل و ذرائع کو بحال رکھنے کے لیے اور اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے ایک سمجھوتے کے تحت مسیلمہ سے شادی بھی کر لی تھی۔ (۲)

(۱) تاریخ یعقوبی، ۲:۱۴۷

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۱: ۱۹۱۱
۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۱۰۰
۳۔دیار بکری، التاریخ الخمیس، ۲:۱۵۹

یہ تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت جن کا ذکر اُوپر ہوا، اِن کا ظہور دین میں اِحداث و بدعت تھا لہٰذا یہ اور اس سطح کے دیگر اِحداث و بدعات ’’من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ‘‘(۱) کے تحت مردود ہوں گے۔

۲۔ فتنۂ اِرتداد

حضور ﷺ کے وصال فرمانے کے ساتھ ہی اِحداث کی شکل میں ایک اور فتنہ رونما ہوا جسے فتنۂ اِرتداد کہتے ہیں۔ عرب کے کئی نومسلم قبائل اِسلام سے پھر گئے اور دوبارہ اپنی پرانی روش پر چل نکلے، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کمال جرأت و پامردی سے اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔ فتنۂ اِرتداد کے حوالے سے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **امام نسائی (۳۰۳ھ)** روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فتنۂ اِرتداد کا تذکرہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

لما توفّي رسول الله ﷺ إرتدت العرب. قال عمر یا أبا بکرٍ کیف تقاتل العرب فقال ابو بکر رضی اللہ عنہ إنّما قال رسول الله ﷺ أُمرت أن أُقاتل الناس حتّی یشهدوا أن لا إلٰه الا الله و أنّی رسول الله ویقیموا الصّلٰوة و یؤتوا الزکٰوة. والله لو منعونی عناقًا ممّا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، ۱: ۷، باب تعظیم حدیث رسول الله، رقم: ۱۴

۳۔ احمد بن حنبل، المسند: ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶

۵۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

۶۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۳۵۹

۷۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۹

كانوا يعطون رسول اللہ ﷺ لقاتلتهم عليه قال عمر رضی اللہ عنہ فلمّا رأيتُ راي أبی بكرٍ قد شُرِح علمتُ أنّه الحقّ.(۱)

''جب حضور سرورِکونین ﷺ کا وصال ہوا تو عرب کے بعض لوگ مرتد ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ عربوں سے کیسے جنگ کریں گے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اِس پر فرمایا، کیونکہ حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا ہے یہاں تک کہ وہ اس اَمر کی شہادت دیں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔(حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا) خدا کی قسم اگر یہ لوگ وہ بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو وہ حضور ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں انہیں قتل کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: جب میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر غور کیا تو مجھے شرحِ صدر نصیب ہوا اور میں جان گیا کہ حق اسی طرح ہے۔''

۲۔ **امام طبریؒ** (۳۱۰ھ) آپ ﷺ کے وصال کے بعد قبائلِ عرب میں فتنۂ اِرتداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن المجالد بن سعيد قال لما فصل أسامة كفرت الارض و تضرمت و إرتدت من كلّ قبيلة عامة أو خاصّة إلا قريشا و ثقيفا۔(۲)

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الجهاد، ۶:۲، رقم:۳۰۹۳
۲۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۷:۴، رقم:۲۲۴۷
۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۵۴۴:۱، رقم:۱۴۲۷
۴۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۷۷:۸
۵۔ معمر بن راشد، الجامع، ۵۲:۱۱

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۲۵۴
۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۴۷:۸
۳۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۷:۴، رقم:۲۲۴۷

’’مجالد بن سعید روایت کرتے ہیں کہ جب اُسامہ رضی اللہ عنہ لشکر لے کر روانہ ہوئے تو ان کے بعد سرزمینِ عرب اِسلام سے بغاوت پر اُتر آئی اور تمام قبائل میں سے لوگ چاہے عام ہوں یا خاص سوائے قریش اور ثقیف کے سرکش اور مرتد ہوگئے۔‘‘

۳۔ **امام جلال الدین سیوطیؒ** (۹۱۱ھ) ’’تاریخ الخلفاء‘‘ میں فتنۂ اِرتداد کے سدِّ باب کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے کی گئی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وفی سنة اثنتی عشرة بعث الصديق العلاء بن الحضرمی الی البحرين وكانوا قد ارتدوا فالتقوا بجواثی فنصر المسلمون، و بعث عكرمة بن ابی جهل الی عمان وكانوا قد ارتدوا، وبعث المهاجربن أبی أمية إلی أهل النجير وكانوا قد ارتدوا، و بعث زياد بن لبيد الأنصاری إلی طائفة من المرتدة۔(۱)

’’۱۲ھ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اہلیانِ بحرین کے مرتد ہونے پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین روانہ کیا تو ان کا آمنا سامنا جواثی کے مقام پر ہوا تو مسلمانوں نے فتح حاصل کی اور اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل کو مرتدینِ عمان کی سرکوبی کے لیے اور مہاجر بن ابو امیہ کو اہل نجیر جو کہ مرتد ہوگئے تھے کو زیر کرنے کے لیے، اور زیاد بن لبید کو مرتدین کی دیگر جماعتوں کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔‘‘

۴۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد پے در پے سر اُٹھانے والے فتنوں میں تیسرا اہم فتنہ منکرینِ زکوٰۃ کا تھا۔ یہ گروہ چونکہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا

(۱) سیوطی، تاریخ الخلفاء، ۱:۷۶

کرنے سے منکر تھا اس لئے اِن کے خلاف تلوار اُٹھانے کے متعلق خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اِختلافِ رائے پایا جاتا تھا۔ **امام بخاری**رحمہ اللہ (۲۵۶ھ) بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے نڈر صحابی نے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اِن کے خلاف قتال سے روکنا چاہا اور کہا:

كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا اله إلا الله فمن قالها فقد عصم منى ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه على الله۔

''آپ کس طرح لوگوں کو قتل کریں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں اس وقت تک قتال کرونگا جب تک لوگ **لااله إلا الله** نہ کہہ دیں اور جس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو اس کے مال و جان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے مگر جو اس کا حق ہوا، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا''

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا مؤقف تھا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اِقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اَوّل سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا غیر متزلزل اِرادہ و اِستقلال اس اِختلاف رائے سے مطلق متأثر نہ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے صاف فرما دیا:

والله لأ قاتلنّ من فرق بين الصلوٰة والزّكاة فانّ الزكاة حق المال، والله لو منعونى عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقاتلتهم على منعها

''اللہ کی قسم میں اس کے خلاف ضرور لڑوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا کیونکہ زکوٰۃ بیت المال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے ایک رسّی دینے سے بھی اِنکار کیا جسے وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو اس کے ترک کرنے پر بھی میں ان سے ضرور قتال کروں گا''۔

اس جرأتمندانہ اور فیصلہ کن اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہہ اور تادیبی کاروائی کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اَصابتِ رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔لہٰذا انہوں نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی جہانبانی اور جہاں بینی کوخراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فو الله ماهو إلاَّ أن قد شرح الله صدر أبى بكر فعرفت أنه الحق۔(۱)

''اللہ رب العزت کی قسم! اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تو میں جان گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔''

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۵۰۵،کتاب الزکاة ، باب وجوب الزکاة ، رقم: ۱۳۳۵

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶، ۲۶۵۷، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله، رقم: ۶۸۵۵

۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۵۱، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله إلا الله، رقم: ۲۰

۴۔ ترمذی ،الجامع الصحیح، ۵: ۳، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، رقم: ۲۶۰۷

۵۔ ابوداؤد، السنن،۲: ۹۳، کتاب الزکاة،باب وجوبها، رقم: ۱۵۵۶

۶۔ نسائی، السنن، ۵: ۱۴، کتاب الزکاة، باب مانع الزکاة، رقم: ۲۴۴۳

۷۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۲۸۰، رقم: ۳۴۳۲، ۳۴۳۵

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۷، رقم: ۳۳۵

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۵۰، رقم: ۲۱۷

۱۰۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۴۴، رقم: ۶۹۱۶

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) **تاریخ الخلفاء** میں *فتنۂ اِنکارِ زکوٰۃ* کے حوالے سے *حضرت عمر فاروق* رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں کہ:

لما قبض رسول الله عليه الصلاة والسلام إرتد من العرب و قالوا: نصلّى ولا نزكّى[1]، فأتيت أبابكر، فقلت: يا خليفة رسول الله تألّف النّاس وارفُق بهم فإنّهم بمنزلة الوحش، فقال: رَجَوتُ نصرتك و جئتنى بخذلانك، جبارا فى الجاهلية خوارا فى الإسلام، بماذا عسيتُ أن أتألفهم؟ بشعر مفتعل أو بسحر مُفتَرًى؟ هيهات هيهات! مضى النّبى صلى الله عليه و آله وسلم وإنقطع الوحى، والله لأجاهدنّهم ما استمسك السيف فى يدى، و إن منعونى عِقَالاً، قال عمر: فوجدته فى ذلك أمضى منى و أحزم و آدب النّاس على أمور۔(۲)

''حضور ﷺ کے وصال کے بعد کچھ عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا **نصلّى ولا نزكّى** ''یعنی ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے''(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے یہ واقعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا اور کہا اے خلیفۂ رسول ﷺ تالیفِ قلب کے لیے لوگوں پر نرمی فرمائیے کیونکہ یہ جانوروں کی مانند ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے عمر! مجھے تو آپ سے اِمداد کی توقع ہے، تم یہ کمزوری کیوں دکھا رہے ہو؟۔ زمانۂ جاہلیت میں تم بڑے جری اور قوی تھے زمانۂ اسلام میں یہ کمزوری کیسی؟(**جبّاراً فى الجاهلية خواراً فى الإسلام**) بتاؤ میں کس ذریعہ سے ان لوگوں کی تالیفِ قلوب کروں؟ آیا باتیں بناؤں، جادو کروں، افسوس افسوس۔ سرورِ عالم ﷺ نے رحلت فرمائی اور وحی بند ہوگئی۔ جب تک میرے

(۱) هيثمى، مجمع الزوائد، ٦:٢٢٠

(۲) سيوطى، تاريخ الخلفاء: ٧٢

ہاتھ میں تلوار ہے بخدا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کروں گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ کی پوری رقم ادا کر دیں۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میں نے اس معاملہ میں اپنے سے بھی زیادہ مستعد تیار اور اَحکام جاری کرنے والا پایا ہے‘‘

۴۔ فتنۂ خوارج

عالمِ اِسلام کو اوائل دور سے ہی جس بڑے فتنے کا سامنا کرنا پڑا اُسے تاریخ میں فتنۂ خوارج سے موسوم کیا گیا ہے۔ مؤرّخین کی کتب سے پتا چلتا ہے کہ گروہِ خوارج کی اِبتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے ہو گئی تھی۔ جب صفّین کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی روز تک لڑائی جاری رہی جس کے نتیجے میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ شہید ہوئے، بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن وسنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حَکَم مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی ختم ہو گئی۔ علامہ ابنِ اثیر جزریؒ (۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ میں فتنۂ خوارج کی اِبتداء کے بارے میں رقمطراز ہیں:

خَرَجَ الْأَشْعَثُ بِالْكِتَابِ يَقْرَؤُهُ عَلَى النَّاسِ حَتَّى مَرَّ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فِيهِمْ عُرْوَةُ بْنِ أُدَيَّةِ أَخُو أَبِي بِلَالٍ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ عُرْوَةُ: تَحَكَّمُونَ فِي أَمْرِ اللهِ الرِّجَالُ؟ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۱۹۶
۲۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ۳: ۱۰۴
۳۔ ابن جوزی، المنتظم، ۵: ۱۲۳

''اَشعث بن قیس نے اس عہدنامہ کو (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا) لے کر ہر ہر قبیلہ میں لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔ جب قبیلہ بنی تمیم میں پہنچے تو عروہ بن اُدیہ (خارجی) جو ابوبلال کا بھائی تھا بھی ان میں تھا جب اس نے وہ معاہدہ انہیں سنایا تو عروہ (خارجی) کہنے لگا: اللہ کے امر میں آدمیوں کو حَکم بناتے ہو؟ **لَا حُکْمَ إِلَّا لِلّٰه** یعنی حکم صرف اللہ ﷻ ہی کا ہے۔''

اس نے یہ کہہ کر اَشعث بن قیس کی سواری کے جانور کو تلوار ماری جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر پڑے۔ اس پر آپ کے قبیلہ والے اور ان کے لوگ جمع ہوگئے اور جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے عزائم اور اس عمل سے آگاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

كلمة حق أريد بها باطل، إن سكتوا غممناهم و إن تكلموا حججناهم و إن خرجوا علينا قاتلناهم۔(۱)

''بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔''

خوارج نے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا اور انہیں پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیا۔ ان بدبختوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو بدعتِ ضلالۃ تک کہا۔ آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے '' **الحکم للہ** '' کے اجراء کے لئے نہروان کے مقام کو پسند کیا جہاں سب جمع ہوگئے۔

نہروان کے مقام پر ان خارجیوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑائی کے سلسلے کا اس وقت تک آغاز نہ ہوا جب تک انہوں نے صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن

---

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳
۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۳: ۱۱۴

خباب رضی اللہ عنہ کو شہید نہ کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دونكم القوم، قال جندب: فقتلت بكفى هذه ثمانية قبل أن أصلى الظهر وما قتل منا عشرة ولا نجا منهم عشرة۔(۱)

''اس قوم کو لو (یعنی قتل کرو)، جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نماز ظہر سے قبل اپنے ہاتھوں سے آٹھ خوارج کو قتل کیا اور ہم میں سے دس شہید نہ ہوئے اور ان میں سے دس آدمی نہ بچے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یوں فتنۂ خوارج اپنے انجام کو پہنچا۔ یہی وہ فتنے تھے جن کی پیشین گوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجتماع میں اِشارۃً فرمائی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد رونما ہوئے۔ انہیں فتنوں کو **محدثات الأُمور** کا نام دیا گیا۔ لہٰذا یہ چاروں طبقات (مدعیانِ نبوت، منکرینِ زکوۃ، اِرتداد کے مرتکبین، خوارج) صحیح روایات کے مطابق محدثات کے مرتکبین تھے اور احادیث نے ''اِحداث'' کے معنی کو ''ارتداد'' کے ساتھ مختص کر دیا ہے، پس اِحداث سے مراد اِرتداد ہوگا اور یہی بدعت ضلالت اور داخلِ دوزخ شمار ہوگی۔

خوارج سے متعلق چند اہم روایات کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) خوارج کی فتنہ انگیزی اور ان کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِىْ رَافِعٍ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِى طَالِبٍ رضى الله عنه قَالُوا لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ رضى الله عنه: كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِل. إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَصَفَ نَاسًا. إِنِّىْ لَأَعْرِفُ صِفَتَهُمْ فِى هٰؤُلَاءِ يَقُوْلُوْنَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۲۷، رقم: ۴۰۵۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲۲۷

يَجُوْزُ هٰذَا، مِنْهُمْ. (وَاَشَارَ اِلٰى حَلْقِهٖ) مِنْ اَبْغَضِ خَلْقِ اللّٰهِ اِلَيْهِ مِنْهُمْ أَسْوَدُ. إِحْدىٰ يَدَيْهِ طُبْيُ شَاةٍ أَوْ حَلَمَةُ ثَدْيٍ. فَلَمَّا قَتَلَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ انْظُرُوْا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَجِدُوْا شَيْئًا. فَقَالَ: ارْجِعُوْا فَوَاللّٰهِ مَا كَذَبْتُ وَلَا كُذِّبْتُ مَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا ثُمَّ وَجَدُوْهُ فِيْ خَرِبَةٍ. فَأَتَوْا بِهٖ حَتّٰى وَضَعُوْهُ بَيْنَ يَدَيْهِ. قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ:وَ أَنَا حَاضِرٌ ذٰلِکَ مِنْ أَمْرِهِمْ. وَ قَوْلِ عَلِيّ فِيْهِمْ۔(۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حروریہ کا جس وقت ظہور ہوا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اُن (خوارج) نے کہا اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حق بات ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نشانیاں بتلائی تھیں جنہیں میں بخوبی جانتا ہوں اور ان لوگوں میں وہی نشانیاں پائی جاتی ہیں، وہ اپنی زبانوں سے حق کہتے ہیں اور حق اس سے (یعنی ان کے حلق سے) نیچے نہیں اُترتا۔ عبید نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے دکھایا اور کہا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مبغوض ترین ہیں، ان میں سے ایک شخص سیاہ رنگ کا ہے جس کا ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے سر کی طرح ہے۔ جب حضرت علی ان سے قتال کر چکے تو فرمایا اس آدمی کی تلاش کرو اسے ڈھونڈا گیا مگر وہ نہیں ملا، فرمایا اس کو پھر جا کر تلاش کرو، بخدا میں نے نہ جھوٹ بولا ہے نہ مجھے جھوٹ بتایا گیا ہے، یہ بات انہوں نے دو یا تین بار کہی حتی کہ لوگوں نے اس کو ایک کھنڈر میں ڈھونڈ نکالا اور اس کی لاش لا کر حضرت علی کے سامنے رکھ دی۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں وہاں موجود تھا۔''

۲۔ **امام نسائیؒ** (۳۰۳ھ) کتاب المحاربہ میں خوارج سے متعلق روایت نقل

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الزكوة، باب التحريض على قتل الخوارج، ۲: ۷۴۸، رقم: ۱۰۶۶

کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

عَنْ شَرِيْكِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ: كُنْتُ أَتَمَنَّى أَنْ أَلْقَى رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَسْأَلُهُ عَنِ الْخَوَارِجِ، فَلَقِيْتُ أَبَا بَرْزَةَ فِي يَومِ عِيْدٍ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقُلْتُ لَهُ: هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِأُذُنِي وَرَأَيْتُهُ بِعَيْنِي أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَالٍ فَقَسَمَهُ، فَأَعْطَى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَ مَنْ عَنْ شِمَالِهِ، وَلَمْ يُعْطِ مَنْ وَرَاءَهُ شَيْئًا، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَرَائِهِ. فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مَا عَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ، رَجُلٌ أَسْوَدُ مَطْمُومُ الشَّعْرِ، عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَبْيَضَانِ (وزَادَ أَحْمَدُ: بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَثَرُ السُّجُودِ)، فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ غَضَبًا شَدِيْدًا، وَ قَالَ: وَاللهِ، لَا تَجِدُوْنَ بَعْدِي رَجُلًا هُوَ أَعْدَلُ مِنِّي، ثُمَّ قَالَ: يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَأَنَّ هَذَا مِنْهُمْ (وَ فِي رِوَايَةٍ: قَالَ: يَخْرُجُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ رِجَالٌ كَانَ هَذَا مِنْهُمْ هَدْيُهُمْ هَكَذَا) يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ، لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتَّى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، فَإِذَا لَقِيْتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ۔(١)

وَقَالَ الْحَاكِمُ: هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ. وَ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ كَمَا

---

(١) ١۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ١١٩:٧، الرقم: ٤١٠٣

٢۔ نسائي، السنن الكبرى، ٣١٢:٢، الرقم: ٣٥٦٦

٣۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٤٢١:٤

٤۔ بزار، المسند، ٢٩٤:٩، ٣٠٥، الرقم: ٣٨٤٦

٥۔ حاكم، المستدرك، ١٦٠:٢، الرقم: ٢٦٤٧

٦۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ٥٥٩:٧، الرقم: ٣٧٩١٧

قَالَ الْهَيْثَمِيُّ.

''حضرت شریک بن شہاب نے بیان کیا کہ مجھے اس بات کی خواہش تھی کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی سے ملوں اور ان سے **خوارج** کے متعلق دریافت کروں۔ اتفاقاً میں نے عید کے روز حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو آپ کے کئی دوستوں کے ساتھ دیکھا میں نے دریافت کیا: کیا آپ نے خارجیوں کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ وہ فرمانے لگے: ہاں، میں نے اپنے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں کچھ مال پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس مال کو ان لوگوں میں تقسیم فرما دیا جو دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے اور جو لوگ پیچھے بیٹھے تھے آپ ﷺ نے انہیں کچھ عنایت نہ فرمایا چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، اے محمد (ﷺ)! آپ نے انصاف سے تقسیم نہیں کی۔ وہ سیاہ رنگ، سر منڈا اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا (اور امام احمد بن حنبل نے اضافہ کیا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) سجدوں کا نشان تھا)۔ حضور نبی اکرم ﷺ شدید ناراض ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! تم میرے بعد مجھ سے بڑھ کر کسی کو انصاف کرنے والا نہ پاؤ گے، پھر فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے یہ شخص بھی انہیں لوگوں میں سے ہے (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مشرق کی طرف سے ایک قوم نکلے گی یہ آدمی بھی ان لوگوں میں سے ہے اور ان کا طور طریقہ بھی یہی ہوگا) وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ سر منڈے ہوں گے یہ لوگ ہمیشہ نکلتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا جب تم ان سے ملو تو انہیں قتل کر دو۔ وہ تمام مخلوق سے بدترین ہیں۔''

۳۔ امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) باب الخوارج شر الخلق والخليقة کے ذیل میں خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ يُسَيْرِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: سَأَلْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ رضی الله عنه هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ؟ فَقَالَ: سَمِعْتُهُ وَ أَشَارَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ قَوْمٌ يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يَعْدُوْا تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔(۱)

''یُسیر بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوارج کا ذکر سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! میں نے سنا ہے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کرکے کہا: وہ اپنی زبانوں سے قرآن مجید پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نہیں اترے گا اور دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔''

۴۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) آیت **وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ**(۲) کے تحت خوارج کو شریر ترین مخلوق قرار دیتے ہوئے درج ذیل روایت بیان کرتے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الخوارج شر الخلق و الخليفة، ۲: ۷۵۰، رقم: ۱۰۶۸،
۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب التوحيد، باب قراءة الفاجر و المنافق و أصواتهم و تلاوتهم لاتجاوز حناجرهم، ۶: ۲۷۴۸، رقم: ۷۱۲۳،
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۶۴، رقم: ۱۱۶۳۲، ۳: ۴۸۶
۴۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۷: ۵۶۳، رقم: ۳۷۳۹۷
۵۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۴۰۸، رقم: ۱۱۹۳
۶۔ طبراني، المعجم الكبير، ۶: ۹۱، رقم: ۵۶۰۹
۷۔ ابن أبی عاصم، السنة، ۲: ۴۹۰، رقم: ۹۰۹
(۲) القرآن، التوبه، ۹: ۱۱۵

وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔(۱)

و قال العسقلاني في الفتح: و صله الطبري في مسند علي من تهذيب الآثار من طريق بكير بن عبد الله بن الأشج: أَنَّهُ سَأَلَ نَافِعًا كَيْفَ كَانَ رَأَى ابْنُ عُمَر فِي الْحَرُوْرِيَّةِ؟ قَالَ: كَانَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتِ الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا فِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔(۲)

’’اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ان (خوارج) کو اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ (کیونکہ) انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں اُن کا اِطلاق مومنین پر کرنا شروع کر دیا۔

امام عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ’’فتح الباری‘‘ میں بیان کرتے ہیں کہ امام طبریؒ نے اس حدیث کو تهذیب الآثار سے بکیر بن عبد اللہ بن اَشج کے طریق سے مسند علی رضی اللہ عنہ میں شامل کیا ہے کہ ’’انہوں نے نافع سے پوچھا کہ عبد اللہ بن عمر رضی

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب استتابة المرتدين و المعاندين و قتالهم، باب قتل الخوارج و الملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، ۶:۲۵۳۹
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الخوارج شر الخلق والخليقة، ۲:۷۵۰، رقم: ۱۰۶۷
۳۔ أبو داود، السنن، كتاب السنة، باب في قتال الخوارج، ۴:۲۴۳، رقم: ۴۷۶۵
۴۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ۷:۱۱۹، رقم: ۴۱۰۳
۵۔ ابن ماجة، المقدمة، باب في ذكر الخوارج، ۱:۶۰، رقم: ۱۷۰
۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۵، ۲۲۴، رقم: ۱۱۱۳۳
۷۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵:۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹
(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۲:۲۸۶، رقم: ۶۵۳۲

اللہ عنہما کی حروریہ (خوارج) کے بارے میں کیا رائے تھی؟ تو انہوں نے فرمایا: وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بدترین لوگ خیال کرتے تھے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو لیا جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں تھیں اور ان کا اِطلاق مومنین پر کیا‘‘

۵۔ **امام نسائیؒ** (۳۰۳ھ) السنن الکبریٰ میں خوارج کی گمراہی کا تذکرہ کرتے ہوئے درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ طَارِقِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ إِلَى الْخَوَارِجِ فَقَتَلَهُمْ، ثُمَّ قَالَ: انْظُرُوا فَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِنَّهُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ يَتَكَلَّمُونَ بِالْحَقِّ لَا يُجَاوِزُ حَلْقَهُمْ، يَخْرُجُونَ مِنَ الْحَقِّ كَمَا يَخْرُجُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ...... الحديث۔(۱)

’’حضرت طارق بن زیادؒ نے بیان کیا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج کی طرف (ان سے جنگ کے لیے) نکلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کیا پھر فرمایا: دیکھو بیشک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: عنقریب ایسے لوگ نکلیں گے کہ حق کی بات کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی وہ حق سے یوں نکل جائیں گے جیسے کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔‘‘

۶۔ **علامہ ابنِ جریر طبریؒ** (۳۱۰ھ) تاریخ الاُمم و الملوک میں خوارج کے اِفتراق و اِنتشار، فتنہ انگیزی اور صحابہ دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ أَبِي حُرَّةِ: أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ لَمَّا بَعَثَ أَبَا مُوسَى لِإِنْفَاذِ الْحُكُومَةِ، اجْتَمَعَ الْخَوَارِجُ فِي مَنْزِلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهَبِ

---

(۱) نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۱۶۱، رقم: ۸۵۶۶
أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۰۷، رقم: ۸۴۸
خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱۴: ۳۶۲، رقم: ۷۶۸۹

الرَّاسِبِيّ مِنْ رُؤُوسِ الْخَوَارِجِ، فَخَطَبَهُمْ خُطْبَةً بَلِيْغَةً زَهَّدَهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا وَ رَغَّبَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَالْجَنَّةِ وَ حَثَّهُمْ عَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ ثُمَّ قَالَ: فَاخْرُجُوا بِنَا إِخْوَانِنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا إِلَى جَانِبِ هَذَا السَّوَادِ إِلَى بَعْضِ كُوَرِ الْجِبَالِ أَوْ بَعْضِ هَذِهِ الْمَدَائِنِ مُنْكَرِيْنَ لِهَذِهِ الْبِدَعِ الْمُضِلَّةِ......ثُمَّ اجْتَمَعُوا فِي مَنْزِلِ شُرَيْحِ بْنِ أَوْفَى الْعَبَسِيّ فَقَالَ ابْنُ وَهَبٍ: اشْخَصُوا بِنَا إِلَى بَلَدَةٍ نَجْتَمِعُ فِيْهَا لِإِنْفَاذِ حُكْمِ اللهِ فَإِنَّكُمْ أَهْلُ الْحَقِّ۔(۱)

''عبدالملک نے ابوحرہ سے روایت بیان کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) کو (اپنا گورنر بنا کر) نفاذِ حکومت کے لئے بھیجا تو خوارج عبداللہ بن وھب راسبی (خارجی سردار) کے گھر میں جمع ہوئے۔ اس نے انہیں بلیغ خطبہ دیا جس میں انہیں اس دنیا سے بے رغبتی اور آخرت اور جنت کی رغبت دلائی اور انہیں اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اُبھارا۔ پھر کہا: ہمارے لئے ضروری ہے ہم پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکل جائیں تاکہ ان گمراہ کرنے والی بدعتوں سے ہمارا انکار ثابت ہوجائے...... پھر سب شریح بن ابی اوفی عبسی کے گھر جمع ہوئے تو ابن وھب نے کہا: اب کوئی شہر ایسا دیکھنا چاہئے کہ (اسے اپنا مرکز بنا کر) ہم سب اسی میں جمع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کریں۔ کیونکہ اہلِ حق اب تم ہی لوگ ہو۔''

۷۔ علامہ ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ خوارج کی گستاخیوں، زبان درازیوں اور اِن کے صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳:۱۱۵

۲۔ ابن أثير، الكامل فی التاريخ، ۳:۲۱۳۔ ۲۱۴

۳۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۷:۲۸۵۔۲۸۶

۴۔ ابن جوزي، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ۵:۱۳۰۔۱۳۱

پر لگائے گئے کفریہ فتووں کا تذکرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى الْخَوَارِجِ بِالنَّهْرِ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ عَبْدِ اللهِ عَلِيٍّ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى زَيْدِ بْنِ حُصَينٍ وَ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ وَ مَنْ مَعَهُمَا مِنَ النَّاسِ. أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ اللَّذَيْنِ ارْتَضَيْنَا حَكَمَينِ قَدْ خَالَفَا كِتَابَ اللهِ وَاتَّبَعَا هَوَاهُمَا بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللهِ فَلَمْ يَعْمَلا بِالسُّنَّةِ وَلَمْ يُنفِذَا الْقُرْآنَ حُكْمًا فَبَرِىءَ اللهُ مِنْهُمَا وَ رَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ، فَإِذَا بَلَغَكُمْ كِتَابِي هَذَا فَأَقْبِلُوا إِلَيْنَا فَإِنَّا سَائِرُونَ إِلَى عَدُوِّنَا وَ عَدُوِّكُمْ وَ نَحْنُ عَلَى الْأَمْرِ الْأَوَّلِ الَّذِي كُنَّا عَلَيْهِ.

فَكَتَبُوا (الخوارج) إِلَيْهِ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّكَ لَمْ تَغْضَبْ لِرَبِّكَ وَ إِنَّمَا غَضِبْتَ لِنَفْسِكَ فَإِنْ شَهِدْتَ عَلَى نَفْسِكَ بِالْكُفْرِ وَاسْتَقْبَلْتَ التَّوْبَةَ نَظَرْنَا فِيمَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ وَ إِلَّا فَقَدْ نَبَذْنَاكَ عَلَى سَوَاءٍ، إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ.

فَلَمَّا قَرَأَ كِتَابَهُمْ أَيِسَ مِنْهُمْ وَرَأَى أَنْ يَدَعَهُمْ وَ يَمْضِيَ بِالنَّاسِ حَتَّى يَلْقَى أَهْلَ الشَّامِ حَتَّى يَلْقَاهُمْ۔(۱)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خوارج کو نہروان سے خط لکھا: ’’اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے: اللہ کے بندے امیر المؤمنین علی کی طرف سے زید بن حصین اور عبداللہ بن وهب اور ان کے پیروکاروں کے لئے۔ واضح ہو کہ یہ دو شخص جن کے فیصلہ پر ہم راضی

(۱) ۱۔ ابن جرير طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۳:۱۱۷
۲۔ ابن أثير، الكامل فى التاريخ، ۳:۲۱۶
۳۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۷:۲۸۷
۴۔ ابن جوزي، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ۵:۱۳۰۔۱۳۱

ہوئے تھے انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا اور اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ جب انہوں نے قرآن و سنت پر عمل نہیں کیا تو اللہ اور اللہ کا رسول اور سب اہل ایمان ان سے بری ہوگئے۔ تم لوگ اس خط کو دیکھتے ہی ہماری طرف چلے آؤ تاکہ ہم اپنے اور تمہارے دشمن کی طرف نکلیں اور ہم اب بھی اپنی اسی پہلی بات پر قائم ہیں۔

اس خط کے جواب میں انہوں (یعنی خوارج) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا:
''واضح ہو کہ اب تمہارا غضب اللہ کے لئے نہیں ہے اس میں نفسانیت شریک ہے اب اگر تم اپنے کفر پر گواہ ہو جاؤ (یعنی کافر ہونے کا اِقرار کرلو) اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائے گا ورنہ ہم نے تمہیں دور کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

سو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا جوابی خط پڑھا تو ان کی طرف سے (ہدایت کی طرف لوٹنے سے) مایوس ہوگئے لہٰذا انہیں ان کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرکے اپنے لشکر کے ساتھ اہل شام سے جا ملے۔''

اب ''مُحدثاتُ الأُمور'' کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟

اِن احادیثِ مبارکہ اور آثار و روایات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ''محدثات الامور'' سے مراد ایسے فتنے ہیں جو اِرتداد پر مبنی ہوں اور دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے یا ان سے اِنکار کا موجب ہوں۔ لہٰذا بدعاتِ ضلالۃ سے مراد ہرگز ہرگز چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اِختلافات نہیں بلکہ اِن سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الاسلام'' اور ''ارتداد'' کا باعث بنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور امرِ دین کو منقطع کرے اور ''اِختلافِ کثیر'' بن کر اُمت کے اِتحاد کو پارہ پارہ کر دے، مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور حیات بعد از موت پر اِیمان) میں سے کسی کا اِنکار،

اِسلام کے ارکانِ خمسہ (ایمان باللہ والرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا اِنکار، یا اَرکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختمِ نبوت کا اِنکار، تحریفِ قرآن (کمی یا زیادتی)، سنت کا اِنکار، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز وغیرہ کا باطل عقیدہ گھڑ لے اور اِس کا پرچار کرے تو اِن فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے، اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا گیا ہے۔

بدعت اور **محدثات الأمور** پر کی جانے والی اِس بحث سے یہ نتیجہ اَخذ ہوتا ہے کہ احداث فی الدین سے مراد دین میں ایسا فتنہ پیدا کرنا ہے جو باعثِ اِرتداد ہو، یہی بدعت ضلالت ہے، اَحادیثِ مبارکہ میں اسی بدعتِ ضلالت کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ لہٰذا بدعت کو دیگر ہلکے اور فروعی نوعیت کے اُمور پر محمول کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔ اس سے مراد فقط فتنۂ اِرتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا مختلف اَدوار میں بعد میں پیدا ہوں گی۔ بصورتِ دیگر اس پر بدعتِ ضلالۃ کا اِطلاق دین سے مذاق کرنے کے مترادف ہوگا۔ پس آج بھی کسی اَمر یا معاملہ پر بدعتِ ضلالۃ کا اِطلاق کرنے کے لیے اِرتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی اَمر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعت ضلالت میں شمار ہوتی ہے یا نہیں؟

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، اِیصال ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور ''**محدثات الامور**'' نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اِن سے نہ تو **خروج عن الاسلام** لازم آتا ہے اور نہ ہی اِرتداد، بلکہ یہ اَصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جبکہ ''**محدثات الامور**'' ان فتنوں کو کہا گیا ہے جن کی وجہ سے اُمت میں اِختلافِ کثیر پیدا ہوا، اور اُمت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔ تعجب اور افسوس ہے ان لوگوں پر جنھوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور اِیصالِ ثواب وغیرہما جیسے اعمال کو محدثات الامور اور بدعات ضلالۃ قرار دیا ہے۔ کوئی اِن اُمور پر اِعتقاد رکھے یا نہ رکھے یہ

اس کی صوابدید ہے، لیکن اِن کو دین میں بدعت قرار دینا آپ ﷺ کی بیان کردہ تعریف سے اِنکار، حدیث سے اِنکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ **لیس علیه أمرنا**[1] کا بھی یہی معنی ہے، یہ اَعمالِ خیر درحقیقت دین کے اندر اُمورِ مستحبات ہیں۔ فقہاء کے درمیان ہزاروں اختلافات ہیں، کسی مسئلہ میں مستحب ومکروہ حتی کہ حلت وحرمت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِن اُمورِ مستحبات کو بدعات کہنا اور اِن پر اِرتداد اور کفر وشرک کا فتوی لگانا گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تعریف سے اِنحراف کرنا ہے۔ مرتدین کے خلاف قتال کرنا تو جہاد ہے، کیا فتوی لگانے والے اِن اُمور کا اِعتقاد رکھنے والوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں؟ یہ اِن کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

---

(١) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب النجش، ٢:٧٥٣، رقم:٢٠٣٥
٢۔ مسلم، الصحیح، ٣: ١٣٤٣، کتاب الاقضیه، باب نقض الاحکام الباطلة، رقم: ١٧١٨
٣۔ احمد بن حنبل، المسند، ٦: ١٨٠، رقم: ٢٥٥١١
٤۔ دار قطنی، السنن، ٤: ٢٢٧، رقم: ٨١
٥۔ منذری، الترغیب والترہیب، ١: ٤٤، رقم: ٧٧
٦۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ١:٦٥

باب: ۴

مباح بدعت کی قبولیت اور قرآن

۱۔ وَ رُهُبَانِيَّةَنِ ابۡتَدَعُوۡهَا

۲۔ مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ

۳۔ اِلَّا ابۡتِغَاءَ رِضۡوَانِ اللهِ

۴۔ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

۵۔ فَاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ

تصور بدعت سے متعلق دو اہم امور

۱۔ رضائے الٰہی کی خاطر کیا گیا نیا کام مطلقاً ناجائز نہیں

غلط فہمی کے نتائج

۲۔ بدعتِ حسنہ کے مقاصد کا حصول ضروری ہے

شریعتِ اسلامی اور فلسفۂ حلال وحرام

محض ''بدعت'' کہنے سے کوئی چیز غیر مشروع نہیں ہوتی

یہ ایک تسلیم شدہ اَمر ہے کہ ہر بدعت قرآن و حدیث کی تعلیمات سے متصادم و متناقض نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات اَیسی ہیں جو نہ تو کتاب وسنت کے خلاف ہیں اور نہ ہی روحِ شریعت کے منافی۔ انہیں بدعاتِ مباحہ (Permissible Innovations) کہتے ہیں۔ اگر نفسِ مسئلہ کو نظر اَنداز کرکے ہر نئے کام کو بغیر اس کی ماہیئت، افادیت، مقصدیت اور مشروعیت کے تجزیئے کے بدعت قرار دے کر مذموم تصور کر لیا جائے تو عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی، اجتہادی اور اجتماعی فیصلے، اَحکام، مذہبی رسوم اور معاملات معاذ اللہ ضلالت و گمراہی قرار پائیں گے اور ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اِجتہاد و اِستحسان اور مصالح و اِستصلاح کا دروازہ بند ہو جائے گا، جس سے لامحالہ بدلتے ہوئے حالات میں اِسلام کا قابلِ عمل ہونا بھی ناممکن ہوگا۔ پس اگر کوئی عمل نہ قرآن میں مذکور ہو اور نہ ہی رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو اور بعد اَزاں اُمت کے صلحاء و علماء از خود کسی نئے عمل یعنی ''بدعت مباحہ'' کو وقت کی ضرورت سمجھ کر اپنا لیں لیکن اس کا محرک رضائے الٰہی کا حصول ہو تو إنما الأعمال بالنّيات [1] کے تحت یہ بدعت بھی عنداللہ مقبول اور باعث اَجر و ثواب قرار پا جائے گی، اسی کو بدعتِ حسنہ یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۳، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، رقم: ۱

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۷۲، کتاب الطلاق، باب فیما عنٰی به الطلاق والنیات رقم: ۲۲۰۱

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۴۱۳، کتاب الزہد، باب النیة، رقم: ۴۲۲۷

←

سورہ الحدید میں باری تعالیٰ نے اِذنِ اِلٰہی کے بغیر کسی **بدعت** کو اِیجاد کرنے، عند اللہ اس کی مقبولیت اور اس پر اَجر و ثواب کے حوالے سے اِرشاد فرمایا:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً وَ رَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ۔(۱)

''پھر ہم نے ان رسولوں کے نقوشِ قدم پر (دوسرے) رسولوں کو بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسٰی ابنِ مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی اور ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں جو اُن کی (یعنی عیسٰی علیہ السلام کی صحیح) پیروی کر رہے تھے شفقت اور رحمت پیدا کر دی۔ اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود اِیجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت) محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (شروع کی تھی) پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے (یعنی اسے اسی جذبہ اور پابندی سے جاری نہ رکھ سکے)، سو ہم نے اُن لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے (اور بدعتِ رہبانیت کو رضائے اِلٰہی کے لئے جاری رکھے ہوئے)

.... ۴۔ ابونعیم، مسند الامام ابی حنیفة، ۱: ۲۶۹

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۱۱۳، رقم: ۳۸۸

۶۔ طیالسی، المسند، ۱: ۹، رقم: ۳۷

۷۔ ربیع، المسند، ۱: ۲۳، رقم: ۱

۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱: ۴۱، رقم: ۱۸۱

۹۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۱۷، رقم: ۴۰

(۱) القرآن، الحدید، ۵۷: ۲۷

تھے، اُن کا اَجر وثواب عطا کر دیا اور ان میں سے اکثر لوگ (جو اس کے تارک ہوگئے اور بدل گئے) بہت نافرمان ہیں''۔

اس آیہ کریمہ میں قرآن و سنت کے کسی حکم کے بغیر از خود کسی بدعت کو ایجاد کرنا، اس پر عمل پیرا ہونا اور پھر عنداللہ اس کے مقبول ہوجانے کے بارے میں چند اہم نکات ہیں جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ وَ رَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا

آیت کے الفاظ میں ''ابْتَدَعُوْهَا'' بدعت سے مشتق ہیں۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ دینِ عیسوی میں اَصلاً رہبانیت فرض نہ کی گئی تھی۔ اس کا تعلیماتِ مسیح میں سرے سے کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ بعد کے لوگوں نے اسے از خود وصول اِلی اللہ اور قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہوئے بدعت کے طور پر ایجاد کرلیا تھا۔

۲۔ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ عملِ رہبانیت لوگوں نے بغیر کسی حکم کے شروع کرلیا تھا اور دوسری بات اس سے یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے دینِ عیسوی میں رہبانیت کی فرضیت یا وجود کی تو نفی کی ہے مگر اس کی مشروعیت کی نفی نہیں کی یعنی اس کو حرام یا ناجائز نہیں کیا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''**لا رهبانية فی الاسلام**''(۱) یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ پہلی شریعت میں رہبانیت موجود تھی اور یہ عمل مشروع تھا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ پہلی شریعت میں رہبانیت

---

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۱۱
۲۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۲۸۹، رقم: ۴۰۱۰
۳۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۵۱۰، رقم: ۳۱۵۴
۴۔ شوکانی، نیل الأوطار، ۶: ۲۳۱

کہاں سے آئی، جبکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ "مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ" کہ میں نے تو اسے کسی شریعت میں نازل ہی نہیں کیا۔ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ہر وہ حکم جو منزل من اللہ یا مقرر من الرسول نہ تھا اور اس کی ممانعت پر کوئی حکم بھی نہیں تھا تو وہ مقاصدِ حسنہ اور نیک نیتی کی وجہ سے مستحسنات میں داخل ہوگیا اور اسے شریعت میں جگہ مل گئی اسی طرح رہبانیت بھی اللہ ﷻ کا حکم نہ ہونے کے باوجود بدعت حسنہ ہونے کی وجہ سے شریعت میں داخل ہوگئی لہٰذا اس پر اَجر وثواب متحقق ہوگیا۔

۳۔ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ

دینِ مسیحی پر کاربند لوگوں نے یہ بدعت رضائے الٰہی کے حصول کے لئے زیادہ ریاضت ومجاہدہ اور عبادت ومشقت کے مطمحِ نظر سے اِختیار کی تھی۔ چونکہ یہ کام نیک نیتی کے طور پر کیا گیا اس لئے باری تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کوئی عمل فی نفسہٖ "بدعت" ہی ہو وہ پھر بھی رضائے اِلٰہی کے حصول کا باعث بن سکتا ہے اور نیک نیتی کی وجہ سے عمل مقبول ہوسکتا ہے یہیں سے "بدعت حسنہ" کا تصور اُبھرتا ہے۔

۴۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

اس مبنی بر اخلاص "بدعت" کو اختیار کرنے کے بعد ضروری تھا کہ رہبانیت کے جملہ تقاضے کما حقہ پورے کئے جاتے تا کہ اس سے صحیح روحانی فوائد میسر آتے لیکن ان میں سے اکثر اَفراد بالالتزام ان تقاضوں کو پورا نہ کرسکے اس لئے انہیں نافرمان قرار دیا گیا۔

۵۔ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ

جن افراد نے اِہتمام کے ساتھ اس بدعتِ حسنہ (رہبانیت) کے تقاضوں کو پورا کیا اللہ تعالیٰ نے اِن کی محنت قبول کی اور انہیں اَجر وثواب سے نوازا۔ اگر رہبانیت کی بدعت فی نفسہ ناجائز ہوتی تو کبھی بھی اللہ کی طرف سے اس پر اجر وثواب عطا نہ کیا جاتا۔

تصورِ بدعت سے متعلق دو اہم امور

سورۃ الحدید کی مذکورہ آیت پر فکرو تدبُّر کرنے سے درج ذیل دو اہم امور پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ رضائے الٰہی کی خاطر کیا گیا نیا کام مطلقاً ناجائز نہیں

۲۔ بدعتِ حسنہ کے مقاصد کا حصول ضروری ہے

اِنہیں دو مقاصد کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے **علامہ سید محمود آلوسیؒ** (۱۲۷۰ھ) مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> **وليس فى الآية مايدلّ على ذمّ البدعة مطلقا، والّذى تدلّ عليه ظاهراً ذم عدم رعاية ما التزموه۔(۱)**

> ''آیت میں بدعت کی مطلقاً مذمت نہیں کی گئی بلکہ ظاہری طور پر جو مذمت کی گئی ہے وہ رھبانیت کے حقوق کے عدمِ اِلتزام کی وجہ سے ہے۔''

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) کے نزدیک بھی بدعت فقط اُن اُمور کو کہیں گے جن کی کوئی اَصل یا نظیر کتاب وسنت میں نہ ہو، لیکن جن نئے اُمور کی کوئی اَصل یا دلیل شریعت میں موجود ہو تو اسے بدعت نہیں کہیں گے بلکہ وہ عمل اپنی اَصل میں مباح اور جائز ہوگا۔ جامع العلوم والحکم میں بدعت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **المراد بالبدعة ما أُحدث ممّا لا أصل له فى الشّريعة يدلّ عليه وأما ما كان له أصل من الشّرع يدلّ عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغة۔(۲)**

> ''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو

---

(۱) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، ۱۴: ۱۹۲

(۲) ۱۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۲

اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لُغوی اعتبار سے بدعت ہو گا۔‘‘

ا۔ رضائے الٰہی کی خاطر کیا گیا نیا کام مطلقًا ناجائز نہیں

اگر رضائے الٰہی کی خاطر کوئی نیا کام جسے عرف عام میں ’’بدعت‘‘ کہتے ہیں، کیا جائے جو فی نفسہٖ خلافِ شریعت نہ ہو تو اسلام اس کو قبول کرتا ہے۔ اَمر مستحسن کے طور پر اس کام پر اَجر و ثواب اور فوائد و برکات بھی متحقق ہوتے ہیں۔ اَیسے اُمور شریعت میں مشروع حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو مطلقاً ناجائز سمجھنا زیادتی ہے۔اَیسے نئے اُمور لغوی اِعتبار سے تو بدعت ہی ہوں گے کیونکہ یہ براہِ راست قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہوتے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر نیا کام اَز روئے شرع اس لئے ناجائز اور حرام ہوگا کہ وہ نیا ہے؟

اس حوالے سے ہم سابقہ صفحات میں بخوبی واضح کر چکے ہیں کہ اگر شرعی اُصولوں کا معیار یہ قرار پا جائے تو تعلیماتِ دین اور شریعت کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا،اس طرح اِجتہاد کی ساری صورتیں اور قیاس، اِستحسان، اِستنباط اور اِستدلال وغیرہ کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم وفنون مثلاً اُصولِ تفسیر و حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ، ان کی تدوین و تدریس، اِن کو سمجھنے کے لئے صرف ونحو، معانی، منطق و فلسفہ اور دیگر معاشرتی و معاشی علوم جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں، ان کا سیکھنا، سکھانا حرام قرار پائے گا، کیونکہ ان کی اَصل قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے اِن کی تصدیق وتوثیق ہوتی ہے، انہیں تو بعد میں ضرورت کے پیش نظر علماء و مجتہدینِ اسلام نے وضع فرمایا۔ یہ سارے کے سارے علوم وفنون اپنی ہیئت کے اعتبار سے نئے ہیں اور لغتاً یہ بھی بدعت کے زمرے میں آتے ہیں۔

اگر ہر نیا کام بدعت ٹھہرے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی قرار پائے تو اس معنی

کے اعتبار سے مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس بھی گمراہی قرار پائے گی کیونکہ موجودہ ضابطے کے تحت تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی بلکہ قرآنِ حکیم کا موجودہ صورت میں جمع کیا جانا اور اس پر نقطے اور اعراب لگوانا گمراہی کہلائے گا۔ نیز مسجدیں پختہ کرنا، ان میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال، مختلف زبانوں میں خطبات اور مساجد کی تزئین و زیبائش کے جملہ اِنتظامات غرضیکہ زندگی کے رہن سہن کا پورا نظام بیک قلم ناجائز اور حرام ٹھہرے گا۔لہٰذا اس مفہوم کے تحت دینِ اسلام کے بے شمار حقائق اور اس کی متعدد تعلیمات بدعت کے زمرے میں آ کر خارج از دین قرار پائیں گی۔

غلط فہمی کے نتائج

ہر نئی چیز کو بدعت جان کر گمراہی پر محمول کرنا نہ صرف ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے بلکہ علمی وفکری اعتبار سے باعثِ ندامت اور قابل اَفسوس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اگر بدعت کے اس مفہوم کو گمراہی کا معیار قرار دے دیا جائے تو عصرِ حاضر اور اس کے بعد ہونے والی تمام علمی و سائنسی ترقی سے آنکھیں بند کر کے ملت اسلامیہ دوسری تمام غیر دینی، باطل اور طاغوتی اَقوام وملل کے مقابلے میں عاجز،محتاج اور عصری تقاضوں سے نا بلد و نا آشنا ہو کر رہ جائے گی۔ وعدۂ خداوندی کے تحت دینِ اسلام کو تمام اَدیانِ باطلہ پر غالب کرنے اور اِسلامی تہذیب و ثقافت، مذہبی اَقدار اور نظامِ حیات میں برتری اور اِرتقاء کے حصول کی تمام کوششیں غیر موثر ٹھہریں گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس مغالطے کو ذہنوں سے دور کیا جائے اور بدعت کے اصل تصور کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے۔

۲۔ بدعتِ حسنہ کے مقاصد کا حصول ضروری ہے

جس مقصد کے لئے وہ بدعت حسنہ وضع کی گئی ہو اس سے وہ مقصد بجا طور پر پورا ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ بدعت حسنہ کے تصور کا سہارا لے کر کسی کام کا اِجرا تو کر لیا جائے لیکن اس کی اصل روح، افادیت اور مقصدیت باقی نہ رہے بلکہ وہ محض ایک رسم بن

کر رہ جائے جیسا کہ بے عملی کی وجہ سے اکثر ہوجاتا ہے۔ یہ اقدام تو صریحاً نافرمانی قرار پائے گا۔

ایسے نئے اُمور کے جواز اور قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ ''بدعت حسنہ'' یعنی ''مستحسنات'' ہی رہنے چاہئیں۔ ان کو ''ضروریاتِ دین'' نہیں سمجھا جاسکتا۔ بدعت کے جس تصور کی احادیث میں مذمت آئی ہے اس سے مراد قرآن وسنت سے متصادم کسی نئے کام کو دین میں داخل کرنا ہے۔ جس کو ضروریاتِ دین میں شمار کیا جائے یعنی اس کا ترک گویا کسی فرض، واجب یا سنت کا ترک تصور ہونے لگے۔ اس سے اس کو ''بدعت سیئہ'' کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اگر وہ اَمر اِعتقاداً ضروریات دین کا حصہ قرار نہ پائے لیکن عادۃً اور مصلحتاً جتنا بھی ضروری اور معمول بہ تصور ہوتا ہو وہ جب تک شریعت کے ساتھ متصادم و متعارض نہ ہو اسے قطعاً ناجائز تصور نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر بدعت بھی رضائے الٰہی کے نصب العین کے تحت وضع کی جائے تو اسے بھی بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل ہوجاتا ہے۔ یہاں یہ اَمر بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اس طرح اسلام کے اندر شرعی محرمات اور نواہی کے جواز کی قطعاً کوئی صورت پیدا نہیں کی جاسکتی۔

شریعتِ اسلامی اور فلسفۂ حلال وحرام

اِسلام کے دامن میں کوئی تنگی یا محدودیت نہیں بلکہ یہ ایک آسان، واضح اور قابلِ عمل دین ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کوئی شے اُس وقت ناجائز قرار پاتی ہے جب اس کو قرآن وسنت یا اِجماع از روئے شرع ناجائز قرار دیں۔ جس کو قرآن وسنت نے صراحت کے ساتھ ناجائز بیان نہیں کیا اسے اَزروئے شرع ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے کہ شریعتِ اِسلامیہ کا اُصول جائز اور حلال چیزوں کو گنوانا نہیں بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کرنا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا خون، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات و ماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا کر آگاہ کردیا گیا کہ فلاں فلاں اَشیاء تمہارے

لئے حرام ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے وہ سب حلال اور جائز ہے۔

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا۔''

۲۔ مزید ارشاد فرمایا:

وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ۔(۲)

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے''

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالق کائنات، رحمٰن اور رحیم ہے خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انہیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیونکر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ أَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً۔(۳)

''(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔''

اِن آیات کے تحت حلال اور جائز اَشیاء کے عموم کے پیشِ نظر جب ہم حرام

---

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۲۹

(۲) القرآن، الجاثیه، ۴۵: ۱۳

(۳) القرآن، لقمان، ۳۱: ۲۰

اَشیاء پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اُس کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اِعتراف کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ جو اَشیاء بھی اِسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ ربّ العزت نے دیا ہو یا اس کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں اپنے تشریعی و تکوینی(۱) اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو، دونوں اِعتبارات سے وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت کے پیش نظر وارد ہوا مثلاً اِسلامی شریعت کی رو سے حرام کی گئی اشیائے خورد و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر رسانیاں ہیں انہیں جدید سائنسی تحقیقات (Modern Scientific Research) آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آشکار کر رہی ہیں۔

محض ''بدعت'' کہنے سے کوئی چیز غیر مشروع نہیں ہوتی

کسی چیز کو فقط ''بدعت'' کہنے سے وہ ناجائز نہیں ہوجاتی۔ لغوی اِعتبار سے کسی عمل کا بدعت ہونا فقط اتنا ثابت کرے گا کہ اس پر قرآن و حدیث اور عمل صحابہ سے صراحتاً کوئی سند اور دلیل نہیں ہے لہٰذا وہ اِباحت کے زمرے میں آ جائے گا کیونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی کام کو ترک کر دینا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ کسی بھی نئے عمل کی حلت و حرمت کو جاننے کے لئے اُصول یہ ہے کہ اسے دلیلِ شرعی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگر وہ عمل موافقِ دلیل ہو تو ''بدعت حسنہ'' کہلائے گا اور اگر مخالف دلیل ہو تو ''بدعت سیئہ'' اور ''مذمومہ'' کہلائے گا۔

نوٹ: تفصیلات اسی کتاب کے باب نمبر:۸ کی فصل سوم ''اِباحتِ اَصلی اور مفسّرین کا نقطۂ نظر'' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

---

(۱) حضور ﷺ کی تشریعی اِختیارات کے حوالے سے میری کتاب ''الحکم الشرعی'' کے صفحہ ۸۴ تا صفحہ ۱۱۳ پر تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

باب پنجم

بدعت، اَحادیث و آثار کی روشنی میں

فصل اول:

تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

فصل دوم:

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ ﷺ

فصل سوم:

تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

فصل اوّل

تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

- اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِستعمالات
- اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِستعمالات

اَحادیثِ نبوی میں بدعت کا تصور کیا ہے؟ اس موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تصورِ بدعت کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے دو الفاظ اِستعمال فرمائے ہیں۔

۱۔ اِحداث　　　　۲۔ بدعت

سب سے پہلے یہ بنیادی بات ذہن میں رکھ لیں کہ بدعت کا مدار ''إحداث'' پر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردٌّ[1] یعنی وہ اِحداث مردود ہوگا جو اس دین میں اصلاً نہ ہو۔ دوسری حدیثِ مبارکہ میں فرمایا ''کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة[2] یعنی ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم:۲۵۵۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶
۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸
۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴
۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲
۶۔ بیهقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹
۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲
(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم:۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

←

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ لوگ حدیث کا صرف ایک ٹکڑا پکڑ کر ''کل محدثة بدعة'' کی تو رٹ لگاتے رہتے ہیں مگر یہ محدثہ بدعت بنا کیسے؟ وہ ان کے باہمی ربط کو توڑ دیتے ہیں، اِس خلطِ مبحث کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں ''کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة'' یعنی ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالۃ ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صرف وہ بدعت ضلالۃ ہوگی جو ''محدثه'' ہوگی اور ''محدثه'' کے مفہوم کا تعین دوسری حدیث یعنی ''من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردٌّ'' نے کر دیا کہ محدثة فقط وہ ہوگا جو نیا ہونے کے ساتھ ساتھ ما لیس فیه کی شرط پر بھی پورا اُترتا ہو۔ جب إحداث کا مفہوم واضح ہو گیا تو دوسری یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ بدعت کے لئے محدثه ہونا ضروری ہے اور جو بدعت محدثه ہوگی وہی ضلالة ہوگی کیونکہ بدعت کا مدار ہی اِحداث پر ہے۔

یہ تفصیل اس لئے بیان کی گئی ہے کہ اگر اِن اَلفاظ کے معانی کا تعین نہ کیا جائے بلکہ صرف محدثہ اور بدعت کے لفظ کی بنیاد پر بحث و مجادلہ کا بازار گرم کر لیا جائے اور اِن کے ظاہری معانی کی بنیاد پر کفر و شرک کے فتوے صادر کرنا شروع کر دیں تو دین کی تعلیمات اور اَحادیثِ نبوی میں بہت سا خلل واقع ہو جائے گا جو معنوی اِلتباس و اِبہام پر منتج ہو گا۔

اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِستعمالات

ہمارے ہاں لفظِ شِرك کی طرح اِحداث اور بدعت کی دو اِصطلاحات کو بھی ظلم کی حد تک غلط طریقے سے اِستعمال کیا جاتا ہے اور ان کی منفی تعبیرات و تشریحات سے افرادِ اُمت کو ذہنی اِفتراق و اِنتشار میں مبتلا کر دیا جاتا ہے حالانکہ اَحادیثِ رسول اور آثارِ

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

صحابہ کے بغور مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ لفظاً اِن اِصطلاحات میں مطلقاً کوئی خرابی اور قباحت نہیں ہے۔

ذیل میں کتبِ اَحادیث سے چند مثالیں اور واقعات ذکر کئے جاتے ہیں تا کہ نفسِ مسئلہ واضح ہو جائے اور اس بات کا اِدراک کرلیا جائے کہ بذاتِ خود اِن اَلفاظ میں کوئی نقص اور منفی معنی نہیں بلکہ اس کے برعکس محاورۂ عرب میں اِن اَلفاظ کا مثبت استعمال بھی عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیشتر مقامات پر اِن اِصطلاحات کو مثبت معنی میں بھی اِستعمال فرمایا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں بدعت ایسے کام کو بھی کہتے تھے جو اَصلاً جائز اور سنت ہوتا اور وہ ''بدعة ضلالة'' کے دائرے میں نہیں آتا تھا۔

۱۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

دَخَلْتُ أَنَا وَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ رضي الله عنها، وَ إِذَا نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فِي الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى. قَالَ: فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ. ثُمَّ قَالَ لَهُ كَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب العمرة، **باب كم اعتمر النبي ﷺ**، ۲: ۶۳۰، رقم: ۱۶۸۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب بيان **عدد عمر النبي و زمانهن**، ۲: ۹۱۷، رقم: ۱۲۵۵

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۴: ۳۵۸، رقم: ۳۰۷۰

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۲۶۹، رقم: ۳۹۴۵

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۲۸، رقم: ۶۱۲۶

۶۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ۲: ۱۷۲، رقم: ۶۱۶

۷۔ ابن راهويه، المسند، ۳: ۶۱۴، رقم: ۱۱۸۷

۸۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۲۱

''میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے (ابنِ عمرؓ سے) اُن لوگوں کی نماز کے متعلق پوچھا تو فرمایا بدعت ہے۔ پھر اُن سے گزارش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟ فرمایا کہ چار۔''

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اُسلوبِ بیان سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک لفظِ بدعت کا استعمال اُس قبیح اور خراب معنی میں نہیں ہوتا تھا جتنا آج کل بعض خاص پس منظر رکھنے والے لوگوں نے بنا دیا ہے۔ اسی لئے جب آپ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مسجد میں نمازِ چاشت پڑھنے سے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تأمّل کے بے ساختہ فرمایا ''بدعة'' یعنی کوئی بات نہیں یہ بدعت (نیا طریقہ) ہے۔

غور فرمائیں اگر ''کل بدعة ضلالة'' یعنی ہر بدعت علی الاِطلاق ضلالت ہوتی تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اس طریقے سے اِجتماعی نمازِ چاشت کی اَدائیگی کو بند کروا کر فورًا انہیں مسجد سے نکلوا دیتے اور فرماتے کہ تم حرام کر رہے، کیونکہ اِبن عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ان کے سامنے کسی خلافِ شریعت اَمر کا اِرتکاب ہو رہا ہو اور وہ خاموش رہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہ یہ ''بدعت'' ہے پریشان نہیں ہوئے بلکہ خاموش رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک محض کسی طریقے کا بدعت یعنی ''نیا ہونا'' اس کے مردود اور ناجائز ہونے کو مستلزم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی بحث اور توقّف کے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دوسرا سوال کیا کہ **كَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ اَرْبَعٌ** کہ حضور ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟ فرمایا کہ چار۔ پوری حدیث کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہے کہ نمازِ چاشت کو ''بدعة'' کہتے ہوئے نہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ضلالت و گمراہی کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی سوال کرنے والوں نے اسے بدعت کہنے پر کوئی اعتراض کیا کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے ہاں کسی بھی

’’نئے کام‘‘ کے لئے لفظِ بدعت کا استعمال معمول کی بات تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ چاشت کو بدعت کیوں کہا حالانکہ یہ تو مسنون ہے۔ کتبِ احادیث میں اس نماز کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دو بار گھر سے باہر آ کر مسجد میں نمازِ چاشت ادا فرمائی۔ پھر اس خیال سے کہ مجھے مسلسل نمازِ چاشت پڑھتا دیکھ کر لوگ اسے واجب ہی نہ سمجھنے لگیں، مسجد میں پڑھنا ترک کر دی اور باقی ساری عمر یہ نماز گھر میں ہی ادا فرماتے رہے۔ چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نماز مسجد میں پڑھتے رہنے کا معمول نہ تھا اور اب صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کثرت کے ساتھ جمع ہو کر مسجد میں پڑھنے لگے تھے، لہٰذا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح مسجد میں جمع ہو کر نمازِ چاشت پڑھنے کو بدعت کہا **اور اگر یہ ’’بدعتِ ضلالۃ‘‘ ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کا نوٹس لے کر انہیں منع کر دیتے کیونکہ اُس وقت پابندی شریعت میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا تھا۔ نہ آپ رضی اللہ عنہ نے منع کیا نہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے گمراہی سمجھا، نہ ہی نماز پڑھنے والے صحابہ و تابعین نے اسے بُرا جانا اور نہ ہی اِمام بخاریؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس پر کوئی فتویٰ صادر کیا۔**

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ بدعت اَیسے کام کو بھی کہتے ہیں جو اَصلاً جائز اور مشروع ہوتا ہے، لہٰذا محض بدعت کہنے سے وہ کام ’’کل بدعة ضلالة‘‘ [1] کے زمرے

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

میں نہیں آتا کیونکہ اگر بغیر کسی امتیاز اور تعین کے ہر بدعت کو ضلالت کہنا شروع کر دیں تو پھر معاذ اللہ اس حدیث میں مذکور کثیر صحابہؓ کے عمل کو کیا کہیں گے؟ یہاں تو بدعة کے ساتھ لفظ نِعْمَ بھی نہیں آیا۔ صرف بدعة کہا گیا ہے۔ یہاں سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی بھی نئے کام کے لئے بغیر تکلّف کے لفظِ بدعت استعمال کر لیتے تھے اور کسی کام کو بدعت کہنے سے نہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے اور نہ ہی کفر و ضلالت کے فتوے صادر کرنے کا معمول تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے ہاں لفظ بدعت اُس معنی میں استعمال ہی نہیں ہوتا تھا جس معنٰی میں آج بعض لوگ زبردستی استعمال کرتے ہیں، کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو ابن عمرؓ کے اس قول پر کہ مسجد میں نمازِ چاشت کی اَدائیگی بدعت ہے، فوراً دوسرے صحابہ و تابعین حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے کہ کل بدعة ضلالة، لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ ان صحابہ کو شریعت کا صحیح فہم اور معرفت تھی وہ عرفِ عام میں ہر بدعت کو ضلالت نہیں کہتے تھے بلکہ صرف اس بدعت کو ''ضلالة'' کہتے تھے جو کتاب و سنت سے متعارض و متخالف ہو۔

۲۔ اِسی روایت کو اِمام اِبن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے حضرت اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ صَلَاةِ الضُّحَی وَ هُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَی حُجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ وَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ۔(۱)

''میں نے ابن عمر رضی اللہ عنھما سے نماز چاشت کے متعلق سوال کیا جب وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ مبارک کے ساتھ پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے تو انہوں نے فرمایا: بدعت ہے اور بہت اچھی بدعت ہے۔''

۳۔ اسی طرح اِمام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اپنی صحیح میں ''کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان'' میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۲:۱۷۲
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳:۵۲، رقم: ۱۱۲۱

ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَ يُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلاَتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ ﷺ: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلَى قَارِیءٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلاَةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ، وَالَّتِي يَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُوْمُوْنَ، يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهُ۔(۱)

''میں حضرت عمر ﷺ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے۔ ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کردیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب ﷺ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا: **یہ کتنی اچھی بدعت ہے** اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں، مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔''

---

(۱) ۱۔بخاری، الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم:۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۴:۲۵۸، رقم:۷۷۲۳
۴۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۶۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

حضور ﷺ نے اس خوف سے کہ لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں نمازِ تراویح اور نمازِ چاشت چند دفعہ صحابہ کے ساتھ باہر پڑھنے کے بعد پھر گھر میں پڑھنا شروع کر دی تا کہ کمزور اور بوڑھے لوگ مشقت میں نہ پڑ جائیں۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) فرماتی ہیں بہت سے ایسے اُمور تھے جنہیں حضور ﷺ کرنا چاہتے تھے اور آپ ﷺ انہیں پسند بھی فرماتے تھے مگر نہیں کرتے تھے کہ کہیں مسلسل کرنے کی وجہ سے یہ لوگوں پر فرض نہ ہو جائیں یا کہیں لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں اور بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں نہ پڑ جائیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ان کان رسول الله ﷺ ليدع العمل وهو يحب ان يعمل به خشية ان يعمل به الناس فيفرض عليهم وما سبّح رسول الله ﷺ سبحة الضحى قط و انى لاسبحها۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ابواب التقصير الصلوة، باب تحريض النبی ﷺ على صلوة الليل، ۱:۳۷۹، رقم: ۱۰۷۶
۲۔ مسلم، الصحیح، كتاب صلاة المسا فرين، باب استحباب صلاة الضحیٰ، ۱:۴۹۷، رقم:۷۱۸
۳۔ ابوداؤد، السنن، كتاب التطوع، باب صلاة الضحیٰ، ۲:۲۸، رقم:۱۲۹۳
۴۔ ما لك، الموطأ، كتاب قصر الصلاة فی السفر، باب صلاة الضحیٰ، ۱:۱۵۲، رقم:۳۵۷
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۷۸، رقم:۲۵۴۹۰
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۲:۱۲، رقم:۳۱۳
۷۔ ربیع، المسند، ۱:۸۶، رقم:۱۹۶
۸۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱:۱۸۰، رقم:۴۸۰
۹۔ ابو عوانہ، المسند، ۲:۲۶۷
۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۳:۵۰، رقم: ۴۶۹۲

’’رسول اللہ ﷺ (بعض اَوقات) کسی عمل کو اس ڈر سے ترک کر دیتے کہ لوگ اس کام کو کریں گے تو ان پر فرض کر دیا جائے گا حالانکہ اس کا کرنا آپ ﷺ کو محبوب ہوتا ، اور رسول اللہ ﷺ نے نمازِ چاشت بالکل نہیں پڑھی (یعنی پابندی سے) لیکن میں اسے پڑھتی ہوں۔‘‘

حضور ﷺ نے چونکہ وقتی مصلحت کے پیشِ نظر اپنی حیاتِ طیّبہ میں مسجد میں با جماعت نمازِ تراویح سے منع فرما دیا تھا لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈھائی سالہ دورِ خلافت میں لوگ نمازِ تراویح الگ الگ پڑھتے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کے اِبتدائی سالوں میں بھی اِنفرادی طور پر ادا کرتے رہے بعداَزاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک اِمام کے پیچھے اکٹھا کر دیا اور جب انہیں مسجد میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا! یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر لفظِ بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی اور اس کا معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تراویح جیسی عبادت کے لئے کبھی ایسا لفظ استعمال نہ کرتے۔ ویسے بھی وہ اہلِ زبان تھے، اگر ایسی بات ہوتی تو وہ بدعت کی جگہ کوئی دوسرا متبادل لفظ استعمال کرتے، مگر ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے لفظِ بدعت ہی استعمال کیا، اس کے استعمال کا ایک مقصد تھا ،وہ مقصد یہ تھا کہ اگرچہ ہر نیا کام اپنے ’’نئے پن‘‘ کی وجہ سے بدعت ہوتا ہے مگر حضور ﷺ کے فرمان **’’فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ‘‘**(۱) کی وجہ سے ہر وہ نیا کام جسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے شروع کیا

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

←

ہو، وہ سنتِ خلفاءِ راشدین ہونے کی وجہ سے بدعتِ حسنہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ایک اِمام کی اِقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح کا آغاز کیا تو اسے ”**نعمت البدعة هذه**“ فرمایا۔

اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِستعمالات

لفظِ بدعت کی طرح لفظِ اِحداث کو بھی اس کے غلط اِستعمال کی وجہ سے بعض لوگوں نے اِسے ضلالت وگمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے حالانکہ اِحداثِ حسن کو بدعت وگمراہی قرار دینا بذاتِ خود جہالت وگمراہی ہے۔ ذیل میں اِحداث اور محدثہ کے حوالے سے چند اَحادیث پیش کی جاتی ہیں جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاتکلّف یہ لفظ اَعمالِ حسنہ کے لیے بھی استعمال کرتے تھے چنانچہ ”**کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة**“ کے مفہوم میں منشاء رسول کو سمجھے بغیر ہر نئے کام کو بغیر اس کے حُسن و قُبح کے گمراہی قرار دینا دین کیساتھ زیادتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اِس لفظ میں معاذ اللہ اتنی ہی خرابی اور نقص ہوتا تو کبھی بھی اس کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ کی جاتی۔ اِمام مسلم (۲۶۱ھ) اپنی صحیح میں **کتاب الصلاة، باب ما يقال فی الرکوع و السجود** میں نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ، قَبْلَ أَنْ يَمُوْتَ: سُبْحَانَکَ وَ بِحَمْدِکَ، أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْکَ. قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا هَذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟ قَالَ: جُعِلَتْ

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵
۶۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴
۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵
۸۔ بيهقی، شعب الايمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶
۹۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا. إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ[1] إِلَى آخِرِ السُّوْرَةِ۔(۲)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ وصال سے پہلے بکثرت یہ کلمات فرماتے تھے۔ (سُبْحَانَکَ اللَّهُمَ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبَ إِلَيْکَ)، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں فرمانے شروع کر دیئے جنھیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کی ایک علامت مقرر کر رکھی ہے جب میں اُمت میں اس علامت کو دیکھتا ہوں تو سورہ (اذا جاء نصر اللہ و الفتح) پڑھتا ہوں (اس سورت میں جو حکم ہے اس پر عمل کرتا ہوں)۔''

مذکورہ حدیث کے تناظر میں لفظِ ''احداث'' پر تبصرہ سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اَقدس سے نکلا ہوا ہر لفظ حق ہے(۳)۔ آپ جب چاہیں جس وقت چاہیں اور جو چاہیں فرما دیں اور جو فرما دیں وہی سنت بن جاتا ہے۔ وہی ''فی أمرنا هذا''(۴) بن جاتا ہے، وہی دین بن جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ سب

(۱) القرآن، النصر، ۱۱۰: ۱۱۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب: الصلاة، باب: ما يقال فى الركوع و السجود، ۱: ۳۵۱، رقم: ۴۸۴

۲۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۶: ۴۲، رقم: ۲۹۳۳۲

۳۔ ابو نعيم، المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم، ۲: ۹۸، رقم: ۱۰۷۶

۴۔ طبری، جامع البيان عن تأويل أي القرآن، ۳۰:۳۳۴

(۳) احمد بن حنبل، المسند، ۲:۱۶۲، رقم: ۶۵۱۱

حاكم، المستدرك، ۱:۱۸۷، رقم: ۳۵۹

(۴) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۲: ۹۵۹، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور، رقم: ۲۵۵۰

←

کچھ جاننے کے باوجود بے ساختہ آپ ﷺ کے ان نئے کلمات کے بارے میں فرماتی ہیں۔ **مَا هَذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟** 'یا رسول اللہ ﷺ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں پڑھنے شروع کر دیئے جنہیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہوں؟''

اس حدیث میں لفظِ ''احداث'' کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کلمات چاہے سنت ہی کیوں نہ ہوں اور آپ ﷺ کے فرمودہ ہی کیوں نہ ہوں اُن کی طرف بھی اِحداث کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح پچھلی حدیث میں نمازِ چاشت مسجد میں پڑھنے پر لفظِ بدعت اِستعمال ہوا تھا۔ اس سے یہ اَمر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر نئے کام کو ''**کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة**''(۱) کا وہ مفہوم نہیں لیتے تھے جو آج بعض کم فہم لوگ لیتے ہیں۔ ایسی کسی بھی حدیث پر کوئی بھی حکم لگانے سے قبل اس حدیث کا سیاق و سباق دیکھا جائے، اس کے مرادی معنی،

.... ۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

مضمون اور شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھا جائے اور اِس اَمر پر غور وخوض کیا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کس تناظر میں کیا واقعہ اور مضمون بیان فرما رہے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے فرمان کا منشاء ومقصود کیا ہے؟ لہٰذا جب تک پورے مضمون کو من کل الوجوہ سامنے نہ رکھا جائے اور محض سرسری طور پر اَلفاظ کو پکڑ کر حکم لگا دیا جائے تو گمراہی پیدا ہو گی اور مفہوم کچھ کا کچھ بن جائے گا۔

اگر لفظِ احداث اور بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها یہ لفظ حضور ﷺ کے لئے استعمال نہ فرماتیں۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کا لفظِ احداث حضور ﷺ کے لئے استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بذاتِ خود اس لفظ کے معنی ومفہوم میں کوئی خرابی نہیں بلکہ خرابی اُن لوگوں کے فہمِ اِسلام میں ہے جنہوں نے زبردستی ان الفاظ کو ضلالت وگمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے۔ اگر لفظِ احداث اور بدعت عربی محاورہ میں اَچھے معنوں میں اِستعمال نہ ہوتے تو کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے لئے یہ اَلفاظ استعمال نہ کرتے بلکہ اِرشادِ باری تعالیٰ ''لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوْا انْظُرْنَا''(۱) کی تعمیل میں دوسرے متبادل اَلفاظ استعمال کرتے تاکہ بے اَدبی اور گستاخی کا شائبہ نہ رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظِ اِحداث کتاب وسنت یا عربی اَدب میں ہر جگہ منفی یا ممنوعہ معنوں میں اِستعمال نہیں ہوتا بلکہ وہ مباح ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا معنی بُرا کب ہوتا ہے اور اچھا کب؟ **امام بدر الدین عینیؒ** (۸۵۵ھ) اس اُصول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان كانت مما يندرج تحت مستحسن فى الشرع فهى بدعة حسنة و ان كانت مما يندرج تحت مستقبح فى الشرع فهى بدعة مستقبحة۔(۲)

''اگر یہ بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو ''**بدعت حسنہ**'' ہے اور اگر یہ شریعت کے **مستقبحات** کے تحت آ جائے تو یہ ''**بدعت**

(۱) القرآن، البقرة، ۲:۱۰۴

(۲) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱:۱۲۶

مستقبحة'' ہے۔

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها کا نئے کلمات سن کر حضور ﷺ کوعرض کرنا کہ يَا رَسُوْلَ اللهِ، ما هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ کا اس اِحداث کو اِحداثِ حسن یا محدثہ حسنہ قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمانا جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک اچھے اور نئے کام کو شروع کرنا یا اچھی بات اور نئے کلمات کا اجراء کرنا اِحداثِ حسن ہے اور یہ حضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے لہٰذا کوئی نئی ہیئت کی چیز ،نیا کام یا نیکی اور خیر پر مبنی نیک کام کو شروع کرنا اور رواج دینا سب حضور ﷺ کی سنت ہیں۔ احادیثِ نبوی ''ما احدث فی امرنا هذا'' اور ''کل محدثه بدعة'' اور اس مفہوم کی دیگر احادیث سے غلط استدلال کرتے ہوئے ہر اِحداث کو ضلالت و گمراہی قرار دینا بذات خود جہالت اور منشاءِ رسول کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے، کیونکہ بدعتِ حسنہ کے اجراء کی اصل خود حضور ﷺ کی سنت ہے، لہٰذا جو عمل سنتِ رسول ﷺ پر قائم ہو وہ ایک ہو یا ایک ہزار ہوں، وہ سب حسنہ ہوں گے۔ انہیں محض اپنے استدلالِ باطل کی بنا پر بدعتِ سیئہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں جس میں کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی نسبت لفظِ اِحداث اِستعمال کیا اور حضور ﷺ نے اپنے اِس نئے عمل کو محدثۂ حسنہ قرار دیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظِ اِحداث کو ضلالت وگمراہی کے مترادف اِستعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اِمام نسائیؒ (۳۰۳ھ) السُّنن الکبریٰ میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا اجْتَمَعَ إِلَيْهِ أَصْحَابُهُ فَأَرَادَ أَنْ يَّنْهَضَ قَالَ: سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْکَ عَمِلْتُ سُوْءً اَوظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِی فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ. فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ هَذِهِ كَلِمَاتٌ أَحْدَثْتَهُنَّ قَالَ:

أَجَلْ جَاءَنِي جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لِي: يَا مُحَمَّدُ هُنَّ كَفَّارَةُ الْمَجَالِسِ۔(۱)

''صحابہ کرام جب حضور نبی اکرم ﷺ کے گرد جمع ہوتے اور آپ ﷺ (مجلس ختم ہونے کے بعد) اُٹھنے لگتے تو فرماتے: ''اے اللہ! تیرے لئے ہی پاکی ہے اور تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں، برا کیا ہو یا اپنے اوپر ظلم کیا ہو۔ پس تو مجھے بخش دے۔ یقیناً تیرے سوا کوئی بھی گناہ معاف نہیں کرسکتا'' تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے یہ نئے کلمات پڑھے۔ فرمایا: ہاں! ابھی میرے پاس جبرائیل آئے تھے اور مجھ سے عرض کیا: اے محمد (ﷺ) یہ اَلفاظ مجالس کا کفارہ ہیں۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ لفظِ اِحداث میں مطلقاً کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے۔ اسے ضلالت و گمراہی کی طرف منسوب کرنا عملِ صحابہ اور سنتِ صحابہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس کے مفہوم میں کوئی برائی اور خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ لفظ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے استعمال نہ کرتے۔

۲۔ نئے کلمات اور نیک اَعمال کا اِجراء اس نیت کے ساتھ کہ یہ حضور ﷺ کی سنت ہے، جائز ہے۔ اسی کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بلا تکلف اَعمالِ حسنہ اور افعالِ خیر کے لئے لفظِ اِحداث اور لفظِ بدعت استعمال کرنا اور پھر اِن الفاظ کی حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ہر اِحداث اور بدعت موجبِ ضلالت و گمراہی نہیں۔

---

(۱) ۱۔نسائی، السنن الکبری، ۶: ۱۱۳، رقم: ۱۰۲۰
۲۔حاکم، المستدرک، ۱: ۷۲۱، رقم: ۱۹۷۲
۳۔منذری، الترغیب و الترهیب، ۲: ۲۶۴، رقم: ۲۳۳۹
۴۔نسائی، عمل الیوم و اللیلة، ۱: ۳۲۰، رقم: ۴۲۷

فصل دوم :

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتدا

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

۴۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی

۵۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم

۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

۱۰۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

۱۳۔ مجرم کے لے شہر بدری کے حکم کو منسوخ کرنا

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

گزشتہ اَبواب میں بدعت کے اِطلاق اور اس کے مفہوم کے بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا گا کہ لُغوی اِعتبار سے ہر نئی چیز کو **بدعت** کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں بھی موجود تھا یا نہیں؟ اس کی وضاحت کے لئے اِختصار کے پیشِ نظر ہم خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے سے بیان کریں گے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت کے لئے ان کا عمل ہی سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے۔

۱۔ جمع قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

امام شاطبیؒ (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''**الاعتصام**'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انّ أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إتفقوا علی جمع المصحف ولیس ثَمَّ نص علی جمعه و کتبه۔(۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نیا کام دینی مصالح اور خیر پر مبنی ہو تو اس کو اِختیار کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور اسے محض نیا ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ جمعِ قرآن کی تفصیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب سیدنا صدیق

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

اکبر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں تقریباً سات سو (۷۰۰) حفاظِ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلۂ جہاد و قتال اسی طرح جاری رہا اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ ہے شہید ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ آگے چل کر حفاظتِ قرآن میں خاصی دشواری پیش آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: **یا خلیفة الرسول** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم جنگوں میں شہید ہوتے جا رہے ہیں، کہیں حفاظتِ قرآن مسلمانوں کے لئے ایک مسئلہ نہ بن جائے۔ اس لئے میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے، اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہوسکے گا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں لہٰذا انہوں نے فرمایا:

كيف أَفعل شيئا؟ مالم يفعله رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔(۱)

''میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اس حکمت و مصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی لہٰذا انہوں نے جواب دیا اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن ''هو و الله خير'' اللہ کی قسم، یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہئے۔

اس بحث و تمحیص کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ تیری قبر کو روشن کرے، تو نے اپنی گفتگو سے میرے سینے کو روشن کر دیا۔ اس حدیث کے راوی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ نوجوان اور سمجھدار شخص ہیں۔ علاوہ ازیں آپ چونکہ کاتب وحی رہے ہیں ان تمام وجوہات کی بناء پر ہم آپ رضی اللہ عنہ کو ہی اس کام پر مامور کرتے ہیں لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اُبھرے تھے، لہٰذا کہنے لگے:

فواللہ لو کلفنی نقل جبل من الجبال ما کان أثقل عليّ مما أمرنی به من جمع القرآن، قلت: کیف تفعلان شیئا؟ لم یفعله النبی ﷺ فقال: أبوبکر هو واللہ خیر۔(۱)

''اللہ کی قسم (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ نقل کرنے کی تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا (زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابوبکر

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۹، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، رقم: ۶۷۶۸

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۹۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

صدیق رضی اللہ عنہ سے) عرض کیا آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔''

اس گفتگو کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور وہ اس کام کے لئے تیار ہوگئے۔ انہوں نے کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح تیار کئے گئے قرآن حکیم کے چند نسخے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد اُم المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہوگئے تھے۔ بعد اَزاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ نسخے منگوا کر قرآن حکیم کو دوبارہ موجودہ ترتیب میں یکجا کر دیا۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں اَہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے بدعت (نیا کام) ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ''**ھو واللہ خیر**'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر وہ کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلاشک و شبہ مباح، جائز اور مشروع ہے اور ایسے اُمور کا بجا لانا سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہے۔

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا

جمع و تدوینِ قرآن کی طرح باجماعت نمازِ تراویح کا یہ عمل بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تعمیل میں باقاعدہ وجود پذیر ہوا۔ لفظِ بدعت کے مثبت اِستعمال کی اِس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح جیسی مقدس عبادت کو **نعم البدعة** کہا ہے۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نماز تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اِنفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت میں بھی صحابہ کرام کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نماز تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إنى أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتى ينامون عنها أفضل من التى يقومون يريد آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔(۱)

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۲: ۷۰۷، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم:۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بيهقى، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **یہ کتنی اچھی بدعت ہے** اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔''

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ''**نعم البدعة هذه**''فرما کر بدعت کی تقسیم فرمادی اور یہ ثابت کردیا کہ ہر بدعت، بدعت سیئہ نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات حسنہ بھی ہوتی ہیں وگرنہ آج تک امت مسلمہ کے جو افراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نماز تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے یہ محض قیاسی تقسیم نہیں بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر قائم ہے۔ **علامہ ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ومن هذا النوع قول عمر رضی اللہ عنہ: نِعمت البدعة هذه[1] لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة فی حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم يسُنَّها لهم، و إنما صلّاها ليالی ثم تركها ولم

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

يحافظ عليها، ولا جمع الناس لها، ولا كانت فی زمن أبی بكر، وإنما عمر رضی الله عنه جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقيقة سنَّة، لقوله صلی الله عليه وآله وسلم عليكم بسنَّتی و سنَّة الخلفاء الراشدين من بعدی(۱) وقوله اقتدوا بالذين من بعدی أبی بكر و عمر(۲) و علی هذا التأويل يحمل الحديث الآخر (كل محدثة بدعة(۳) إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق السُّنَّة۔(۴)

---

(۱) ا۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۳۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۶۷۲، رقم:۳۸۰۵

(۳) ا۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۴) ابن أثير جزری، النهاية، فی غريب الحديث والأثر ۱ : ۱۰۶

''اور اِسی قسم (یعنی بدعتِ حسنہ) میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''نعمت البدعة هذه'' ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے (لُغوی اعتبار سے) بدعت کہا جائے گا اور اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (با جماعت پڑھنا) ترک کردیا اور (بعد میں) اس پر محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا۔ اس کے بعد نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (اپنے دور میں) لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ''عليكم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی'' اور اس فرمان ''اقتدوا بالّذين من بعدی من أصحابی أبی بکر و عمر'' کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''کل محدثة بدعة'' کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

امام قرطبیؒ (٦٦٨ھ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے باجماعت نمازِ تراویح شروع کروانے کے اس نئے عمل کو بدعتِ محمودہ اور بدعتِ ممدوحہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و يَعُضُدُ هذا قول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هذه؛ لما كانت من أفعال الخير و داخلة فی حيز المدح، وهی وإن كان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد صلاها إلا أنه تركها ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس عليها؛ فمحافظة عمر رضی اللہ عنہ، عليها وجمع الناس لها، وندبهم إليها، بدعة لكنها بدعة محمودة ممدوحة. وإن كانت فی خلاف ما أمر الله به ورسوله فهی فی حيّز الذم والإنكار؛ قال معناه الخطابی و غيره قلت: وهو معنى قوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی خطبته: ''وشَرُّ الأمور محدثاتها

وكل بدعة ضلالة‘‘[1] يريد مالم يوافق كتابا أو سنة، أو عمل الصحابة رضی اللہ عنہم، وقد بين هذا بقوله: ’’مَنْ سَنّ فِی الإسلام سُنَّةً حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شیء ومَن سنّ فی الإسلام سُنَّةً سيئة كان عليه وزرُها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شیء‘‘.[2] وهذا إشارة إلى ما ابتدع من قبيح و حسن۔(۳)

’’اور یہ (باجماعت نمازِ تراویح کا) عمل حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے قول ’’نعمت البدعة هذه‘‘ کوتقویت دیتا ہے جو کہ اچھے کاموں میں سے تھا۔ وہ (اَعمال) محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، پس (بعد میں

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ۱:۱۸، رقم: ۴۶
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱:۱۸۶، رقم: ۱۰
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۹:۹۶، رقم: ۸۵۱۸
۴۔ ابويعلى، المسند، ۴:۸۵، رقم: ۲۱۱۱
۵۔ ديلمی، المسند الفردوس، ۱:۳۸۰، رقم: ۱۵۲۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، ۱ : ۷۴، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

(۳) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۲ : ۸۷

مصلحتِ وقت کے تحت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نمازِ تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اورانہوں نے لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعتِ محمودہ اور ممدوحہ ہے اور اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف ہوتو وہ مقام ذم میں ہوگی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو اِمام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا علیہ السلام کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وشر الامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة'' اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب و سنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ''جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتداء کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہوگا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی'' اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔''

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

نماز جمعہ سے پہلے مساجد میں دوسری اَذان جو خطبہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے یہ عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں شروع کی گئی امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

أن التأذين الثانی يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

←

’’جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔‘‘

امام ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

قال الأذان الاول یوم الجمعة بدعة ۔(۱)

’’ابن عمر نے کہا کہ جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے‘‘

علامہ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیحتمل ان یکون قال ذلک علی سبیل الانکار، و یحتمل انه یرید انه لم یکن فی زمن النبی ﷺ و کل ما لم یکن فی زمنه یسمی بدعة، لکن منها ما یکون حسنا و منها ما یکون بخلاف ذلک و تبین بما مضی ان عثمان أحدثه لاعلام الناس بدخول وقت الصلاة قیاسا علی بقیة الصلوات فالحق الجمعة بها و أبقی خصوصیتها بالاذان بین یدی الخطیب، و فیه استنباط معنی من الاصل لا یبطله۔(۲)

’’ایک احتمال یہ ہے کہ یہ فرمان علی سبیل انکار ہو اور ایک احتمال یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ عمل عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہیں تھا اور ہر وہ عمل جو دورِ

..........۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷

۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

نبوی میں نہ ہو اسے بدعت کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اَعمال میں سے کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ اِس کے برخلاف۔ سابقہ بحث میں وضاحت ہوچکی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے (دوسری اَذان کا) یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعۃ کو اِس (اَذان) سے مختص کردیا او اِس اَذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ عمل معناً اَصل ہے اِس کا اِبطال نہیں کیا جائے گا۔''

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة[۱] ولعله أراد ما أراد أبوه فی قيام شهر رمضان۔(۲)

''اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی''

۴۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی

اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے، سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷

۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

(۲) ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

والسّارق والسّارقة فاقطعوا أيديهما۔(۱)

''اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی جب معاملہ خلیفہء وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ **امام ابن أبی شیبہ** (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ان رجلا سرق من بيت المال فكتب فيه سعد الى عمر فكتب عمر إلى سعد ليس عليه قطع له فيه نصيب۔(۲)

''ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔''

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) مؤطا میں کتاب الحدود، باب ما لا قطع فيه کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعْ يَدَ غُلامِي هٰذا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْأَةً لِاِمْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔(۳)

---

(۱) المائده،۵:۳۸

(۲) ابن ابی شیبه، المصنف، ۱۵:۵۱۸، رقم: ۲۸۵۶۳

(۳) مالك، المؤطا، كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ۲:۸۳۹، رقم:۱۵۲۸

''میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔''

۵۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم

اگرچہ اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر سیاستِ شرعیہ کے تحت بھوک کی وجہ سے چوری کرنے والے غلام کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے اس کے مالک کو دوگنی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اُونٹنی چرالی۔ ان غلاموں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے چوری کا اقرار کرلیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ ان غلاموں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کثیر جب حکم کی تعمیل کے لیے غلاموں کے پاس گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کو واپس بلا لیا اور فرمایا:

لو لا إنی أظن أنکم تجیعونهم حتی ان احدهم أتی ما حرم الله عزوجل لقطعت ایدیهم۔(۱)

''اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ غلاموں (سے خوب کام لیتے ہو اور ان) کو بھوکا رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر کوئی مجبور ہوکر حرام چیز کھالے تو وہ حلال ہوجائے تو میں یقیناً ان کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزنی سے فرمایا کہ اونٹنی کی کیا قیمت ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا چار سو درہم، پھر آپ نے غلاموں کے آقا حاطب کو آٹھ سو درہم ادا

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۸:۲۷۸

کرنے کا حکم دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ لوگ بھوک سے دوچار ہوں، اور کوئی شخص مجبور ہوکر چوری کرے تو کیا اس وقت بھی آپ قطع ید کا حکم دیں گے؟ جواب میں فرمایا:

لا أقطعه اذا حملته الحاجة والناس فی شدة و مجاعة۔(۱)

''جب اس کو حاجت مجبور کرے اور لوگ بھوک و سختی کے دور سے گزر رہے ہوں تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانۂ قحط میں بھی ہاتھ کاٹنے سے منع فرما دیا۔ آپ نے فرمایا:

لا قطع فی عام سنة۔(۲)

''زمانۂ قحط میں قطع ید نہیں ہو گا۔''

۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

حضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں خواتین بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ مردوں کے پیچھے کھڑی ہوکر باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كُنَّ نِسَآءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ، مُتَلَفِّعَاتٍ بِمَرُوْطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ۔(۳)

---

(۱) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ۹:۱۱۸

(۲) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ۹:۱۱۸

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب مواقیت الصلاة، باب وقت الفجر، ۱:۲۱۰، رقم:۵۵۳

←

’’ہم مسلمانوں کی عورتیں حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازِ فجر میں شامل ہونے کی خاطر چادروں میں لپٹی ہوئی حاضر ہوا کرتی تھیں جب نماز سے فارغ ہو جاتیں تو اپنے گھروں کو واپس آ جاتیں اور اندھیرے کے باعث کوئی بھی انھیں پہچان نہیں سکتا تھا۔‘‘

اِمتدادِ زمانہ کی وجہ سے جب حالات بدل گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کے مشورہ سے عورتوں کا مردوں کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا بند کر دیا۔

۷۔ مانعین زکوٰۃ سے قتال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت ایسے لوگوں سے قتال کا حکم دیا جو مرکز کو زکوٰۃ ادا کرنے سے اِنکاری تھے اگرچہ اِبتداءً حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں خلیفۂ وقت سے اِختلاف کیا لیکن جب انہیں بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے کہا کہ حق وہی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ **صحیح بخاری** میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے:

..........۲۔ مسلم، الصحیح، ۱:۴۴۵، رقم:۶۴۵

۳۔ ابو داود، السنن، ۱:۱۱۵، رقم:۴۲۳

۴۔ نسائی، السنن، ۱:۲۷۱

۵۔ مالک، الموطا، ۱:۵، رقم:۴

۶۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۱:۱۸۰، رقم:۳۴۹، رقم:۵۴۵

۷۔ دارمی، السنن، ۱:۳۰۰، رقم:۱۲۱۶

۸۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱:۴۵۳، رقم:۱۹۷۲

۹۔ احمد، المسند، ۶:۳۳، رقم:۲۴۰۹۷

۱۰۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱:۵۷۳، رقم:۲۱۱۸

لما توفى رسول الله ﷺ وكان أبوبكرؓ وكفر من كفر من العرب، فقال عمرؓ: كيف تقاتل الناس؟ و قد قال رسول الله ﷺ: ''أُمرت أن أُقاتل الناس حتى يقولوا: لا اله الا الله، فمن قالها فقد عصم منى ماله و نفسه إلا بحقه، و حسابه على الله'' فقال والله لَأُ قاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة، فان الزكوة حق المال، والله لو منعونى عناقا كانوا يؤدونها الى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها. قال عمرؓ: فوالله ما هو الا ان قد شرح الله صدر أبى بكرؓ: فعرفت انه الحق۔(۱)

''جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے تو عرب میں بعض قبائل مرتد ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ان لوگوں

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، ۲:۵۰۷، رقم:۱۳۳۵

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶،۲۶۵۷، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول الله، رقم: ۶۸۵۵

۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۵۱، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله إلا الله، رقم: ۲۰

۴۔ ترمذی ،الجامع الصحیح، ۵: ۳، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، رقم: ۲۶۰۷

۵۔ ابوداؤد، السنن،۲:۹۳، کتاب الزکاۃ،باب وجوبھا، رقم: ۱۵۵۶

۶۔ نسائی، السنن، ۵: ۱۴، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، رقم: ۲۴۴۳

۷۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۲۸۰، رقم: ۳۴۳۲، ۳۴۳۵

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۷، رقم: ۳۳۵

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۵۰، رقم: ۲۱۷

۱۰۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۴۴، رقم:۶۹۱۶

سے کیسے لڑیں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کہیں ''نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جس نے یہ کہہ لیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچالی مگر حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ لے گا۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ان سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ مالی حق ہے۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس روکنے پر ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا اور انہوں نے جان لیا کہ حق یہی ہے۔''

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) بیان کرتے ہیں کہ اِبتدائی طور پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر حیرت ہوئی اور اِسے اُنہوں نے اَمرِ رسول کے خلاف سمجھتے ہوئے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

يا خليفة رسول الله تألّف النّاس وارفُق بهم فإنّهم بمنزلة الوحش

''اے خلیفۂ رسول ﷺ تالیفِ قلب کے لیے لوگوں پر نرمی فرمایئے کیونکہ یہ جانوروں کی مانند ہیں۔''

یہ سن کر خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

والله لأجاهدنّهم ما استمسک السيف فی يدی، و إن منعونی عِقَالاً۔(۱)

''جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے بخدا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کروں گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ کی پوری رقم ادا کر دیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکمت و دانش دیکھ کر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے

(۱) هيثمی، مجمع الزوائد، ۶:۲۲۰

کہا:

فوجدته فی ذلک أمضی منی و أحزم و آدب النّاس علی أمور (۱)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میں نے اس معاملہ میں اپنے سے بھی زیادہ مستعد تیار اور اَحکام جاری کرنے والا پایا ہے''۔

۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا

کسی فعلِ شنیع کو ختم کرنے اور اس کے اَثراتِ بد سے سماج کو بچانے کے لئے تعزیراً سخت سے سخت سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لواطت کے ایک عادی مجرم کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ **علامہ ابن حزم ظاہری** (۴۵۶ھ) اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کے بارے میں لکھ کر بھیجا کہ

أنّه وجد فی بعض سواحل البحر رجلاً ینکح کما تنکح المرء ة.

''ساحلِ سمندر کے ایک علاقے میں ایک ایسا شخص ہے جس سے عورت جیسا فعل کیا جاتا ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے بعد انہوں نے یہ جواب دیا:

أن أحرقه بالنّار۔ (۲)

''اس کو آگ سے جلا دیا جائے۔''

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حالات و زمانہ کے بدلنے اور گردشِ زمانہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان بدلے ہوئے حالات میں اگر منصوص اَحکام

---

(۱) سیوطی، تاریخ الخلفاء : ۷۲

(۲) ۱۔ ابن حزم ظاہری، المحلی ۱۱:۳۸۱

۲۔ شوکانی، نیل الأطار، ۷:۲۸۷

کے ظاہر پر ہی اُمورِ حیات کو موقوف رکھا جائے اور اَحکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کو نظر انداز کر دیا جائے تو لوگ سخت مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نصوصِ شرعیہ سے یقیناً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آگاہ تھے مگر تغیر پذیر حالات سے پیدا ہونے والے مسائل سے نپٹنے کے لیے اُنہوں نے حالات کی رعایت کے تحت مناسب تدابیر اِختیار کی تھیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے اِس مسئلے پر غور کریں کہ قرآن میں ہر کتابیہ عورت سے نکاح کی اِجازت موجود ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ اَخْدَانٍ۔(۱)

’’اور (اسی طرح) پاکدامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتب دی گئی تھی۔ (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قید نکاح میں لانے والے (عفت شعار) بنو نہ کہ (محض ہوس رانی کی خاطر) علانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے **امام ابوبکر جصاص**رحمۃ اللہ علیہ (۳۷۰ھ) نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:

’’حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کرلیا، جب اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اس سے علیحدگی کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ نے لکھا کہ کیا وہ حرام ہے؟ اس پر عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے۔‘‘(۲)

---

(۱) القرآن، المائدہ، ۵:۵

(۲) أبو بکر جصاص، احکام القرآن، ۲:۳۲۴

۱۰۔ مؤلّفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

تالیفِ قلب کے لئے زکوٰۃ دینے کا ثبوت قرآن حکم میں موجود ہے، سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤَلَّفَةِ الْقُلُوبُهُمْ۔(۱)

''(بے شک صدقات) ایسے لوگوں کے لیے(بھی) ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو۔''

کمزور ایمان والوں کو زکوٰۃ کی مد سے دینا خود حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیینۃ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو مالِ زکوٰۃ بطورِ تالیفِ قلب دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ:

أنّ رسول الله ﷺ كان يتالّفكما والإسلام يومئذ قليل و أن الله قد أغنى الاسلام اذهبا فاجهدا جهد كما۔(۲)

''رسول اللہ ﷺ تم دونوں کی اس وقت تالیف کیا کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تعداد میں کم تھے اب اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا ہے تم لوگ جاؤ اور اپنی مالی جدوجہد کرو۔''

عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ دونوں صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے خلیفہء رسول ﷺ ہمارے یہاں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا ہے، جس میں نہ گھاس اُگتا ہے اور نہ کوئی آبادی ہے۔ اگر آپ یہ زمین ہمیں دے دیں تو شاید ہم اس میں کاشت اور زراعت کرلیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ زمین دے دی اور ایک تحریر بھی لکھ دی۔ طلحۃ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے عیینۃ بن حصن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان صاحب یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی اس معاملہ میں کوئی دخل ہوگا، اس

---

(۱) القرآن، التوبہ، ۹:۶۰

(۲) اَبو بکر جصاص، احکام القرآن، ۳: ۲۴

لیے یہ تحریر ان کو پڑھا دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر پڑھی تو کہا کہ کیا سب لوگوں کو چھوڑ کر یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سے یہ تحریر مٹا دی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ دونوں کی تالیف قلب کرتے تھے اس وقت اسلام کمزور تھا۔ جاؤ اور اب تم دونوں اپنی کوشش سے کماؤ۔(۱)

تالیفِ قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مؤلفۃ القلوب کی زکوٰۃ سے مدد کرنا اس وقت ضروری تھا جب مسلمان کمزور تھے اور اس تالیف کا مقصد یہ تھا کہ ان کے شر سے بچا جائے اور ان کے قلوب کو مانوس کیا جائے۔ لیکن اب جب کہ مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت وعزت حاصل ہے، تو اب کسی شخص کو تالیفِ قلب کی غرض سے مالِ زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کفار کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ دلانے کے لیے ہو یا نومسلم لوگوں کا دل موہنے کے لیے، دونوں صورتیں نا جائز ہیں۔(۲)

ابن قدامہ المقدسیؒ (۶۲۰ھ) نے ذکر کیا ہے کہ ایک مشرک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ مال لینے آیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا اور فرمایا کہ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أن مشركا جاء يلتمس من عمر مالا فلم يعطه وقال من شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر۔(۳)

''ایک مشرک مال لینے کی غرض سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے عطا نہ کیا اور فرمایا اَب جو چاہے اِیمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔''

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۷: ۲۰
۲۔ ابن سلام، کتاب الاموال: ۲۷۶
۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۴: ۲۱۵
(۲) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۱۸۱
(۳) ابن قدامہ، المغنی، ۲: ۳۲۷

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

حضور ﷺ کے عہدِ مبارکہ میں مفتوحہ زمینوں کی تنظیم و تقسیم کے دو طریق رائج تھے:

۱۔ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جاتی۔

۲۔ اَصل باشندوں کے پاس رہنے دیا جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مفادِ عامہ کی خاطر اس نظام کو وسعت دی۔ عراق اور شام فتح ہونے کے بعد مفتوحہ زمین اور جائیداد کے بارے میں مشورہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں یہ زمین آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ اُن کا اس میں کچھ حصہ نہ رہے۔ کیا آپ لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ جائے اور نسلاً بعد نسلاً اسی طبقہ میں منتقل ہوتی رہے۔ اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور حاجت مندوں کی کفالت کہاں سے ہوگی؟‘‘

اگرچہ اس تجویز کی مخالفت بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم وغیرہ کی طرف سے ہوئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معقول اِستدلال کے بعد صحابہ کی بھاری اکثریت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کی حمایت کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

دعهم يكونون مادة للمسلمين فتركهم۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۳۴

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۲۲۴

۳۔ عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۸: ۱۹۵

←

''زمین کو اس حالت پر چھوڑ دیا جائے تا کہ مسلمانوں کے لئے مستقل آمدنی کا کام دے لہٰذا زمین کو (اس مقصد کے لئے) چھوڑ دیا گیا۔''

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

عہد فاروقی سے قبل تجارتی ٹیکس (چونگی) کا کوئی نظام نہیں تھا۔حضرت عمرؓ نے بدلتے ہوئے حالات اور بین الاقوامی تقاضوں کے تحت عشور کا نظام قائم کیا۔زیاد بن حدیر اسدی بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جسے عراق اور شام پر عشور وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

بعثنی عمر علی العشور وأمرنی أن لا أفتش أحداً۔(۱)

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں کسی کی تلاشی نہ لوں۔''

عشور وصول کرنے کے فیصلے کا محرک یہ تھا کہ جب مسلمان دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے جاتے تو ان سے دس فی صد تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی تجارتی ٹیکس مقرر کر دیا لیکن ٹیکس کی رقم میں حسبِ حال تفاوت کو ملحوظ رکھا گیا۔مثلاً حربیوں سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کیا جاتا تھا۔مزید برآں کسی قسم کی زیادتی اور سامان کی تلاشی سے بھی منع کر دیا گیا۔علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) **تلخیص الحبیر** میں زیاد بن حدیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

استعملنی عمر الخطاب علی العشور وأمرنی أن آخذ من تجار

.... ۴۔حموی، معجم البلدان، ۳: ۲۷۵

۵۔شوکانی، نیل الاؤطار شرح منتقیٰ الاخبار، ۸: ۱۶۲

(۱) ۱۔ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲:۶،۱۲، رقم: ۱۰۵۷۲

۲۔عظیم آبادی، عون المعبود، ۸: ۲۰۹

أهل الحرب العشر و من تجار أهل الذمة نصف العشر و من تجار المسلمين ربع العشر۔(۱)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور کی وصولی کے لیے عامل بنا کر بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں حربی تجار سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کروں''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دین میں ہر نیا عمل ناجائز وحرام نہیں ہوتا بلکہ مصلحتِ وقت اورضرورتِ زمانہ کے تحت بے شمار اُمور مباح، جائز اور مشروع ہوتے ہیں۔

۱۳۔ مجرم کے لئے شہر بدری کے حکم کی منسوخی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زانی غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دیا ہے۔صحیح بخاری کتاب المحاربین میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے زنا کے مرتکب بیٹے کا معاملہ لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: **اقض بيننا بكتاب الله** کہ یا رسول اللہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بیٹے کی سزا سناتے ہوئے ارشادفرمایا:

و على إبنک جلد مائة و تغريب عام۔(۲)

''تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے نیز ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔''

جلاوطنی کے حکم کو معطل کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ جب ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب پینے کے جرم میں سزا ہوئی اور اس کو شہر بدر کیا گیا تو وہ عیسائی ہو گیا اور رومیوں

(۱) ابن حجر عسقلانی، **تلخیص الحبیر**، ۴:۱۲۸

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنا،۶:۲۵۰۲، رقم: ۶۴۴۰

سے جا کر مل گیا۔ اس واقعہ کو **امام نسائی** (۳۰۳ھ) نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، حضرت سعید بن مسیّب بیان کرتے ہیں:

غرب عمر ربیعة ابن اُمیّة فی الخمر إلی خیبر فلحق بهرقل فتنصر فقال عمر لا غرب بعده مسلما۔(۱)

''حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن اُمیہ کو شراب پینے کی وجہ سے خیبر کی طرف ملک بدر کر دیا۔ وہ بادشاہِ روم ہرقل کے پاس چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آج کے بعد میں کسی شخص کو جلا وطن نہیں کروں گا۔''

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں پر صدقہ مقرر نہیں فرمایا تھا **امام بخاری** (۲۵۶ھ) اپنی صحیح میں کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس علی المسلم فی فرسه و غلامه صدقة۔(۲)

''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ نہیں ہے۔''

اسی طرح امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ابواب الزکوۃ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الخَيْلِ والرّقيق۔(۳)

---

(۱) نسائی، السنن، کتاب الاشربة، باب تغریب شارب الخمر، ۸:۳۱۹، رقم:۵۶۷۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوة، باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة، ۲:۵۳۲، رقم: ۱۳۹۴

(۳) ترمذی، السنن، ابواب الزکوة، باب ماجاء فی زکوة الذهب والورق، ۳:۱۶، رقم: ۶۲۰

''میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی۔''

لیکن اِسلامی مملکت میں جب تجارت اور افزائش نسل کے لیے گھوڑوں کی کثرت ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی خواہش اور صحابہ کے مشورہ کے بعد ان پر صدقہ مقرر کر دیا۔ امام ابو جعفر طحاویؒ (۳۲۱ھ) شرح معانی الاثار میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حججت مع عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، فأتاه أشراف من أشراف أهل الشام، فقالوا: يا أمير المؤمنين، إنا قد أصبنا دوابّ و أموالاً، فخذ من أموالنا صدقة تطهرنا بها، و تكون لنا زكاة. فقال: هذا شيء لم يفعله اللذان كانا قبلي، و لكن انتظروا حتى أسأل المسلمين، فسأل أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فيهم علي بن أَبي طالب رضی اللہ عنہ، فقالوا: حسن، و علي رضی اللہ عنہ ساكت لم يتكلم معهم. فقال: مالك يا أبا الحسن لا تتكلم؟ قال: قد أشاروا عليك، و لا بأس بما قالوا، إن لم يكن أمراً و اجباً ولا جزية راتبة يؤخذون بها۔(۱)

''حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کیا تو ان کے پاس شام کے کچھ معززین آئے، انہوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! ہمارے پاس مال اور جانور ہیں، ہم سے صدقہ لے کر ہمیں پاک کیجئے۔ وہ ہمارے لئے زکوٰۃ ہوگی۔ آپ نے فرمایا یہ وہ کام ہے جو میرے پیش رو دونوں حضرات (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے نہیں کیا، لیکن تم انتظار کرو تاکہ میں مسلمانوں سے پوچھ لوں۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا ان میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مسلمانوں نے کہا ٹھیک ہے (لے لیں)، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ خاموش تھے انہوں نے کوئی بات نہ کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو الحسن! آپ کو

(۱) طحاوی، شرح معانی الاثار، ۲:۷۷

کیا ہوا، آپ گفتگو نہیں کرتے، اس پر انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو جو رائے دی ہے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ فرض نہ ہو اور نہ ہی بطور جزیہ لیا جائے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

أنّ عمر رضی اللہ عنہ كان يأخذ من الفرس عشرة، ومن البرذون خمسة۔(۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ عربی گھوڑے میں دس اور عجمی میں پانچ درہم لیتے تھے۔''

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

اِبتداءً لوگ کسی خدمت کے عوض تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اسے زہد و ورع اور وقار کے خلاف سمجھتے تھے لیکن یہ بات ایک توسیع پذیر سلطنت کے اُصولِ اِنتظام اور اَمرِ تمدن کے خلاف تھی۔ عمال کی دیانتداری اور راست بازی قائم رکھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی معقول تنخواہیں مقرر کیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا۔ **علامہ ابن عبد البر** (۴۶۳ھ) **الإستيعاب فی معرفة الأصحاب** میں نقل کرتے ہیں کہ:

لما فرض عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ للناس فرض لأُسامة بن زيد خمسة آلاف و لإبن عمر ألفين فقال إبن عمر فضلت على أُسامة وقد شهدت ما لم يشهد فقال إنّ أُسامة كان أحب إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منک و أبوه أحب إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من أبيک۔(۲)

''جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اُسامہ بن زید کا وظیفہ پانچ ہزار اور (اپنے بیٹے) ابن عمر کا دو ہزار مقرر کیا۔ اس پر ابن عمر نے

---

(۱) طحاوی، شرح معانی الاثار، کتاب الزکوة، باب الخیل، ۲:۲۶

(۲) ابن عبد البر، الإستيعاب فی معرفة الأصحاب، ۱:۷۶

عرض کیا کہ آپ نے مجھ پر اُسامہ کو ترجیح دی ہے حالانکہ جتنی جنگوں میں میں نے شرکت کی ہے اُس نے نہیں کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُسامہ تمہاری نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا اور اس کا باپ (زید بن حارثہ) تمھارے باپ کی نسبت آپ علیہ السلام کو زیادہ پیارا تھا۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خود بھی اَمرِ خلافت میں مشغول ہو گئے تو انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنے وظیفے کے بارے میں مشورہ کیا۔ طبقات الکبری میں ابن سعدؒ (۲۳۰ھ) بیان کرتے ہیں:

و أرسل إلى أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فاستشارهم فقال قد شغلت نفسی فی هذا الأمر فما يصلح لی منه؟(۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی طرف آدمی بھیجا اور مشورہ طلب کیا اور فرمایا آپ لوگوں نے مجھے اس اَمر (خلافت) میں مشغول کر دیا ہے اب میرے لئے اس (بیت المال) سے کس حد تک (وظیفہ) لینا جائز ہے؟''

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳:۳۰۷

فصل سوم

تصور بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

۱۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

۴۔ دینی علوم وفنون کی تنظیم و تدوین

دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

دینِ اسلام میں حکمت و مصلحت وہ دائمی اُصول ہے جو اسے زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھتا ہے اور ان کی تکمیل کے ذریعے معاشرے کو ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل عطا کرتا ہے، اسی اصول کے باعث اسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لا یزال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے ۔اس ضمن میں تصورِ بدعت کی مزید تفہیم کے لے چند شہادتیں عصری نظائر و واقعات کے تناظر میں پیش کی جاتی ہیں تا کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ اسلام عصری ضروریات و حالات کی رعایت کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کی حاجات کی کفایت کرتا ہے۔

ا۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

شریعت نے اِس اَمر کو تو ضروری قرار دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ حکومت ہونا چاہئے لیکن اس کا انتخاب کس طرح ہو، حکومت کی تشکیل کس نظام کے تحت کی جائے، اس کے اِدارے کس طرح وجود میں آئیں اور پھر ان میں اختیارات کی تقسیم کس اُسلوب پر ہو؟ ان تفصیلات کے متعلق بالعموم شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان ریاست اپنی صوابدید کے مطابق جو نظام ضروری سمجھے اسے اِختیار کرنے کی مجاز ہے۔

اِسی طرح طرزِ انتخابات کی طرح طرزِ حکومت کو بھی اُمت کی اجتماعی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ وفاقی نظام حکومت قائم کریں یا وحدانی، پارلیمانی طرز کا نظام نافذ کریں یا صدارتی، اِس کو خلافت کا نام دیں یا امارت کا، اسلام اور شریعتِ محمدی ﷺ کو

اس سے کوئی سروکار نہیں اگر نظامِ حکومت اسلامی قواعدِ مشاورت کے مطابق ہے تو وہ اسلامی ہے ورنہ غیراسلامی، خواہ زمامِ اقتدار انتہائی مذہبی طبقے کے ہاتھ میں ہی کیوں نہ ہو۔

اِسلام میں چونکہ کوئی خاص طرزِ حکومت متعین نہیں ہے لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ نے اس اُمت میں ظہور پذیر ہونے والی مختلف حکومتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اوّل هذا الامر نبوة و رحمة ثم يكون خلافة و رحمة ثم يكون ملكا و رحمة ثم يكون إمارة و رحمة ثم يتكادمون عليها تكادم الحمير فعليكم بالجهاد و ان أفضل جهادكم الرباط و ان أفضل رباطكم عسقلان۔(۱)

''اس دین کا اول نبوت اور رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہے، پھر ملوکیت اور رحمت ہے، پھر امارت اور رحمت ہے، پھر لوگ گدھوں کی طرح حکومت کو دانتوں سے کاٹیں گے، اس وقت تم پر جہاد لازم ہے اور تمہارا سب سے افضل جہاد سرحدوں کی نگرانی ہے اور تمہاری سب سے افضل سرحد عسقلان (۲) ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے اس اُمت میں برسرِ اِقتدار آنے والے مختلف حکمرانوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سيكون من بعدى خلفاء ومن بعد الخلفاء أمراء ومن بعد الأمراء ملوك ومن بعد الملوك جبابرة ثم يخرج رجل من اهل بيتى

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱:۷۳، رقم: ۱۱۱۳۸
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵:۱۹۰

(۲) قدیم فلسطینِ کبریٰ کا ایک شہر جو کہ صلیبی جنگوں میں ایک اہم عسکری مقام تھا۔ (المنجد فی الأعلام: ۳۷۴)

يملأ الأرض عدلا كما ملئت جوراً ثم يؤمر القحطانی فوالذی بعثنی بالحق ماهو دونه۔(۱)

''حضور ﷺ نے فرمایا عنقریب میرے بعد **خلفاء** ہوں گے اور خلفاء کے بعد **امراء** ہوں گے، امراء کے بعد **ملوک** ہوں گے اور ملوک کے بعد **جابر حکمران** ہوں گے پھر میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا شخص آئے گا جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم وستم سے بھری ہوگی۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِن فرامین سے ثابت ہوتا ہے کہ اِسلام میں کسی خاص قسم کی حکومت متعین نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات وزمانہ کے مطابق اس میں تبدیلی اور ترمیم بھی ہوسکتی ہے۔

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

اِسلام کے دورِ اوائل میں پختہ مکانات بنانا ناپسند خیال کیا جاتا تھا لہٰذا مسجد کو بھی پختہ بنانا ناجائز تصور کیا جاتا رہا۔ اسی طرح دورِ نبوی میں مسجد کے محراب کا بھی رواج نہیں تھا۔ **علامہ نور الدین سمہودیؒ** (۹۱۱ھ) وفاء الوفاء میں ذکر کرتے ہیں کہ مساجد کے محراب حضور ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تھے بلکہ سب سے پہلے اسے عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے بنوایا۔(۲) پھر جب اِسلامی سلطنت کی حدیں شرق وغرب تک

(۱) ۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵:۱۹۰

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲:۳۷۴، رقم:۹۳۷

۳۔ دیلمی، الفردوس بمأ ثور الخطاب، ۵:۴۵۶، رقم:۸۷۳۱

۴۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳:۲۱۴

۵۔ ابن ابی حاتم الرازی، الجرح والتعدیل، ۲:۴۹۴، رقم:۲۰۲۹

(۲) ۱۔ سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ۱۰: ۳۷۲

۲۔ عبدالحئی لکھنوی، فتاویٰ، ۱۰:۱۰۸

پھیل گئیں، تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلیاں آ گئیں، لوگوں نے اپنی رہائش کے لئے بڑے بڑے کشادہ اور پختہ مکانات بنانا شروع کر دیئے۔ بنو اُمیہ اور بنوعباس کے دورِ حکومت اور مابعد اسلامی مملکت کے جاہ و جلال کے دور میں مسلمانوں نے عالی شان محلات تعمیر کرنا شروع کر دیئے تو علماءِ اُمت نے وقت کے تقاضوں کے مطابق اللہ کے گھروں کی تعمیر کو بھی اسی طرح نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ عظمتِ اسلام کے پیش نظر ضروری قرار دیا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ دین کو اگر ظاہری لفظوں سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے (**إلا ماشاء الله**) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا، لیکن اگر دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما حکمتوں پر غور کر کے اس کے احکام کو پرکھا جائے تو یہی دین ہدایت کا باعث بنتا ہے اور اس کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

اگر مساجد کی تعمیر میں تبدیلی پر غور کیا جائے تو اس کی مصلحت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اُس وقت لوگوں کے اپنے گھر کچے ہوتے تھے لہٰذا اللہ کے گھر کا کچا ہونا باعثِ عار نہ تھا لیکن جب لوگوں کے اپنے مکانات پختہ محلات میں بدل گئے تو خانۂ خدا کی وجاہت اور ظاہری شان و شوکت کے پیش نظر پختہ اور خوبصورت مساجد کی تعمیر کا فتویٰ دے دیا گیا۔

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

اسی طرح قرآن کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ اس کے تراجم اور تفاسیر بھی مختلف ممالک کے لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق ہوں لیکن دین کے بارے میں ظاہری الفاظ پر نظر رکھنے والا ناپختہ اور انتہا پسند جامد ذہن ہر دور میں ہونے والے نئے کام کی مزاحمت (Resistance) میں پیش پیش رہا ہے چنانچہ **حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ** (۱۱۷۶ھ) نے ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ اسی ضرورت کے پیش نظر قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کیا تو یہاں کے ظاہربین علماء نے ان کے خلاف بہت

شور مچایا اور کفر و بدعت کے فتوے صادر کئے کہ قرآن کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ نئی بدعت مصلحتِ وقت اور عین تقاضائے تبلیغ دین تھی جبکہ فتویٰ لگانے والے اس وقت اِس دینی مصلحت سے ناآشنا تھے۔

۴۔ دینی علوم وفنون کی تنظیم وتدوین

امام عزالدین بن عبد السلام السلمی الشافعیؒ (۶۶۰ھ) ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' میں دینی علوم وفنون کی تدوین کو بدعتِ واجبہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و للبدع الواجبة أمثلة منها الاشتغال بعلم النحو الذی یفهم به کلام اللّٰه تعالٰی و کلام رسول اللّٰه ﷺ، و ذٰلک واجب لان حفظ الشریعة واجب، ولایتأتیٰ حفظها الا بمعرفة ذٰلک، وما لایتمُّ الواجبُ الابه فهو واجبٌ، الثانی: حِفُظُ غریبِ الکتاب والسنة من اللغة، الثالث: تدوین اُصول الدین و اُصول الفقه، الرابع: الکلام فی الجرح والتعدیل، لتمییز الصحیح من السقیم، وقد دَلَّت قواعدُ الشریعة علی أنَّ حِفُظَ الشریعةِ فرض کفایة فیما زاد علی القَدُرِ المُتَعَیِّن ولا یتأتٰی حفظ الشریعة الا بما ذکرناه۔(۱)

''بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن و حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا

---

(۱) عزالدین، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، ۲: ۳۳۷ و أیضاً فی فتاوی العز بن عبدالسلام: ۱۱۶

> علم حاصل کرنا تا کہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔‘‘

اگر ہر نیا کام جو عہدِ رسالت مآب اور عہدِ صحابہ میں متداول اور معمول بہ نہ تھا محض اپنے نئے ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پائے تو تعلیماتِ دین اور فقہ اسلامی کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا اور اجتہاد کی ساری صورتیں، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استحصاب ، استدلال اور استنباط کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم وفنون مثلاً اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ، ان کی تدوین، اور ان کو سمجھنے کے لئے صرف ونحو، بلاغت و معانی، منطق و فلسفہ اور دیگر معاشرتی و معاشی جملہ علومِ خادمہ جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں ان کا سیکھنا، سکھانا بھی حرام قرار پائے گا کیونکہ یہ سب علوم وفنون اپنی موجودہ شکل میں نہ عہدِ رسالت میں موجود تھے نہ ہی عہدِ صحابہ کرام میں، انہیں تو بعد میں ضرورت کے پیشِ نظر وضع اور مرتب کیا گیا۔ یہ تمام علوم وفنون اپنی ہیئت، اُصول، اِصطلاحات، تعریفات اور قواعد وضوابط کے اعتبار سے نئے ہیں اس لئے بلا شک وشبہ بدعتِ لغوی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مزید برآں اگر ہر نیا کام بدعتِ شرعی اور ضلالت و گمراہی قرار پائے تو دینی مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس اور نصابات کا بیشتر حصّہ بھی گمراہی قرار پائے گا کیونکہ موجودہ درس نظامی کے نصابات کے مطابق درس و تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا طریقہ نہایت سادہ تھا۔ وہ فقط قرآن و حدیث کا سماع کرتے اور اسے آگے روایت کرتے تھے۔

دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

اسلام کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ سطح بینی سے اس کا مطالعہ کرنے والے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و اِیمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما وسیع تر مفاد اور حکمت کو نظر اَنداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل جن کے سامنے

دین کی اصل روح نہیں رکھی جاتی بلکہ لفظوں کی ہیر پھیر سے دین کو متعارف کرایا جاتا ہے، روز بروز اسلام سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ کہیں تو ذاتی مفادات کے پیشِ نظر اور کہیں نادانی کی بنا پر مذہبی ذمہ دار لوگوں نے (اِلا ماشاء اللہ) لفظی موشگافیوں سے دین کو دشوار بنا دیا ہے، جس سے نوجوان نسل بالعموم اور نیا تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص جو پہلے ہی مغربی تہذیب و ثقافت اور اس کی ذہنی و فکری یلغار کا نشانہ بنا ہوا ہے، دین سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم صدق دل سے دین کے اُصول و قوانین اور شریعتِ اسلامیہ کے دلکش پہلو اس پریشان کن دور میں اپنے پیشِ نظر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ پھر سے عظمتِ اسلام کی بازیابی کے لئے کمربستہ نہ ہو جائیں۔

باب:٦

قرونِ اُولیٰ اور تصورِ بدعت

❁ قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کن کو کہا جاتا تھا ؟

۱۔ خوارج

۲۔ مُرجئة

۳۔ مُعتزله

۴۔ جَهُمِيَّه

۵۔ روافض و باطنیه

۶۔ قدریه

❁ قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات کی سطح کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

❁ تابعین اور تبع تابعین اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے

❁ قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کن کو کہا جاتا تھا؟

قرونِ اُولیٰ میں گستاخانِ رسول، مخالفینِ صحابہ اور کفریہ عقائد کے حاملین کو اہلِ بدعت کہا جاتا تھا۔ متعدد اَحادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ اس بات پر شاھد عادل ہیں کہ دورِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کا اِجراء کرنے والوں کو اہلِ بدعت نہیں کہا جاتا تھا بلکہ اسکے برعکس بدعتی اُن کو کہا جاتا جو **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ**(۱) کے مخالف تھے اور جمہور اُمت کی اِتباع کی بجائے محدثات الاُمور اور اِختلافِ کثیر کے پیچھے پڑے رہتے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوادِ اعظم کی اِتباع کی بجائے اپنے خود ساختہ عقائد کی بنا پر اُمت کی اِجتماعیت کو نقصان پہنچانے کا موجب بنتے۔ اِن اَہلِ بدعت اور فرقِ باطلہ کے درج ذیل معروف طبقات ہیں:

۱۔ خوارج

۲۔ مُرجئہ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۳۔ مُعتزلہ

۴۔ جَھمِیَّہ

۵۔ روافض و باطنیہ

۶۔ قدریہ

۱۔ خوارج

اِسلام کو اپنے اَوائل دور سے ہی جس بڑے اور پہلے فتنے کا سامنا کرنا پڑا اُسے فتنۂ خوارج کہتے ہیں۔ اگرچہ خارجیوں کا باقاعدہ آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا لیکن اِن کی فتنہ پروری اور سازشوں کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) خوارج کو تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فكان من اول البدع والتفرق الذى وقع فى هذه الأُمة بدعة الخوارج۔(۱)

''اس امت میں سب سے پہلی بدعت اور تفرقہ جو واقع ہوا وہ خوارج کی بدعت تھی۔''

دوسرے مقام پر علامہ ابنِ تیمیہ بیان کرتے ہیں کہ خوارج اہلِ بدعت میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے خروج کیا۔ وہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

والنبى صلى الله عليه وآله وسلم انما ذكر الخوارج الحرورية، لأنهم أول صنف من أهل البدع خرجوا بعده؛ بل أولهم خرج في حياته فذكرهم لقربهم من زمانه۔(۲)

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۲: ۴۷۰

(۲) ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۲۸: ۴۷۶

''حضور ﷺ نے خوارجِ حروریہ کا ذکر کیا کیونکہ یہ اہل بدعت کا وہ طبقہ تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خروج کیا، بلکہ ان کے پہلے طبقے نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں خروج کیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے ساتھ ان کے قرب کی وجہ سے ان کا ذکر کیا۔''

فتنۂ خوارج کی اِبتدا کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جنگ صفین (۳۷ھ / ۶۵۷ء) کے بعد بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن و سنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا مستقل خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حَکَم مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی تھم گئی۔ اشعث بن قیس نے یہ عہد نامہ لیکر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ قبیلہ بنی تمیم کے لوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروة بن أدية بھی تھا اور ان کو پڑھ کر سنایا تو عروۃ نے بطورِ احتجاج یہ آواز بلند کی:

تحكمون في أمر الله الرجال؟ لا حكم إلا لله۔(۱)

''تم اللہ کے امر میں انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے

---

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوك، ۳: ۱۰۴
۲۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۷:۵۵۷، رقم: ۳۷۹۰۷
۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳:۳۲
۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱:۱۶۰
۵۔ ابن اثیر، الكامل فی التاریخ، ۳: ۱۹۶
۶۔ ابن جوزی، المنتظم، ۵: ۱۲۳
۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶:۶۱۹، رقم: ۳۴۱۵

آگاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

كلمة حق أريد بها باطل، إن سكتوا غممناهم و إن تكلموا حججناهم و إن خرجوا علينا قاتلناهم۔(۱)

''بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔''

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ مذکورہ روایت کو باب التحریض علی قتل الخوارج میں نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِىْ رَافِعٍ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِى طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالُوا لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ: كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٍ...الحديث۔(۲)

''رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

---

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳
۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوك، ۳: ۱۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲:۷۴۸، رقم: ۱۰۶۶
۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۶۰، رقم: ۸۵۶۲
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۵۶۲، رقم: ۳۷۹۳۰
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹
۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۲۷
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۷۱، رقم:
۷۔ ابو نعیم أصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۳: ۱۳۴، رقم: ۲۳۷۸

حروریہ کا جس وقت ظہور ہوا تو وہ (یعنی حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اُن (خوارج) نے کہا اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حق بات ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔''

مختصر یہ کہ خوارج نے فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور حروراء کے گاؤں میں جا کر لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کردیا وہ لوگوں کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیتے یہاںتک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو **بدعة ضلالة** تک کہا گیا آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ''**الحکم للہ**'' کے اجراء کے لئے کوفہ سے نکل کر نہروان کے مقام کو پسند کیا اور سب وہاں جمع ہوگئے۔ خارجیوں کی تشدّد پسند اور فتنہ انگیز سرگرمیوں کو روکنے کے لیے حضرت علی اور اِن کے درمیان ۹ صفر ۳۸ ھجری کو نہروان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں خوارج کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

خوارج کی اہم بدعات

۱۔ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے۔

۲۔ جس نے اپنے عمل اور غیر صائب رائے سے قرآن کی مخالفت کی وہ کافر ہے۔

۳۔ ظالم اور فاسق حاکم کے خلاف خروج لازم ہے۔

۴۔ وہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین سے مروی روایات کا انکار کرتے تھے۔

۵۔ اخبارِ اُحاد مثلاً اَحادیثِ رجم وغیرہ کا اِنکار کرتے تھے۔(۱)

خوارج کے کفریہ عقائد اور مسلمانوں خلاف ان کے ظالمانہ اور متعصّبانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ عبد القاہر بغدادی، الفرق بین الفرق: ۷۳

۲۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۳: ۳۱

فكانوا كما نعتهم النبي ﷺ "يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان"[1] وكفروا علي بن ابي طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما. وقتلوا علي بن أبي طالب مستحلين لقتله. قتله عبدالرحمن بن ملجم المرادي منهم، وكان هو وغيره من الخوارج مجتهدين فى العبادة، لكن كانوا جهالاً فارقوا السنة والجماعة: فقال هؤلاء: ما الناس إلا مؤمن او كافر؛ والمؤمن من فعل جميع الواجبات وترک جميع المحرمات: فمن لم يكن كذلک فهو كافر: مخلد فى النار. ثم جعلوا كل من خالف قولهم كذلک . فقالوا: ان عثمان وعلياً ونحوهما حكموا بغير ما انزل الله، وظلموا فصاروا كفاراً۔(۲)

''وہ (خوارج) ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور ﷺ نے یہ بیان کی تھی کہ ''وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے'' انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے پیروکاروں کی تکفیر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُن سے جھگڑا کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبد الرحمٰن بن ملجم المرادی نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اِسکے علاوہ دیگر خوارج ''مجتہد فی العبادۃ'' تھے لیکن حقیقت میں وہ جاہل تھے انہوں نے سنت اور جماعت کو توڑا۔ان کے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیا، ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۳۱۶۶
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب إعطاء المؤلفۃ، ۲: ۷۴۱، رقم: ۱۰۶۴
۳۔ ابو داود، السنن، ۴: ۲۴۳، رقم: ۴۷۶۴
۴۔ نسائی، السنن، ۵: ۸۷، رقم: ۲۵۷۸
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۶۸، رقم: ۱۱۶۶۶
(۲) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۷: ۴۸۱

عقیدے کے مطابق اِنسان مؤمن ہو گا یا کافر۔ لہٰذا ان کے نزدیک مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پرعمل کرے اور تمام محرّمات کو ترک کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کی اِسی طرح تکفیر کرنا شروع کردی جس نے ان کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ عثمانؓ، علیؓ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی اور ظلم کا اِرتکاب کیا ہے پس یہ سارے کافر ہو گئے‘‘

اگر خوارج کے عقائد اور ان کی خصوصیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خوارج نے نہ صرف سنت سے خروج کیا بلکہ مسلمانوں کے خون کو بھی مباح قرار دیا۔ علامہ ابنِ تیمیہ خوارج کی اہم خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهم خاصتان مشهورتان فارقوا بهما جماعة المسلمين وأئمتهم: أحدهما: خروجهم عن السنة، وجعلهم ماليس بسيئة سيئة، أو ماليس بحسنة حسنة، وهذا هوالذي أظهروه في وجه النبی ﷺ حيث قال له ذوالخويصرة التميمی: ’’إعدل فإنک لم تعدل‘‘ حتى قال له النبی ﷺ: ’’ويلک! ومن يعدل إذا لم أعدل؟‘‘[1] لقد

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، ۵:۲۲۸۱، رقم: ۵۸۱۱
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، ۲:۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴
۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰–۸۵۶۱، ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵:۱۴۰، رقم: ۶۷۴۱
۶۔ بيهقی، السنن الکبری، ۸:۱۷۱
۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۱۴۶

خبت وخسرت إن لم أعدل" فقوله: "فانک لم تعدل" جعل منه لفعل النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله: "اعدل" أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التى لا تصلح، وهذا الوصف تشترک فيه البدع المخالفة للسنة، فقائلها لا بد أن يثبت مانفته السنة و ينفى ما أثبتته السنة، ويحسن ما قبحته السنة أو يقبح ما حسنت السنة، وإلا لم يكن بدعة. وهذا القدر قد يقع من بعض أهل العلم خطأ فى بعض المسائل؛ لكن أهل البدع يخالفون السنة الظاهرة المعلومة. والخوارج جوزوا على الرسول نفسه أن يجور ويضل في سنته ولم يوجبوا طاعته متابعته، وإنما صدقوه فيما بلغه من القرآن دون ماشرعه من السنة التى تخالف-بزعمهم ظاهر القرآن.

وغالب أهل البدع غير الخوارج يتابعونهم فى الحقيقة على هذا: فانهم يرون أن الرسول لو قال بخلاف مقالتهم لما اتبعوه، كما يحكى عن عمرو بن عبيد فى حديث الصادق المصدوق، وإنما يدفعون [عن] نفوسهم الحجة: اما بردّ النقل: وإما بتأويل المنقول. فيطعنون تارة في الاسناد وتارة في المتن، وإلا فهم ليسوا متبعين ولا مؤتمين بحقيقة السنة التى جاء بها الرسول، بل ولا بحقيقة القرآن.

الفرق الثانى فى الخوارج وأهل البدع: انهم يكفرون بالذنوب والسيئات. ويترتب على تكفيرهم بالذنوب استحلال دماء المسلمين وأموالهم و ان دار الاسلام دار حرب ودارهم هي دار الايمان. وكذلک يقول جمهور الرافضة؛ وجمهور المعتزلة؛ والجهمية؛ وطائفة من غلاة المنتسبة إلى أهل الحديث والفقه ومتكلميهم.(٢)

(٢) ابنِ تيميه، مجموع فتاوىٰ، ١٩: ٧٢، ٧٣

’’خوارج کی دو مشہور خصوصیات ہیں جن سے انہوں نے مسلمانوں کی جماعت اور اِن کے ائمہ میں تفرقہ پیدا کیا۔

اِن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سنت سے خروج کیا اور اُن اُمور کو گمراہی قرار دیا جو فی الحقیقت گمراہی نہیں تھے یا اُن اُمور کو حسنہ قرار دیا جو حسنہ نہیں تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے کیا جب ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ سے کہا: **اعدل فإنک لم تعدل**، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’**وَيْلَکَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلُ؟ قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ إِنْ لَمْ أَعْدِل**‘‘ ’’یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا‘‘۔ ذو الخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ’’**فإنک لم تعدل**‘‘ سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل پر محمول کیا۔ اسی طرح اس کے قول ’’**اعدل**‘‘ سے اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اِسکی بات حسنہ ہے بہ نسبت (حضور ﷺ کی) اس تقسیم کے جو (اِس کے نزدیک) مبنی بر انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)۔ یہی وہ (خوارج کا) وصف ہے جو مبنی بر بدعت اور مخالفِ سنت ہے۔ اس عقیدے کا حامل بدیہی طور پر ایسی بات کا اِثبات کرتا ہے جس کی سنت نفی کرے اور ایسی بات کی نفی کرتا ہے جس کو سنت ثابت کرے۔ اسی طرح یہ ایسی بات کی تحسین کرتا ہے جس کو سنت قبیح جانے اور ایسی بات کو قبیح جانتا ہے جس کو سنت حسنہ جانے اگرچہ وہ بدعت نہ ہی ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے بعض اہلِ علم سے بعض مسائل میں خطاء واقع ہوئی ہے۔ مزید برآں اہلِ بدعت (کی علامت یہ ہے کہ وہ) معروف و معلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

خوارج نے بزعمِ خویش یہ جواز گھڑ لیا کہ اگر رسول بھی اپنی کسی سنت سے انحراف و اعراض برتے تو اسکی اطاعت واجب نہیں ہے۔ یہ (خوارج) صرف

ان اُمور کی تصدیق کرتے جو ان کے پاس قرآن کی صورت میں پہنچتے اور اس مشروع سنت کا اِنکار کرتے جو ان کے زُعمِ باطل میں ظاہرِ قرآن کے مخالف ہوتی۔

خوارج کے علاوہ دیگر اہلِ بدعت کی اکثریت حقیقت میں اِن اُمور میں اِن کی متابعت کرتی ہے۔اِن کی رائے میں اگر رسول بھی اپنے قول کے مخالف بات کرے تو اِس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ عمرو بن عبید سے مروی روایت میں صادق ومصدوق کا ارشاد ہے۔ یہ اپنے آپ کو نقلی روایات کو رد کرنے یا منقول روایات کی تاویل باطلہ کرنے کی وجہ سے دلیل و حجت سے دور رکھتے ہیں۔یہ کبھی سند میں طعن کرتے ہیں اور کبھی متن میں۔حالانکہ نہ یہ اس حقیقی سنت کے متبعین اور اَمین ہیں جو رسول ﷺ لے کر آیا ہے اور نہ ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔

خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر تکفیر کرتا ہے اور اس بنا پر یہ مسلمانوں کا خون اور انکے اموال کو مباح گردانتے ہیں۔وہ یہ کہتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب ہے اور انکے اپنے گھر دارالایمان ہیں۔اسی طرح جمہور روافض، معتزلہ، جہمیہ اور غلو کرنے والوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے آپ کو حدیث، فقہ اور متکلمین کی طرف منسوب کرتا ہے، کا بھی یہی عقیدہ ہے۔‘‘

نوٹ: خوارج سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے میری کتاب ’’**الإنتباہ للخوارج و الحروراءِ**‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ مُرجئة

مُرجئة مسلمانوں کا ایک ایک ایسا فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کا تعلق محض قول اور زبان سے ہے عمل کا اس میں دخل نہیں۔ ان کے نزدیک ایمان مقدم

ہے جبکہ عمل مؤخّر۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ بھی پڑھیں اور روزہ نہ بھی رکھیں پھر بھی ان کا ایمان انہیں نجات دلا دے گا۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے محض دعویٔ اطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ **امام ابوجعفر طبریؒ** (۳۱۰ھ) ''تھذیب الآثار'' میں بیان کرتے ہیں کہ جب سفیان بن عیینہ سے مُرجئۃ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

فأما المرجئة اليوم فهم قوم يقولون:الإيمان قول بلا عمل، فلا تجالسوهم، ولا تؤاكلوهم، ولا تشاربوهم، ولا تصلوا معهم، ولا تصلّوا عليهم۔(۱)

''آج کل مرجئہ ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ'' ایمان بغیر عمل کے محض قول کا نام ہے'' لہٰذا تم نہ تو ایسے لوگوں کیساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو، نہ ان سے ملاقات کرو اور نہ ہی ان کے لیے دعا کرو''

مُرجئہ کے نزدیک ایمان فقط دل سے معرفتِ الٰہیہ کے حصول کا نام ہے۔ غالی مرجئۃ کا عقیدہ ہے کہ معصیت اور اطاعت نہ نقصان پہنچاتی ہے اور نہ ہی فائدہ۔ نفسِ ایمان میں فاسق اور عاصی کا ایمان رسول ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام کی طرح ہے۔ انہیں میں سے غیلان دمشقی ہے۔ بعد ازاں مرجئہ متعدّد فرقوں میں منقسم ہو گئے اور ہر فرقے نے دوسرے کو گمراہ قرار دیا۔(۲)

علامہ عبدالقاہر البغدادیؒ (۴۲۹ھ) نے مرجئہ کے تین گرہوں کا ذکر کیا ہے

ا۔ وہ جو ایمان اور اختیار میں ارجاء کی تعلیم دیتے تھے۔ اس گروہ میں غیلان ابو مروان الدمشقی اور ابوشمر محمد بن ابی شبیب البصری شامل تھے۔

---

(۱) طبری، تہذیب الآثار: ۶۹۵

(۲) عبدالقاهربغدادی، الفرق بين الفرق: ۲۰۲

۲۔ وہ جو ایمان اور جبر کے متعلق ارجاء کا عقیدہ رکھتے تھے۔

۳۔ وہ جو ایمان کو اعمال پر مقدم سمجھتے تھے۔ وہ نہ تو عقیدہ اختیار کے پیروکاروں میں شامل تھے اور نہ اہل جبر و قدر میں۔ آخر الذکر گروہ میں یونس بن عون، غسان، ابو ثوبان، ابو معاذ، اور بشر بن غیاث المریسی کے متبعین شامل ہیں۔(۱)

۳۔ معتزلہ

اس فرقہ کی اِبتدا بنو اُمیہ کے دور میں ہوئی ۔اس کا بانی واصل بن عطاء تھا جو ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں فوت ہوا۔ یہ امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کے درس میں بیٹھتا تھا۔ (۲)

علامہ عبد الکریم الشہر ستانیؒ (۵۴۸ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب المِلَل و النِّحَل میں معتزلہ کی اِبتداء کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی علیہ ایک دن اپنے حلقۂ درس میں بیٹھے طلبا کو پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: جناب! ہمارے زمانے میں ایک ایسا گروہ (خوارج) پیدا ہوا ہے جس کا کہنا ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کفر ہے اور اس کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ (جو مُرجئہ کہلاتا ہے) اس بات کا قائل ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ان کے نزدیک اِیمان کے ہوتے ہوئے گناہِ کبیرہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ان کے مذھب میں عمل اِیمان کا جزو نہیں ہے لہٰذا اِیمان کے ہوتے ہوئے اسی طرح معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے اِطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ مختصر یہ کہ ان کے نزدیک اگر ایمان صحیح ہے تو گناہِ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا۔ آپ ہماری اس حوالے سے

(۱) عبد القاهر البغدادی، اَلْفَرق بین الفِرق، : ۱۹۱
(۲) ۱۔ ذهبی، میزان الاعتدال، ۴:۳۲۹
۲۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۵:۴۶۵

کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟(۱)

امام حسن بصریؒ اس بارے میں تفکر کرنے لگے۔ابھی جواب نہیں دے پائے تھے کہ واصل بن عطاء نے خود ہی کہا۔

أنا لا أقول إنّ صاحب الكبيرة مؤمن مطلقًا ولا كافراً مطلقًا بل هو فى منزلة بين المنزلتين لا مؤمن ولا كافر.ثم قام و إعتزل إلى أُسطوانة من اُسطوانات المسجد، يقرّر ما أجاب به على جما عة من أصحاب الحسن، فقال الحسن: إعتزل عنا واصل.فسمّي هو وأصحابه معتزلة۔(۲)

''میں یہ نہیں کہتا کہ کبائر کا مرتکب مطلقاً مومن ہوتا ہے یا مطلقاً کافر، بلکہ وہ ان دونوں درجات کے ما بین ہوتا ہے۔یعنی نہ وہ مؤمن ہوتا ہے اور نہ کافر۔ پھر وہ کھڑا ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ ہو کر اِمام حسن بصریؒ کے تلامذہ میں اس عقیدے کی تلقین بھی شروع کر دی۔ اس پر امام حسن بصریؒ نے فرمایا: إعتزل عنا واصل یعنی واصل ہم سے الگ ہو گیا۔اسی وجہ سے اسے اور اس کے ساتھیوں کو''معتزلہ'' کہا جاتا ہے''

علامہ ابن منظور (۷۱۱ھ) نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے '' لسان العرب '' میں لکھا ہے:

زَعَمُوا اَنَّهُمُ اعْتَزَلُوْا فِئَتى الضَّلاَلَة عندَهُمُ يَعْنُونَ اَهْلَ السُّنةِ وَ الْجَمَاعَةِ وَ الخَوَارِجِ۔(۳)

---

(۱) الشہرستانی، **المِلَل و النِّحَل** ۱:۶۰

(۲) ۱۔ ایضاً

۲۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵:۴۶۴

۳۔ عبد القاھر البغدادی، اَلْفَرق بین الفِرق، ۲۱، ۱۱۸

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱:۴۴۰

''یعنی ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے بقول ان کے گمراہ فرقوں یعنی اہل سنت اور خوارج سے علیحدگی اختیار کر لی ہے''۔

واصل بن عطاء اپنے سے ما قبل کی بدعتوں سے بھی متأثر تھا۔ اس نے اپنے سننے والوں کو درج ذیل بدعتوں کی دعوت دی۔

۱۔ اُمّتِ محمدیہ ﷺ میں سے جو فاسق ہے وہ کفر اور ایمان کے دو درجات کے درمیان ہے۔(۱)

۲۔ مسئلہ قدر میں اس نے **معبد الجھنی** کی رائے کو اِختیار کیا مگر فرق صرف یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے وقوع سے قبل اُن کو جاننے والا ہے مگر اَفعالِ شر کا صدور اللہ کی مشیت اور ارادہ سے نہیں ہوتا۔ (۲)

۳۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کا قائل تھا۔(۳)

۴۔ اسکے نزدیک متحارب صحابہ میں سے ایک گروہ لامحالہ فاسق ہے اور یہ کہ ان میں سے کسی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔(۴)

معتزلہ کا دوسرا اہم مسئلہ خلقِ قرآن کا تھا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز مسئلہ تھا جس نے ایک صدی سے زائد عرصے تک عالمِ اسلام کو جدل و مناظرہ میں اُلجھائے رکھا۔ اس کو اَوّل اَوّل الجعد بن درھم نے پیش کیا اس سے الجہم بن صفوان نے اخذ کیا اور

---

(۱) ۱۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵:۴۶۴
۲۔ الشہرستانی، **المِلَل و النِّحَل**، ۱:۶۰
۳۔ عبد القاھر البغدادی، الفرق بین الفرق، ۱۱۸
(۲) ۱۔ عبد القاھر البغدادی، الفرق بین الفرق، ۱۱۷،۱۱۹
۲۔ الشہرستانی، الملل و النحل، ۱:۵۸
(۳) ایضاً
(۴) ایضاً
۲۔ عبد القاھر البغدادی،الفرق بین الفرق: ۱۱۹،۱۲۰

ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں بشیر المریسی نے تقریباً چالیس سال تک اس کی باقاعدہ تبلیغ و اشاعت کی۔ ہارون الرشید اس کا مطلق حامی نہ تھا لیکن مامون نے نہ صرف اس کی حمایت و تائید کا بیڑا اُٹھایا بلکہ اس کو سرکاری عقیدہ قرار دے دیا اور اس کی مخالفت کرنے والے بڑے بڑے محدّثین وفضلاء کو سزا و تعزیر کا مستحق گردانا۔

۴۔ جَہمِیَّہ

اس فرقہ کا بانی ابو مُحرِز جَہم بن صَفوان (۱۲۸ھ) تھا جو قدیم زمانہ کے علمائے الٰہیات میں سے تھا۔ یہ بنی راسب (جو ازد کا ایک خاندان ہے) کا مولیٰ تھا۔ان کا ذکر الحارث بن سریج کے کاتب کے طور پر آتا ہے جس نے بنواُمیہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ۱۱۶ھ / ۷۳۴ء سے ۱۲۸ھ / ۷۴۵ء تک مشرقی خراسان کے ایک حصے کا،بعض اوقات ترکوں کے اشتراک میں، فرمانروا بھی رہا تھا۔ حارث بن سریج کی گرفتاری سے چند روز پہلے ۱۲۸ھ میں جہم بن صفوان کو گرفتار کرکے قتل کر دیا گیا۔(۱)

جَہم بن صَفوان کے ذاتی خیالات کے حوالے سے یقیں کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ھندی فرقہ سُمَنِیَّہ کے رد میں وجودِ باری تعالیٰ پر دلائلِ عقلیہ پیش کیے تھے۔(۲) اس کے علاوہ دیگر تصورات جو ان کی طرف منسوب کیے گیے ہیں وہ فرقۂ جہمیہ کے ہیں جس کا ذکر اس کی وفات کے ستّر سال بعد سننے میں آتا ہے۔(۳)

جہاں تک فرقۂ جہمیہ کے عقائد کا تعلق ہے تو انہوں نے عقیدۂ جبر کی اِنتہائی شکل کو اِختیار کیا جس کی رو سے اِنسانوں کی طرف فعل کی نسبت محض مجازی ہے جیسا کہ غروب ہونے میں سورج کا فعل محض مجازی ہے۔ اِن کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔وہ

---

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲:۱۵۷۰، ۱۵۷۷، ۱۵۸۳

(۲) احمد بن حنبل، الرد علی الجهمیه، ۵:۳۱۳

(۳) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲:۱۹۱۸

اِس بات کا اِنکار کرتے تھے کہ اللہ کے لیے کوئی مستقل صفتِ علم ثابت ہے۔ ان کے نزدیک حوادثِ دنیوی کا علم اللہ کو ان کے ظہور کے بعد ہوتا ہے۔ بالعموم وہ تمام صفاتِ الٰہیہ کے علیحدہ وجود کا اِنکار کرتے تھے۔ اسی لیے ان پر ''تعطیل'' کا اِلزام عائد کیا گیا تھا یعنی وہ اللہ کو محض ایک مجرّد ہستی ٹھہراتے تھے جس کی وجہ سے اِنہیں ''معطّلہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ قرآن میں جو صفات جیسے ید، وجہ وغیرہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ ان کی عقلی تاویل کرتے تھے۔ اِیمان کے بارے میں اِن کے عقائد مُرجئہ کے عقائد سے مماثل تھے۔(۱)

۵۔ روافض و باطنیہ

علامہ ابن جوزیؒ (۵۹۷ھ) تلبیس اِبلیس میں روافض کی اِبتداء اور ان کے عقائد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں۔

كما لبس اِبليس على هؤلاء الخوارج حتى قاتلوا على ابن أبى طالب. حمل آخرين على الغلو فى حبه. فزادوه على الحد فمنهم من كان يقول هو الآله: ومنهم من يقول هو خير من الأنبياء. ومنهم من حمله على سب أبى بكر وعمر حتى إن بعضهم كفر أبا بكر وعمر۔(۲)

''جس طرح اِبلیس نے خوارج کو گمراہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے سیدنا علیؓ سے جھگڑنا شروع کر دیا اسی طرح اس نے بعض دوسرے لوگوں کو حضرت علیؓ کی محبت میں غلو کی وجہ سے راہِ ھدایت سے دور کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ حبِ علیؓ میں حدود سے

---

(۱) ۱۔ الأشعری، مقالات، ۱:۲۷۹

۲۔ احمد بن حنبل، الرّد علیٰ الزّنادقة والجهمية، ۵:۳۱۳

۳۔ ذهبی، سیر اعلام النبلاء، ۶:۲۶

۴۔ عبد القاهر البغدادی، الفرق بین الفرق: ۲۱۱، ۲۱۲

(۲) علامہ ابن جوزیؒ، تلبیس اِبلیس: ۹۷

بڑھ گئے ان میں سے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو اِلٰہ اور بعض نے خیر من الأنبیا اور بعض دوسروں نے حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ کو سبّ وشتم کرنا شروع کر دیا‘‘

علامہ اِبراہیم حلبیؒ (۹۵٦ھ) غنیة المستملی شرح منیة المصلی میں غالی روافض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و أما لو كان مؤديا الى الكفر فلا يجوز أصلاً كالغلاة من الروافض الّذين يدعون الاُلوهية لعلی رضی اللہ عنہ أو أن النبوة كانت له فغلط جبرائيل و نحو ذالک ممّا هو كفر و كذا من يقذف الصديقة أو ينكر صحبة الصديق أو خلافته أو يسبّ شيخين۔(۱)

’’اگر ان (روافض) کی بدعت ان کو کفر تک پہنچا دے تو پھر ان کے پیچھے نماز بالکل جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ غالی روافض جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اُلوہیت کے مدعی ہیں یا جو کہتے ہیں کہ نبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھی اور جبرائیل سے غلطی ہوگئی یا اِس قسم کے اور عقائد رکھتے ہیں جو کفر ہیں یا اِسی طرح جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت یا خلافت کا اِنکار کرے یا جو حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سبّ و شتم کرے۔‘‘

علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۳۰٦ھ) رد المحتار علی درالمختار میں روافض کے کفریہ عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا شک فی تكفير من قذف السيدة عائشة رضی اللہ عنہا أو أنكر صحبة الصديق رضی اللہ عنہ أو إعتقد الاُلوهية في علي أو أن جبرائيل غلط فی الوحي أو نحو ذالک من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔(۲)

---

(۱) حلبیؒ، غنیة المستملی شرح منیة المصلی: ۴۸۰

(۲) ابن عابدین شامی، ردّ المحتار علی درّالمختار، ۴:۲۳۷

''اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کرے وہ کافر ہے یا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانے یا جو وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانے وہ کافر ہے یا جو شخص قرآن کریم کی صریح مخالفت کرے وہ کافر ہے''

ہم گذشتہ اَبواب میں قدرے تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ ''**محدثات الامور**''اور **إحداث و بدعات** سے مراد ایسے فتنے ہیں جو اِرتداد پر مبنی ہوں اور دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے یا ان سے اِنکار کا موجب ہوں۔مزید برآں ان میں سے ہر فتنہ ''**خروج عن الاسلام**'' اور ''ارتداد'' کا باعث بنے۔ اور ''اِختلافِ کثیر'' بن کر اُمت کے اِتحاد کو پارہ پارہ کر دے۔اِحداث و بدعت کے اس مفہوم کی روشنی میں وہ لوگ جو:

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھیں۔
- وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانیں کہ وحی تو حضرت علی پر لانی تھی مگر وہ غلطی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے آئے۔
- قرآنِ مجید میں تحریف یا ترمیم کا عقیدہ رکھیں۔
- جو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کریں۔
- یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد تین چار صحابہ کے سوا سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔
- جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کریں۔

ان سب کا کفر قطعی اور یقینی ہے کیونکہ مذکورہ کفریہ عقائد سے اَساسِ دین میں اِس قدر تغیر اور بگاڑ واقع ہو جاتا ہے کہ ان سے دین کی شکل بگڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اِسلام سے اِخراج یا اِرتداد لازم آتا ہے۔

علامہ ابن جوزی روافض کے عقائد و احوال بیان کرنے کے بعد **باطنیہ** کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الباطنية قوم تستروا بلإسلام ومالوا إلى الرفض وعقائدهم وأعمالهم تباين الإسلام بالمرة فمحصول قولهم تعطيل الصانع وإبطال النبوة والعبادات وإنكار البعث ولكنّهم لا يظهرون هذا فى اول أمرهم.بل يزعمون أنّ الله حق وأنّ محمداً رسول الله والدّين صحيح لكنهم يقولون لذٰلک سرّ غير ظاهر وقد تلاعب بهم إبليس فبالغ وحسّن لهم مذاهب مختلفة۔(۱)

(۱) ابن جوزی، تلبیس اِبلیس، ۱۰۲

''باطنیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اِسلام کو چھپاتے ہیں اور اس کے اِنکار کی طرف راغب ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال کلی طور پر اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کے عقیدے کے مطابق کائنات کے خالق کی حیثیت معطل ہے۔ مزید برآں وہ نبوت، عبادات، اور بعثت کا اِبطال کرتے ہیں لیکن وہ اِبتدائی طور پر اس اَمر کا اِظہار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے، محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور دین صحیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک سرّ اور غیر ظاہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے انہیں دھوکے میں رکھا اور مختلف گمراہ مذاہب حسین کر کے دکھائے۔''

نوٹ: باطنیہ اور اس کے دیگر فرقِ باطلہ کی تفصیلات کے لیے **الفرق بين الفرق** از عبد القاہر بغدادی: ۱۱۴، **مجموع الفتاوی** از ابن تیمیہ، ۲۸: ۴۶۸-۴۸۴ اور **تاریخ المذاہب الإسلامیہ** از ابو زہرہ، : ۴۴-۵۹ ملاحظہ فرمائیں۔

٦۔ قدریہ

کفار و مشرکین اپنے شرک اور اَعمالِ فاسدہ کو جواز فراہم کرنے کے لیے تقدیر کا

سہارا لیتے تھے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ط(۱)

''اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی پرستش نہ کرتے، نہ ہی ہم اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔''

ان کفّار و مشرکین کا مدعا یہ تھا کہ اگر اللہ کے نزدیک ہمارے یہ اعمال ناپسندیدہ ہوتے تو وہ سختی سے ہمیں ان سے منع کر دیتا اور ہم وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتے۔ اللہ ﷻ نے اُن کے ان شبہات کا ردّ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ O(۲)

''تو کیا رسولوں کے ذمہ (اللہ کے پیغام اور احکام) واضح طور پر پہنچا دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟''

اِرشادِ باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اے منکرینِ حق! معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ اللہ نے تمہیں ان اعمالِ باطلہ سے منع نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اُس نے تمہیں اِن اُمور سے سختی سے منع کیا ہے اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی ہے۔ اس مقصد کے حصول اور پیغامِ حق کے اِبلاغ کے لیے اُس نے ہر اُمت اور اِنسانوں کے ہر طبقے میں اپنے رسول بھیجے۔(۳)

مشرکینِ قریش تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اور اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کو ترک کرنے میں اسے حجت ٹھہراتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ اور

(۱) القرآن، النحل ۱۶: ۳۵

(۲) القرآن، النحل ۱۶: ۳۵

(۳) ابنِ کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۱۹۳

اُمت کو قدریہ کے خیالات و نظریات سے دور رہنے اور ان سے قطع تعلق کی تلقین کی ہے اور قدریہ کو اس اُمت کے مجوسی قرار دیا ہے۔ **اِمام اَبو داؤد** (۲۷۵ھ) نے **کتاب السنة** میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

القدرية مجوس هذه الأمة إن مرضوا فلا تعودوهم و إن ماتوا فلا تشهدوهم۔(۱)

''قدریہ اس اُمت کے مجوس ہیں۔اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونا''

مسئلہ قدر پر بحث و تمحیص کا آغاز دورِ صحابہ کے آخر میں عبد الملک بن مروان بن حکم (۸۶ھ) کے عہد میں ہوا(۲)۔ پہلا شخص جس نے تقدیر پر کلام کیا **معبد الجهنی** تھا(۳)۔ اِمام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ قدر پر سب سے پہلے بحث کا آغاز اہلِ عراق میں سے سوسن(۴) نامی شخص نے کیا جو پہلے نصرانی تھا پھر مسلمان ہوا اوراس کے بعد دوبارہ عیسائی ہو گیا۔ اس کے نظریات کو معبد الجہنی نے اِختیار کیا جسے عبدالملک بن مروان نے ۸۰ھ میں قتل کروا دیا تھا(۵) اور معبد الجہنی سے اس عقیدے کو غیلان بن مسلم الدمشقی نے لیا اور آگے پھیلایا۔(۶)

معتزلہ نے قدر کے حوالے سے یہ مؤقف اِختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ اَفعال العباد کو ان کے وقوع سے قبل جاننے والا ہے لیکن اَفعالِ شر اس کی مشیت اور تخلیق میں سے

---

(۱) ۱۔ أبو داؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی القدر، ۴:۲۲۲، رقم:۴۶۹۱
۲۔ ابن أبی عاصم، کتاب السنة، ۱:۱۴۴
۳۔ أحمد، المسند، ۵:۴۰۶

(۲) ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۴:۲۶۴

(۳) ابن أثیر، الکامل فی التاریخ، ۴:۷۵

(۴) ابن حجر عسقلانی، تهذیب التهذیب، ۱۰: ۲۲۶

(۵) ذهبی، العبر فی خبر من غبر، ۱:۶۸

(۶) ۱۔ الالکائی، إعتقاد أهل السنة والجماعة، ۱: ۴۲۱، رقم:۱۳۹۸
۲۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، ۹:۳۴

نہیں ہیں بلکہ یہ فقط بندوں کے اَفعال ہیں۔ اسکے بعد قدریہ کے کئی گروہ بن گئے اور ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔(۱)

معتزلہ کہتے تھے کہ عدلِ الٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اگر انسان کے لئے سزا اور جزا کا مستوجب ہونا ضروری ہے تو اس کا اپنے اَفعال میں آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔(۲)

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات یعنی نیکی اور بھلائی کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی اِحداث و بدعت کے مفہوم اور اس کے دائرے کو متعین فرما کر واضح کر دیا تھا کہ کس سطح کے اُمور مُحدثات و بدعات ہوں گے اور کون سے نہیں۔ اگر ہر نئے کام کو اس کی ماہیئت، افادیت، مقصدیت اور مشروعیت کا تجزیہ کیے بغیر بدعت قرار دے کر مذموم تصور کر لیا جائے تو عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی، اِجتہادی اور اجتماعی فیصلے، اَحکام، مذہبی رسوم اور معاملات معاذ اللہ ضلالت و گمراہی قرار پاتے اور ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اِجتہاد و استحسان اور مصالح و استصلاح کا دروازہ بند ہو جاتا جس سے لا محالہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا قابلِ عمل ہونا بھی نا ممکن ہو جاتا۔ پس اگر کوئی عمل نہ قرآن میں مذکور ہو اور نہ ہی رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو اور بعدازاں اُمت کے صلحاء و علماء از خود کسی نئے عمل یعنی ''بدعت مباحہ'' کو اپنا لیں لیکن اس کا محرّک رضائے الٰہی کا حصول ہو تو إنما الاعمال بالنیات[۳] کے تحت یہ بدعت بھی عنداللہ مقبول اور باعث اجر و ثواب قرار پا

(۱) عبد القاہر بغدادی، الفرق بین الفرق: ۱۱۴

(۲) الشہرستانی، الملل والنحل، ۱:۵۴

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۳، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، رقم: ۱
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۶۲،کتاب الطلاق، باب فیما عنٰی به الطلاق والنیات رقم: ۲۲۰۱
۳۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۴۱۳، کتاب الزہد، باب النیة، رقم: ۴۲۲۷

جائے گی، اسی کو بدعتِ حسنہ یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔

نیکی اور بھلائی کے چھوٹے چھوٹے اُمور پر بدعت اور اِحداث کا اِطلاق کرنا بذاتِ خود محدثۃ اور ضلالۃ ہے۔ اِسی طرح دین کے اُمورِ صالحات، نفلی عبادات اور خیرات وصدقات یہ سب نہ دین کی ضروریات میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ دین میں اضافہ ہیں لہٰذا ایسے جملہ اُمور کو بدعت کہنا فتنہ پروری اور حکمتِ دین کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور خلفاءِ راشدین نے دین میں اِحداث اور بدعت صرف فتنہء اِرتداد، فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ اور فتنہء اِدعائے نبوت کی سطح کے اُمور کو کہا ہے اور اِس کے علاوہ دیگر تمام مستحبات و مستحسنات اور حسنات و صالحات کی تحسین کی ہے۔

ہر نئی چیز کو بدعت جان کر گمراہی پر محمول کرنا نہ صرف ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے بلکہ علمی و فکری اعتبار سے باعثِ ندامت اور قابلِ افسوس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اگر بدعت کے اس مفہوم کو گمراہی کا معیار قرار دے دیا جائے تو عصرِ حاضر اور اس کے بعد ہونے والی تمام علمی و سائنسی ترقی سے آنکھیں بند کر کے ملت اسلامیہ دوسری تمام غیر دینی، باطل اور طاغوتی اقوام و ملل کے مقابلے میں عاجز و محتاج اور عصری تقاضوں سے نا بلد و نا آشنا ہو کر رہ جائے گی۔ وعدۂ خداوندی کے تحت دینِ اسلام کو تمام اَدیانِ باطلہ پر غالب کرنے اور اسلامی تہذیب و ثقافت، مذہبی اقدار اور نظامِ حیات میں برتری اور اِرتقاء کے حصول کی تمام کوششیں غیر مؤثر ٹھہریں گی۔ دین کی اِسی حکمت کے پیشِ نظر قرونِ اُولیٰ میں اِجتہادی اور اِستحبابی نوعیت کے نئے اُمور پر بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا بلکہ ضرورت و مصلحتِ دین کے تحت ایسے اِجتہادات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس حوالے سے چند نظائر و واقعات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جمع و تدوینِ قرآن کے لیے جب حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حالات کا تقاضا ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تا کہ اس کی حفاظت کا مستقل انتظام ہو سکے تو اِبتداءً سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں لہٰذا انہوں نے فرمایا: **کیف أفعل شیئا؟ ما لم یفعله رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱) ''میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اُس حکمت ومصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی لہٰذا انہوں نے جواب دیا: اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن **ھو و اللہ خیر** (۲) ''یعنی اللہ کی قسم یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے'' لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہئے۔

اس گفتگو کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انشراح صدر نصیب ہوا لہٰذا انہوں نے جب حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کے بارے میں فرمایا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ابھرے تھے لہٰذا کہنے لگے: **کیف تفعلان شیئا؟ لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **فقال: أبوبکر ھو واللہ خیر** (۳) ''آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۹، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عا قلاً، رقم: ۶۷۶۸
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶
۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

(۲) ایضاً

(۳) بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے‘‘

مذکورہ حدیث مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے نیا ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ’’**هو والله خير**‘‘ اس سے یہ ثابت ہوا کہ **قرونِ اُولیٰ میں ہر وہ نیا کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت اور موافقِ دین ہوتا نہ صرف اسے جائز تصور کیا جاتا بلکہ ایسے اُمور کا بجا لانا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھا۔**

۲۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نمازِ تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انفرادی طور پر اپنی اپنی نمازِ تراویح پڑھ لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح باجماعت پڑھنے کے لئے مجتمع فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں جب دوسری رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم البدعة هذه والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون یرید

آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔(۱)

”**یہ کتنی اچھی بدعت ھے** اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔“

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ”**نعم البدعة هذه**“فرما کر واضح کر دیا کہ دین میں ہر نیا کام بدعتِ ضلالہ نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمور حسنہ بھی ہوتے ہیں وگرنہ آج تک اُمتِ مسلمہ کے جو اَفراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نماز تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دورِ صحابہ میں مبنی بر خیر نئے اُمور کو اِستحسان کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ہر نئے عمل پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ **اِمام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) مساجد میں نمازِ جمعہ سے قبل جو دوسری اَذان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنّ التأذين الثاني يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بيہقی، السنن الكبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بيہقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجمعه، باب الجلوس على المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ واديا‌شی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوكانی، نيل الاوطار، ۳: ۳۲۳

’’جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة، ولعلّه أراد ما أراد أبوه فی قيام شهر رمضان۔(۱)

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اَذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی (یعنی یہ نعم البدعة ہے)‘‘

مذکورہ بالا تینوں اُمور اگرچہ حیاتِ نبوی میں موجودہ صورت میں رواج پذیر نہیں تھے لیکن چونکہ مبنی بر خیر و حکمت تھے لہٰذا صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک اَفرادِ اُمت اِن پر عمل کرتے چلے آ رہے ہیں اور اِن اُمورِ حسنہ پر کسی نے بھی کبھی بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں کیا۔

تابعین اور تبع تابعین اپنے دور میں اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینِ اسلام کے خلاف اِحداث و بدعت کے مرتکبین اور فتنہ پروروں کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمهم الله تمام اپنے اپنے ادوار میں اَہلِ بدعت اور اَہلِ ہوا سے اجتناب کرتے تھے اور عام لوگوں کو بھی ان

(۱) ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحکم، ۳:۲۵۲

سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ذیل میں ہم نفسِ مضمون سے متعلق پہلے چند اَحادیثِ نبویہ پیش کریں گے پھر اس کے بعد اسی حوالے سے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال درج کریں گے جس سے یہ حقیقت مترشح ہو جائے گی کہ اَخیارِ اُمت شروع سے ہی اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۱۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اور **امام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) نے **حضرت علی** رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے فتنے پیدا کرنے والے بدعتیوں کی مذمت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

المدينة حرم ما بين عير إلى ثور فمن أحدث فيها حدثا أو اٰوٰى مُحْدِثًا فعليه لعنة اللہ و الملٰئِكة و النّاس أجمعين لا يقبل منه يوم القيامة صرفٌ و لا عدلٌ۔(۱)

''مدینہ منورہ مقامِ عیر سے لے کر مقامِ ثور تک حرم ہے۔ جس نے اس میں کوئی فتنہ پیدا کیا یا کسی فتنہ پرور کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، قیامت کے روز نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الفرائض، باب إثمّ من تبرّأ من موالیه، ۶:۲۴۸۲، رقم:۶۳۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینة، ۲:۹۹۵، رقم:۱۳۷۰

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۳:۲۳۹، رقم:۴۸۱۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱:۸۱، رقم:۶۱۵

۵۔ ابو یعلی، المسند، ۱:۲۲۸، رقم:۲۶۳

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵:۱۹۶، رقم: ۹۷۳۳

۷۔ ابو نعیم اصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الأمام مسلم، ۴:۴۰، رقم:۳۱۷۳

۸۔ طیالسی، المسند، ۱:۲۶، رقم:۱۸۴

۲۔ اِمام ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین میں نئے فتنے پیدا کرنے والوں کی کوئی عبادت قبول نہیں مزید برآں وہ دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا يقبل الله لصاحب بدعة صومًا و لا صلوٰةً و لا صدقةً و لا حجًّا و لا عمرةً و لا جهادًا و لا صرفًا و لا عدلًا يخرج من الاسلام كما تخرج الشّعرة من العجين۔(۱)

’’اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کا روزہ، نماز، صدقہ، حج وعمرہ اور جہاد قبول نہیں کرتا اور نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔‘‘

۳۔ اِمام ابو القاسم ہبۃ اللہ لالکائی (۴۱۸ھ) نے عن هشام بن حسّان عن الحسن کے طریق سے بھی اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے۔(۲)

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) نے حضرت غضیف بن حرث الثمالی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنّة فتمسّک بسنّة خير

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب إجتناب البدع والجدل، ۱: ۱۹، رقم: ۴۹
۲۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۱: ۴۶، رقم: ۸۷
۳۔ كنانی، مصباح الزجاجة، ۱: ۱۰، رقم: ۱۸
۴۔ مناوی، فيض القدير، ۱: ۷۳
۵۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۶: ۳۷۴، رقم: ۵۵۸۳

(۲) لالكائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۰

من إحداث بدعة۔(۱)

''جب کوئی قوم دین میں نیا فتنہ نکالتی ہے تو اس کے مثل ایک سنت اُٹھا لی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوط پکڑنا نیا فتنہ نکالنے سے بہتر ہے۔''

۵۔ امام طبرانیؒ (۳۶۰ھ) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ حجب التوبة عن کلّ صاحب بدعة۔(۲)

''اللہ تعالیٰ نے ہر فتنہ پرور پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔''

۶۔ امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) نے ابراہیم بن میسر سے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۰۵، رقم: ۱۷۰۹۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۸۸
۳۔ منذری، الترغیب و الترھیب، ۱:۴۵، رقم: ۸۳
۴۔ مناوی، فیض القدیر، ۵:۴۱۳
۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۶۶
۶۔ عبد الباقی، معجم الصحابة، ۲:۳۱۶، رقم:۸۵۵

(۲) ۱۔ ابن راھویه، المسند، ۱:۳۷۷، رقم: ۳۹۷
۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱:۲۱، رقم:۳۸
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴:۲۸۱، رقم: ۴۲۰۲
۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۵۹، رقم: ۹۴۵۷
۵۔ منذری، الترغیب و الترھیب، ۱:۴۵، رقم: ۸۷
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۸۹
۷۔ ابن جوزی، العلل المتناھیة، ۱:۱۴۵، رقم:۲۱۱

من وقّر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام۔(۱)

''جس نے کسی فتنہ پرور کی تعظیم وتوقیر کی تو گویا اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد اور اعانت کی۔''

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا انما هم اصحاب البدع و اصحاب الاهواء و اصحاب الضلالة من هذه الاُمّة. يا عائشة ان لكلّ صاحب ذنب توبة غير اصحاب البدع و اصحاب الاهواء ليس لهم توبة و انا برئ منهم و هم منّا برآء۔(۲)

''جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقوں میں بٹ گئے وہ اس اُمت کے فتنہ پرور، نفس پرست اور گمراہ طبقے ہیں۔ اے عائشہ رضی اللہ عنہا فتنہ پروروں اور خواہش پرستوں کے علاوہ ہر گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن اِن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ میں ان سے بیزار اور یہ مجھ سے بیزار ہیں۔''

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷:۳۵

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷:۶۱، رقم: ۹۴۶۴

۳۔ مناوی، فیض القدیر، ۶:۲۳۷

۴۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۲۶۴، رقم: ۳۷۱۰

۵۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیا، ۵:۲۱۸

۶۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۲:۲۸۱، رقم: ۵۶۷

۷۔ ذہبی، میزان الإعتدال فی نقد الرجال، ۲:۷۳، رقم: ۱۳۳۱

(۲) ۱۔ أبو نعیم اصبہانی، حلیة الاولیا، ۴:۱۳۸

۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱:۸، رقم: ۴

۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷:۹۷

۴۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۶۰

۸۔ حضرت **عبد اللہ بن عباس** ﷺ (۶۸ھ) آیت **يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ** (ال عمران، ۳:۱۰۶) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تبيضّ وجوه أهل السنّة و تسودّ وجوه أهل البدعة۔(۱)

''روشن چہرے اہل سنت کے ہوں گے اور سیاہ چہرے اہل بدعت کے ہوں گے۔''

حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ (۷۳ھ) نے بھی یہی اَلفاظ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کئے ہیں۔(۲)

۹۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ، اِمام اَوزاعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت **عطا خراسانیؒ** نے فرمایا:

ما يكاد الله أن يأذن لصاحب بدعة بتوبة۔(۳)

''اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کی توبہ کو قبول نہیں کرتا''

۱۰۔ یوسف بن اَسباط بیان کرتے ہیں کہ **محمد بن نضر الحارثیؒ** نے فرمایا:

من أصغى سمعه إلى صاحب بدعة، وهو يعلم أنه صاحب بدعة، نزعت منه العصمة، و وُكِل إلى نفسه۔(۴)

---

(۱) ۱۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵:۵۲۹
۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴:۱۰۷
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۵۸۴
۴۔ سیوطی، مفتاح الجنة، ۱:۶۵

(۲) ۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴:۱۰۸

(۳) ۱۔ اللالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۸۱
۲۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیا، ۵:۱۹۸
۳۔ مزی، تہذیب الکمال، ۲۰:۱۱۲

(۴) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۷۸

''جو اپنے کان فتنہ پروروں کی باتیں سننے پر لگائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ فتنہ پرور ہیں تو اُس سے حفاظت کا ہاتھ اُٹھا لیا جاتا ہے اور اُسے اسکے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے''

۱۱۔ امام **حسن بصریؒ** (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

لا تجالس صاحب بدعة فانّه يمرض قلبک۔(۱)

''کسی فتنہ پرور کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔''

۱۲۔ إسماعيل الطّوسي بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے **عبداللہ ابن مبارکؒ** (۱۸۱ھ) نے فرمایا:

يكون مجلسک مع المساكين، و إيّاک أن تجالس صاحب بدعة۔(۲)

''تیری مجلس صرف مساکین کے ساتھ ہونی چاہیے۔فتنہ پروروں کی مجالست سے بچو۔''

۱۳۔ **امام أوزاعیؒ** (۱۵۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے فرمایا:

إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في غيره۔(۳)

---

(۱) ۱۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۸۳
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۷۴

(۲) ۱۔ لالكائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۴
۳۔ ابو نعيم اصبهانی، حلية الأوليا، ۸: ۱۰۴

(۳) ۱۔ لالكائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۰، رقم: ۹۴۶۲
۳۔ ابو نعيم اصبهانی، حلية الأوليا، ۳: ۶۹
۴۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۶: ۲۹

''جب تو کسی فتنہ پرور سے کبھی راستہ میں ملے تو راستے کو بدل لے۔''

۱۴۔ حضرت **فضیل بن عیاض** بدعتیوں سے دور رہنے اور ان سے رابطہ نہ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں۔

لا تجلس مع صاحب بدعة، أحبط الله عمله، و أخرج نور الإسلام من قلبه. وإذا أحب الله عبدًا، طيب له مطعمه. و قال صاحب البدعة لا تأمنه على دينک، ولا تشاوره في أمرک، ولا تجلس إليه، فمن جلس إلى صاحب بدعة، ورثه الله العمىٰ. و قال فى مقام آخر إنّ للهِ ملائكة يطلبون حلق الذكر، فانظر مع من يكون مجلسک: لا يكون مع صاحب بدعة، فإن الله لا ينظر إليهم، و علامة النفاق أن يقوم الرجل و يقعد مع صاحب بدعة. و قال أدركت خيار النّاس كلهم أصحاب سنة، و ينهون عن أصحاب البدع. و قال لا يرفع لصاحب بدعة إلى الله عمل۔(۱)

''فتنہ پرور کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اللہ تعالی نے اس کے عمل کو ضائع کر دیا ہے اور اسلام کا نور اس کے سینے سے نکال دیا ہے۔ جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی خوراک کو پاک کر دیتا ہے۔ مزید فرمایا کسی فتنہ پرور کو اپنے دین پر اَمین نہ بناؤ نہ اس سے مشورہ لو اور نہ اس کے پاس بیٹھو۔ کیونکہ جو کسی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اللہ تعالی اس کا حشر اَندھوں کے ساتھ کرے گا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ہر وقت مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں لہٰذا تو اس امر پر غور کر کہ تیرا ہم مجلس کون ہے۔ بدعتی کی مجالست اِختیار نہ کر کیونکہ

(۱) ۱۔ لالكائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۷۹-۸۰
۲۔ ابو نعيم اصبهانی، حلية الأولياء، ۸:۱۰۳
۳۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۸:۴۳۵
۴۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۷:۱۳

اللہ تعالی اس پر نظرِ کرم نہیں فرماتا۔ نفاق کی علامت یہ ہے کہ کسی کی نشست و برخاست بدعتی کے ساتھ ہو۔مزید فرمایا کہ میں نے تمام اَخیارِ اُمت کو اُصحابِ سنت پایا ہے جو کہ بدعتیوں سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے تھے۔فرمایا کہ بدعتی کا کوئی عمل قبولیت کے لیے اللہ کی طرف اُٹھایا نہیں جاتا''

۱۵۔ علامہ ابنِ جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت **سفیان بن عیینہؒ** نے فرمایا:

كلّ صاحب بدعة ذليل و تلا هذه الآية ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [اعراف، ۷: ۱۵۲]۔(۱)

''ہر فتنہ پرور ذلیل ہے پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی (بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا ہے انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب بھی پہنچے گا اور دنیوی زندگی میں ذلت بھی)۔''

۱۶۔ **امام حسن بصری** رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''فتنہ پرور کے چہرے پر بدعت کی وجہ سے ذلت برستی رہتی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی شان وشوکت رکھتا ہو۔''(۲)

۱۷۔ **حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ** (۱۸۱ھ) فتنہ پروروں کی ظاہری نحوست بیان کرتے ہوئے اِرشادفرماتے ہیں:

صاحب البدعة على وجهه الظلمة، و إن أدهن كل يوم

---

(۱) ۱۔ ابنِ جریر طبری، **جامع البيان عن تأويل أي القرآن، ۹: ۷۰**

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، **۲: ۲۹۵**

۳۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، **۵: ۷۰**

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، **۲: ۳۹۵**

ثلاثين مرّة۔(۱)

''فتنہ پرور کے چہرے پر ظلمت چھائی رہتی ہے اگرچہ وہ دن میں اسے تیس مرتبہ ہی تر کیوں نہ کرے''

۱۸۔ اِمام اَعمشؒ بیان کرتے ہیں کہ **حضرت ابراہیمؒ** نے فرمایا:

ليس لصاحب بدعة غيبة۔(۲)

''بدعتی کی (فتنہ پروری کو واضح کرنا) کوئی غیبت نہیں ہے''

۱۹۔ اسی طرح **امام حسن بصریؒ** (۱۱۰ھ) بیان فرماتے ہیں:

ثلاثة ليست لهم حرمة في الغيبة: أحدهم صاحب بدعة الغالي ببدعته۔(۳)

''تین افراد ایسے ہیں جن کی غیبت کرنا حرام نہیں ہے۔ان میں ایک غالی بدعتی ہے جو اپنی بدعت میں بہت غلو کرنے والا ہے''

۲۰۔ مؤمل بن اِسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے **حضرت سفیان ثوریؒ** (۱۶۱ھ) کو فرماتے ہوئے سنا:

المسلمون كلهم عندنا على حالة حسنة إلا رجلين: صاحب بدعة، أو صاحب سلطان۔(۴)

''ہمارے نزدیک دو افراد کے علاوہ تمام مسلمان اچھی حالت پر ہوتے ہیں ان

---

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۸۱

(۲) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۸۱

(۳) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۸۱
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷:۱۱۰، ۹۶۶۹

(۴) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۷۸

میں سے ایک فتنہ پرور اور دوسرا اُمراء کی دریوزہ گری کرنے والا ہے‘‘

۲۱۔ آیت **فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ**(۱) کے تحت **علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ** (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

و استدل بعضهم بالآية على تحريم مجالسة الفاسق و المبتدعين من اى جنس كانوا، و اليه ذهب ابن مسعود و ابراهيم و أبو وائل، و به قال عمر بن عبد العزيز ۔(۲)

’’بعض مفسرین نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ہر قسم کے فسّاق اور بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے اور یہی قول عبد اللہ بن مسعودؓ، ابراہیمؒ، ابووائلؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے‘‘

۲۲۔ **اِمام قرطبیؒ** (٦٦٨ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن الضحاک قال دخل فى هذه الآية كل مُحْدِث فى الدّين مبتدع الى يوم القيامة۔(۳)

’’امام ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جو دین میں نئی بات نکالے اور قیامت تک ہر فتنہ پرور بھی اس میں شامل ہوگیا۔‘‘

۲۳۔ **علامہ فخر الدین رازیؒ** (٦٠٦ھ) آیت **اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ**ط(۴) کی تفسیر میں امامِ تفسیر **حضرت مجاہدؒ** (۱۰۲ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال المجاهد إنّ الّذين فرّقوا دينهم من هذه الاُمّة هم أهل البدع

(۱) النساء، ۴:۱۴۰

(۲) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۳: ۱۷۴

(۳) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۲۶۸

(۴) انعام، ٦:۱۵۹

والشّبهات و اعلم انّ المراد من الآیة الحثّ عن ان تکون کلمة المسلمین واحدة و ان لا یتفرّقوا فی الدّین و لا یبتدعوا البدع۔(۱)

''حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کیا وہ فتنہ پرور اور اہل شبہات ہیں۔ آیت کا مقصود اُمت کو اِجتماعیت اور کلمۂ واحدہ پر آمادہ کرنا ہے اور یہ کہ دین میں فرقہ بندیوں اور بدعات سے احتراز کرے۔''

قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

قرونِ اولیٰ میں لفظِ بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا اور اس سے مراد ایسے فِتن تھے جو دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کردیں یا ان کا انکار کردیں اور یہ ارتداد پر مبنی ہوں۔ لہٰذا بدعاتِ ضلالۃ سے مراد چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اختلافات نہیں بلکہ ان سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الاسلام'' اور ''ارتداد'' کا باعث بنے۔ آپ ﷺ کی سنت اور امرِ دین کو کاٹے اور ''اختلافِ کثیر'' بن کر اُمت میں ظاہر ہو مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور بعد از موت حیات پر اِیمان) میں سے کسی کا انکار، اسلام کے اَرکانِ خمسہ (ایمان باللہ والرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا انکار، یا ارکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختم نبوت کا انکار، تحریف قرآن (کمی یا زیادتی)، سنت کا انکار، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز، وغیرہم جیسے کفریہ عقائد گھڑ لے تو اس سطح کے فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے، اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنائے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

---

(۱) رازی، تفسیر کبیر، ۱۳: ۹

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں بدعت اور احداث فی الدین کا اِطلاق چھوٹے چھوٹے فروعی اورنزاعی اِختلافات پرنہیں بلکہ صرف اُن امور پر ہوتا تھا جن سے خروج عن الاسلام یا اِرتداد لازم آئے اور اُمت اِس اِحداث کی وجہ سے اِختلافِ کثیر کا شکار ہو کر آپس میں بٹ جائے اور اس کا اِتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔ احادیث مبارکہ میں اسی بدعتِ ضلالت کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ لہٰذا بدعت سے مراد فقط فتنہ اِرتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا مختلف ادوار میں بعد میں پیدا ہوں گی۔ بصورت دیگر اس پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ پس آج بھی کسی امر یا معاملہ پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق کرنے کے لیے ارتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی امر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعت ضلالت میں شمار ہوتی ہے یا نہیں؟

لہٰذا چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، ایصال ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور ''**محدثات الأُمور**'' نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان سے نہ تو **خروج عن الاسلام** لازم آتا ہے اور نہ ہی ارتداد، بلکہ یہ اصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جبکہ ''**محدثات الأُمور**'' ان فتنوں کو کہا گیا جن کی وجہ سے اُمت میں اختلافِ کثیر پیدا ہوا، اور امت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔

تعجب ہے ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور ایصال ثواب وغیرہم جیسے اعمال حسنہ کو محدثات الأُمور اور بدعاتِ ضلالۃ قرار دیا ہے۔ کوئی اِن اُمور پر اِعتقاد رکھے نہ رکھے یہ اس کی صوابدید ہے لیکن ان کو دین میں بدعت قرار دینا حضور نبی اکرم ﷺ، صحابہ اور تابعین کی سنت سے انکار، حدیث سے انکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ **لیس علیه أمرنا** کا بھی یہی معنی ہے، یہ درحقیقت دین کے اندر اُمور مستحبات ہیں جنہیں کسی بھی دور میں اہلِ حق نے کبھی بھی اِحداث و بدعات قرار نہیں دیا۔

باب: ۷

اِجتہاد اور تصورِ بدعت

- أَجْتَهِدُ بِرَأيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال
- اِجتہاد پر اَجر وثواب کی نوید
- اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت
- مثالوں سے وضاحت
- خلاصۂ بحث

زندگی کی تمام تر اِرتقا پذیری اِجتہاد ہی کی مرہونِ منت ہے۔ مجتہدین کا سب سے بڑا کارنامہ ہی ممکناتِ حیات کو بروئے کار لا کر اِنہیں ترقی کی راہ پر لگانا ہے۔ دینِ اِسلام کی فطرت میں اللہ ﷻ نے ایسی خوشگوار اور اَبدی لچک رکھی ہے کہ اگر ایک طرف یہ تمام اَحوال و ظروف اور زمان و مکان کے مطابق معاشرے کی اِنفرادی اور اِجتماعی ضروریات کو پورا کرتا ہے تو دوسری طرف اپنے تمام اَساسی اور بنیادی اُصولوں کو قائم رکھتے ہوئے اپنی ہیئتِ اَصلیہ کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ ذیل ہم چند اَحادیثِ نبویہ کی روشنی میں ''اِجتہاد اور تصورِ بدعت'' کے حوالے سے تفصیلات بیان کریں گے تاکہ نفسِ مضمون سے متعلق ذہنوں میں پائے جانے والے اِبہام کو دور کیا جا سکے۔

حدیث أَجْتَهِدُ بِرَأيِ سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال

اگر کسی مسئلہ کا کوئی حل قرآنِ مجید اور سنّت نبوی ﷺ دونوں سے نہ ملے تو اِجتہاد کرنا نہ صرف جائز بلکہ حکمِ نبوی پر مبنی ہے۔ یہ حکم اَزخود نئے کام کو جو قرآن و سنّت میں نہ تھا، محض خیر اور دینی ضرورت و مصلحت کی بنا پر نہ صرف جواز فراہم کر رہا ہے بلکہ خود اس عملِ اجتہاد کو بھی سنّت بنا رہا ہے۔ اس حقیقت پر حدیثِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شاہد عادل ہے۔ امام ابو داوُدؒ (۲۷۵ھ) اپنی سنن میں کتاب الأقضیه، باب اجتهاد الرأی فی القضاء میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن سے پوچھا:

كيف تقضي إذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضي بكتاب الله قال: فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال: فبسُنة رسول الله ﷺ قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله ﷺ ولا في كتاب الله؟ قال: أجتهد

برأي ولا آلو قال: فضرب رسول الله ﷺ صدره، فقال: الحمد لله الذي وفّق رسول رسول الله ﷺ لما يرضي رسول الله ﷺ۔(١)

’’(اے معاذ رضی اللہ عنہ) جب آپ کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا جائے گا تو آپ کس طرح اس کا فیصلہ کریں گے؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو اس معاملے کو کتاب اللہ میں نہ پائے تو اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر میں سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر حضور علیه الصلاۃ و السلام نے فرمایا: اگر تو اس معاملے کا حل سنت رسول ﷺ اور کتاب اللہ میں بھی نہ پائے تو انہوں نے عرض کیا کہ **پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے (اپنا دستِ شفقت) میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اس خدا کی ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے نمائندہ کو ایسی توفیق بخشی جو اس کے رسول ﷺ کی رضا کا سبب ہے۔‘‘**

اس حدیثِ مبارکہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ’’أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي‘‘ اور اس پر حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ لِمَا يُرْضِیُ

---

(١) ١۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القضاء، باب اِجتهاد الرائی فی القضاء، ٣:٣٠٣، رقم:٣٥٩٢

٢۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ابواب الأحكام، باب ما جاء فی القاضی، ٣: ٦١٦، رقم:١٣٢٧

٣۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ١٠: ١١٤، رقم: ٢٠٣٣٩

٤۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ٤: ٥٤٣

٥۔ طيالسی، المسند، ١: ٧٦، رقم: ٥٥٩

٦۔ عبد بن حميد، المسند، ١: ٧٢، رقم: ١٢٤

٧۔ طبرانی، المعجم الكبير، ٢٠: ١٧٠، رقم: ٣٦٢

رَسُوْلَ اللهِ ﷺ‘‘ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے جواب پر نہ صرف اِطمینان کا اِظہار کیا گیا بلکہ اِس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اَمر قرآن و سنت میں نہ ہو بلکہ اِجتہاد اور رائے محمود کی بنیاد پر طے کیا جائے تو یہ نہ صرف مستحسن ہے بلکہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کا منظور شدہ طریق ہے۔ یہی اُصول ’’بدعت حسنہ‘‘ میں کارفرما ہے جو اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نئے نئے پیش آمدہ مسائل میں رائے اور اِجتہاد سے کام لینے اور اپنی فہم و بصیرت سے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ **علامہ ابن قیم جوزی** (۷۵۱ھ)، إعلام الموقعین میں نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض ناگزیر حالات میں اپنی رائے سے اِجتہاد اور اہلِ علم سے مشورہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے **قاضی شریح** (۷۶ھ) کو فرمایا:

أن أقض بما استبان لک من قضاء رسول الله ﷺ فإن لم تعلم کل أقضية رسول الله ﷺ فاقض بما استبان لک من ائمة المهتدين فإن لم تعلم کل بما قضيت به ائمة المهتدين فاجتهد رأيک واستشر أهل العلم والصّلاح۔(۱)

’’جو بات رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے ظاہر ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اگر رسول اللہ ﷺ کے تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو ہدایت یافتہ ائمہ کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ان کے بھی تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہلِ علم و صلاح سے مشورہ کرو۔‘‘

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ اُصول بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر نفس الامر اور اس کا حل خود قرآن و سنّت سے ثابت نہیں تو اس کے حل کا طریق جو مبنی بر ’’رائے و اجتہاد‘‘ ہے وہ تو سنّت سے ثابت ہے لہٰذا ’’نفس الامر اور اس کا حل‘‘ نیا ہونے کی بنا پر تو ’’بدعت‘‘ ہوئے مگر اس حل کا طریق مشروع ہے اس لئے تابع سنّت ہوا۔ سو ’’نئے پن‘‘ نے اس عمل کو بدعتِ لغوی بنایا تھا اور طریق کی مشروعیت نے اسے بدعت حسنہ بنا دیا۔ **یہی وہ دائمی**

(۱) ابن قیم، اعلام الموقعین : ۹۷

اصول ہے جو دین اسلام کی تعلیمات کو زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اُصول کے باعث اِسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اِسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیّت (Dynamism) اور لایزال مطابقیت (Un-ending compatability) برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید

جب کوئی مجتہد خلوصِ نیت کے ساتھ کسی حکم کا اِستنباط کرتا ہے اور وہ حکم درست ہو تو اسے اللہ کی طرف سے دو اَجر ملتے ہیں اور اگر وہ حکم درست نہ ہو بلکہ غلط ہو تب بھی اس مجتہد کو اپنے اِجتہاد پر ایک اَجر ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ۔(۱)

’’جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کردے تو اس کے لئے دو

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم إذا اجتهد، ۶:۲۶۷۶، رقم: ۶۹۱۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیه، باب بیان اجر الحاکم إذا اجتہد فأصاب او اخطأ، ۳:۱۳۴۲، رقم: ۱۷۱۶

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی يُصيب ويخطیٰ، ۳: ۶۱۵، رقم: ۱۳۲۶

۴۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القضاء ،باب فی القاضی يُخْطِی، ۳:۲۹۹، رقم: ۳۵۷۴

۵۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاۃ، باب الاصابة فی الحکم، ۸:۲۲۳، رقم: ۵۳۸۱

۶۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق، ۲: ۷۷۶، رقم: ۲۳۱۴

اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجتہد کی اس قدر حوصلہ افزائی کیوں؟ کہ غلطی اور خطا پر بھی اسے ''اجر'' سے نوازا جائے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر مجتہدین و محققین کو اِس اَمر کا پابند کر دیا جائے کہ وہ نظام الأحکام کو صرف عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے قضایا اور نظائر تک محدود رکھیں اور نئے اقدامات کو بدعت سمجھ کر چھوڑ دیں تو قدیم اور جدید میں فاصلے برقرار رہتے۔ جس کے نتیجے میں لامحالہ اسلامی طرزِ زندگی جمود کا شکار ہو جاتی، چونکہ مجتہد نئے فیصلوں کے ذریعے امکانِ جمود کو ختم کرتا ہے، احکامِ شریعت کے تحرک و تسلسل کے برقرار رہنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غلط نتیجہ برآمد ہونے کی صورت میں بھی اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی اس کی مجتہدانہ کاوش اور جرأت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ فیصلہ صاف ظاہر ہے ایک ''نیا قدم'' ہی ہوگا۔ **اگر نصوصِ قرآن و سنّت یا عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ سے ثابت ہوتا تو اجتہاد نہ کہلاتا بلکہ وہ حکمِ منصوص ہی ہوتا چونکہ وہ اَساسی مصادر سے یا زمانہ تشکیلِ سنّت سے ثابت نہیں ہے اس لئے لغۃً بدعت ہے، طریقۃً اجتہاد ہے، ضرورۃً مصلحت ہے اور حکمًا ''حسنہ'' ہے۔ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ یہی ''اِجتہادِ ماجور'' ہے اور یہ حکمِ رسول ﷺ ہے۔ اور اصلاً سنّتِ نبوی ﷺ کے تابع ہے۔**

اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت

اِمام مسلمؒ (۲۶۱ھ) **کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه** میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اَعمالِ خیر اور اُمورِ حسنہ کے اِجراء کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شئ ومن سنّ فی الاسلام سنة سيئة کان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير أن

ینقص من أوزارهم شیئ۔(۱)

''جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتدا کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

امام یحییٰ بن شرف نوویؒ (۶۷۶ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء کے حق میں دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قوله ﷺ مَنْ سَنَّ سُنّة حسنة و من سنَّ سنَّة سیّئة و فی الحدیث الآخر من دَعَا اِلیٰ هدی و من دعا اِلی ضلالة(۲) هذان الحدیثان

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲:۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱:۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

۷۔ دارمی، السنن، ۱:۱۴۱، رقم: ۵۱۴

۸۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۲:۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۹۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۴:۱۷۵، رقم: ۷۵۳۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، و من دعا إلی هدی او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

←

صریحان فی الحثِّ علی استحباب سنّ الامور الحسنة و تحریم سنّ الامور السیّئة۔(۱)

’’حضور ﷺ کا فرمان ’’من سنَّ سنة حسنة و من سن سنة سیئة‘‘ اور ایک دوسری حدیث مبارکہ ’’من دعا الی هدی ومن دعا الی ضلالة‘‘ یہ دونوں احادیث اُمورِ حسنہ کے اجراء کے استحباب اور اُمور سیئہ کے اجراء کی ممانعت پر صریحاً دال ہیں۔‘‘

اگر کچھ تعمّق اور تفکّر سے کام لیا جائے تو یہ واضح ہو جائیگا کہ یہاں لفظِ ’’سنّت‘‘ سے مراد سنّتِ شرعی نہیں بلکہ سنّتِ لغوی ہے گویا لفظِ بدعت کی طرح لفظِ سنّت کا اِطلاق دوطرح پر ہے۔ اگر ’’من سنَّ فی الاسلام سُنّةً‘‘ سے مراد یہاں پرشرعی معنی میں سنّتِ رسول ﷺ یا سنّتِ صحابہ ہوتی تو اسے ’’سُنّةً حَسَنَة‘‘ اور ’’سُنَّةً سَیِّئَةً‘‘ میں ہرگز تقسیم نہ کیا جاتا۔ کیونکہ سنّتِ رسول ﷺ تو ہمیشہ ’’حسنة‘‘ ہی ہوتی ہے۔ اس کے سیّئہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر حضور ﷺ نے لفظ تو ’’سنّت‘‘ کا استعمال فرمایا ہے مگر اس کے اطلاق میں حسنہ اور سیّئہ دو اقسام بیان کی ہیں ان میں ایک پر اجر کی نوید اور

.... ۲۔ترمذي، السنن، کتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فیمن دعا إلی هدی فاتبع او إلی ضلالة، ۵:۴۳

۳۔ابو داؤد،السنن کتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴:۲۰۱، رقم: ۴٦۰۹، ۴۔ابن ماجة،السنن،المقدمة، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۱:۷۵، رقم: ۲۰٦

۵۔ ابن حبان، الصحیح باب ذکر الحکم فیمن دعا إلی هدی او ضلالة فاتبع علیه، ۱:۳۱۸، رقم: ۱۱۲

٦۔دارمی، السنن، ۱:۱۴۱، رقم: ۵۱۳

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۹۷، رقم: ۹۱۴۹

۸۔ابو عوانة، المسند، ۳:۴۹۴، رقم: ۵۸۲۳

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۲:۳۴۱

دوسری قسم پر گناہ کی وعید فرمائی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ’’سنّت‘‘ کی تقسیم تو حسنہ اور سیئہ میں صراحتاً کر دی گئی ہے۔ جس سے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اب اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ یہاں لفظِ سنّت اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ شرعی معنی میں۔ **اس سے مراد کوئی ’’نیا راستہ‘‘ نکالنا ہے۔**ذیل میں چند مثالوں سے اجتہاد اور تصور بدعت کی وضاحت کی جائے گی۔

مثالوں سے وضاحت

۱۔ آغازِ اسلام میں یہ دستور تھا کہ اگر حضور ﷺ نماز کی اِمامت کرا رہے ہوتے اور دورانِ نماز کوئی آ جاتا تو وہ دوسرے صحابی سے پوچھ کر کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں اُتنی رکعتیں پہلے پڑھ کر پھر حضور ﷺ کے ساتھ جماعت مل جاتا۔ ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے:

لَا اَجِدُه عَلٰی حالٍ اَبَداً اِلَّا کُنْتُ عَلَيْهَا ثُمَّ قَضَيْتُ مَا سَبَقَنِی۔(۱)

’’میں تو حضور ﷺ کو (دورانِ نماز) جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اَدا کر لوں گا۔‘‘

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی باقی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

اِنَّه قَدْ سَنَّ لَکُمْ مُعَاذٌ فَهٰکَذَا فَاصْنَعُوْا۔(۲)

---

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۴٦، رقم: ۲۲۴۷۵

(۲) ۱۔ ایضاً

۲۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الصلاة، باب کيف الأذان، ۱:۱۳۹، رقم: ۵۰٦

۳۔ طبراني، المعجم الکبير، ۲۰:۱۳۴، رقم: ۲۷۱

←

''معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو۔''

اس مقام پر غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اس طریقے کو ترک کیا جس پر تمام صحابہ عمل پیرا تھے لیکن چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا عمل مبنی بر خلوص اور اَدب تھا لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس عمل کو پسند کیا اور اِس کی تحسین فرماتے ہوئے صحابہ کو اِس ''نئے عمل'' کو اپنانے کا حکم دیا۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی جمع و تدوین بھی صحابہ کا ایک مجتہدانہ فیصلہ تھا۔ اگرچہ یہ ایک ''نیا عمل'' تھا اور ان کے پاس اس کو جمع کرنے کے متعلق کوئی صریح حکم بھی موجود نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی اِجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس نئے لیکن مبنی بر خیر عمل کے ذریعے جمع و تدوین کی صورت میں ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ **علامہ شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إتفقوا على جمع المصحف وليس ثَمَّ نص على جمعه و كتبه۔(۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔''

۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰:۱۳۳، رقم: ۲۷۰
۵۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۳:۹۳، رقم: ۴۹۲۵
۶۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۲:۲۹۶، رقم: ۳۴۳۳
۷۔ عسقلاني، الدراية في تخريج احاديث الهداية، ۱:۲۳۴
۸۔ عسقلاني، تلخيص الحبير، ۲:۴۲، رقم: ۵۹۶
(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

اِس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ خیر اور دینی مصالح پر مبنی اُمور کو سرانجام دینا صحابہ کرام کی سنت ہے اور انہیں محض ''نیا عمل'' ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کی فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہو سکے گا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اِبتداءً یہ جواب دیا کہ **کیف أفعل شيئا؟ ما لم يفعله رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی ''میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن **''هو و الله خير''** یعنی اللہ کی قسم ہے بہت اچھا، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب شرحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نوجوان اور سمجھ دار شخص ہیں اور کاتب وحی بھی رہے ہیں، لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو عرض کرنے لگے: ''اللہ کی قسم (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس نئے کام کو سرانجام دینے کے حوالے سے میں نے حضرت عمر بن خطاب اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے عرض کیا:

> **كيف تفعلان شيئا؟ لم يفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **فقال: أبوبكر هو والله خير**۔(۱)

---

(۱) ۱۔ **بخاری، الصحیح،** ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، **باب قوله لقد جاء کم رسول،** رقم: ۴۴۰۲

۲۔ **بخاری، الصحیح،** ۶: ۲۶۲۹، كتاب الاحكام، باب يستحب للكاتب أن يكون **أميناً عاقلاً،** رقم: ٦٧٦٨

←

آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔''

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اس کی حکمت واضح ہوگئی تو وہ اس بابرکت کام کے لئے تیار ہوگئے،اس طرح جمع و تدوینِ قرآن کا یہ اہم فریضہ عہدِ صدیقی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** ﷺ ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے بدعت یعنی'' نیا'' ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہی الفاظ دہرائے کہ ''**ھو واللہ خیر**'' یعنی اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تازہ بہ تازہ اور نت نئے پیدا ہونے والے مسائلِ حیات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اِجتہاد اور بدعت میں واضح تمیز کرتے تھے اور چھوٹے اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کو محض نیا ہونے کی وجہ سے ردّ کرنے کی بجائے **مَنْ سَنَّ فی الاسلام سُنّة حسنة**(۱) کے تحت دین کے وسیع دامن میں جگہ دیتے

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۸۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

←

تھے۔ صحابہ کی اس مجتہدانہ روش سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو مبنی برحکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلاشک و شبہ مباح، جائز اور مشروع ہے۔

۳۔ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے باجماعت نمازِ تراویح کے اِہتمام اور اس پر ''**نعم البدعة هذه**'' کے فرمان نے ہمیشہ کے لیے اجتہاد اور بدعت کے فرق کو واضح کر دیا۔ باجماعت نمازِ تراویح کا پس منظر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین راتوں کے سوا یہ نماز باجماعت نہیں پڑھائی۔ اس کے بعد عہدِ صدیقی کے اَڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کہیں لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ترک ہی نہ کر دیں، سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے باجماعت نماز تراویح کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاری بیان کرتے ہیں کہ

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إنی أری لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبی بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخری والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتی ينامون عنها أفضل من التی يقومون

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

يريد آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔(۱)

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **یہ کتنی اچھی بدعت ہے** اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔''

باجماعت نمازِ تراویح کا اِہتمام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اجتہادی کارنامہ تھا۔ آپ نے ''**نعم البدعة هذه**'' فرما کر یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ یہ ایک ''نیا کام'' ہے مگر ہر نیا کام ناجائز اور ممنوع نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمور حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ **نعم البدعة** فرمانے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے، یہ محض قیاسی تقسیم نہیں۔ مختصراً یہ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کے باجماعت اہتمام کو ''**بدعة**'' بھی کہا اور ''**نعمة**''، یعنی ''**حسنة**'' بھی کہا۔ وجہ یہی تھی کہ یہ کام اپنی ظاہری حالت اور ہیئت کے حوالے سے تو نیا تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوام کے ساتھ اختیار نہیں

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

فرمایا تھا اس لئے اسے ''بدعة'' کہا مگر باعثِ خیر اور مبنی بر مصلحت تھا اس لئے اسے ''نعمة'' یعنی ''حسنة ''قرار دے دیا۔ **علامہ ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس مبنی بر حکمت فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وإنما عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهى على الحقيقة سنَّة، لقوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عليكم بسنَّتى و سنَّة الخلفاء الراشدين من بعدى[۱] وقوله اقتدوا بالذين من بعدى أبى بكر و عمر[۲] و على هذا التأويل يحمل الحديث الآخر كل محدثة بدعة[۳] إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم:۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱:۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵
۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ابوب المناقب، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، ۵:۶۷۲، رقم:۳۸۰۵

(۳) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم:۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱:۱۵، رقم: ۴۲

←

السُّنَّة.(۱)

''پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس (باجماعت نمازِ تراویح) پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور ﷺ کے اس قول ''علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی'' اور اس فرمان ''اقتدوا بالّذین من بعدی من أصحابی أبی بکر و عمر'' کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''کل محدثة بدعة'' کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدمِ موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

۴۔ جمعۃ المبارک کی دوسری اَذان جو خطبہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس کا اِجراء عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں ہوا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اَذانِ ثانی کا یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعۃ کو اِس اذان سے مختص کردیا او اِس اذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ اِجتہادی عمل معناً اَصل ہے۔ اسے محض بدعت کہہ کر ردّ نہیں کیا جائے گا۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

أن التأذین الثانی یوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حین کثر أهل المسجد۔(۲)

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۱) ابن أثیر جزری، النهایة، فی غریب الحدیث والأثر ۱ : ۱۰۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

۲۔ شمس الحق،عون المعبود، ۳: ۳۰۲

۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳:۳۲۳

’’جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اَذان کو بدعتِ حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة، ولعله أراد ما أراد أبوه فی قيام شهر رمضان۔(۱)

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر جاری کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد (عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ) کی قیام رمضان کے بارے میں تھی۔‘‘ (یعنی جمعہ کی دوسری اَذان بھی نعم البدعة ہے۔)

۵۔ معاشرہ چونکہ شریعت سازی کی بنیاد ہے لہٰذا جب معاشرتی احوال میں تبدّل و تغیر ہوگا تو لازمی طور پر اجتہادی بنیادوں پر احکامِ شرعیہ کی شکل وصورت بھی بدلے گی۔ ان نئے احوال کی بنیاد پر نئے احکامِ شرعیہ کو بدعت و ضلالت قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس اُصول کو اس واقعہ سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے۔ سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔ (۲)

’’اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے

(۱) ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحكم، ۳:۲۵۲
(۲) المائدہ، ۵:۳۸

ہاتھ کاٹ دو۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ جب معاملہ خلیفہء وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ **امام ابن أبي شیبہ کوفی**ؒ (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ان رجلا سرق من بيت المال فكتب فيه سعد الى عمر فكتب عمر الى سعد ليس عليه قطع له فيه نصيب۔(۱)

’’ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔‘‘

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) مؤطا میں کتاب الحدود، باب ما لا قطع فیه کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعْ يَدَ غُلامِي هٰذا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْآةً لِامْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔(۲)

’’میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس

---

(۱) ابن ابی شیبه، المصنف، ۵۱۸:۱۵، رقم: ۲۸۵۶۳

(۲) مالك، المؤطا، كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ۸۳۹:۲، رقم: ۱۵۲۸

کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔‘‘

خلاصۂ بحث

ان سارے نظائر و واقعات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اجتہاد اور تجدیدی روش ہی وہ دائمی اصول ہے جو اس دینِ فطرت کی تعلیمات کو زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالآباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اصولِ اجتہاد کے باعث شریعتِ اسلامیہ میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول احکامِ شرعیہ کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لایزال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اسلامی نظامِ حیات کی تازگی اور کشش ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے۔

❁ ❁ ❁

باب : ۸

اِباحت اور تصورِ بدعت

فصل اول:

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

فصل دوم:

اِباحتِ اَصلی اور مفسّرین کا نقطۂ نظر

فصل سوم:

کسی شئے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

فصل اول

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

- اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ
- اِسلام آسان دین ہے
  - دینِ یُسر پر قرآن سے دلائل
  - دینِ یُسر پر اَحادیثِ نبویہ سے دلائل
- احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان
- تصرِیح محرمات کا قرآنی فلسفہ

اِنسانی زندگی میں ہزاروں اَشیاء ایسی ہیں جن کی حلت وحرمت کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہے اس لیے جب تک ان کے عدمِ جواز یا حرمت پر دلیلِ شرعی قائم نہ ہو وہ مباح، جائز اور مشروع ہیں۔ محض عدمِ ثبوتِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہا جاسکتا۔ علماء ومحدثین کا اِس اُصول پر اِتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا کوئی کام کرنا اُس کے جائز ہونے کی دلیل ہے جب کہ کسی فعل کا ترک فرمانا اُس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں تاوقتیکہ اُس کام کی حرمت پر دلیلِ شرعی قائم ہو جائے۔ **علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ** (۸۵۲ھ) **فتح الباری شرح صحیح البخاری** میں اِس اُصول کو نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ **الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع**[۱] ''یعنی کسی کام کا کرنا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے جبکہ نہ کرنا عدمِ جواز پر دلالت نہیں کرتا'' اسی اُصول کی بنا پر علماءِ اُمت نے شریعتِ اسلامیہ کا معروف قاعدہ اور متفقہ اُصول وضع فرمایا ہے کہ:

الأصل فی الاشیاء الاباحة۔(۲)

''اصلاً ہر چیز میں اِباحت (یعنی جائز ہونا) ہے۔''

شریعت کے اِس قاعدے کی رو سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ فی نفسہٖ کوئی کام بھی اَزروئے شرع اس وقت تک ممنوع نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں قرآن وسنت

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۱۵۵

(۲) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶:۴۵۹

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴:۷۷

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۶۵۶

۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱:۶۰

کی نص قطعی سے حرمت کا کوئی واضح عنصر ثابت نہ ہو جائے۔

اِباحتِ اَصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ

کسی کام کی حلت و حرمت جاننے کا اُصولی ضابطہ یہ ہے کہ ہم ہر اس کام کو جو عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ تھا اور بعد میں کسی ضرورت کے تحت وجود میں آیا، قرآن و سنت پر پیش کریں گے، اگر قرآن و سنت کا اس کے ساتھ کسی اعتبار سے بھی تعارض ثابت ہو جائے تو وہ بلا شبہ ناجائز، حرام اور گمراہی تصور ہوگا لیکن اگر اس کا قرآن و سنت کے کسی بھی حکم کے ساتھ کوئی تضاد یا تعارض واقع نہ ہو تو اسے گمراہی یا حرام تصور کرنا حکمتِ دین کے منافی اور اِسلام کے متعین کردہ نظامِ حلال و حرام سے انحراف برتنے اور حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے فروعی اور اِختلافی معاملات پر بدعت و شرک کے فتوے صادر کرنے اور اپنی طرف سے بغیر کسی شرعی دلیل کے چیزوں کو حلال و حرام کہنے والے لوگوں کی مذمت میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ○(۱)

''اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی رہتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) فلاح نہیں پائیں گے''

اس قاعدے (ألاصل فی الأشیاء الاباحة) کو سمجھانے کے لئے ذیل میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوجائے گا کہ اشیاء کا اصل مباح ہونا ہے نہ کہ حرام۔

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۱۱۶

پہلی مثال

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں میرا مقروض ہے تو اب دعویٰ کرنے والا خود ہی گواہی پیش کرے گا اور ثابت کرے گا کہ فلاں میرا مقروض ہے۔ مقروض سے یہ تقاضا نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے مقروض نہ ہونے کا ثبوت پیش کرے کیونکہ اس طرح کا دعویٰ خلافِ اصل ہو گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اصلاً کوئی بھی ماں کے پیٹ سے مقروض پیدا نہیں ہوتا۔ **اِمام اَبوبکر بیہقیؒ** (۴۵۸ھ) **السنن الکبریٰ** میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

البيّنة علی المدعی و اليمين علی من أنکر۔(۱)

''گواہی مدعی پر اور قسم اِنکار کرنے والے (مدعیٰ علیہ) پر ہے۔''

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) اِسی روایت کو **ابوب الاحکام** میں روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البيّنة علی المدعی و اليمين علی المدّعی عليه۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بيهقی، السننِ الکبریٰ، ۸: ۱۲۳
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البينة علی المدعی، ۲:۷۷۸
۳۔ بخاری، الصحيح، کتاب الشهادات، باب البيّنة علی المدّعی، ۲:۹۳۱
۴۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱
۵۔ دار قطنی، سنن دار قطنی، ۴:۱۵۷
۶۔ ابن ابی شيبه، المصنف، ۵: ۴۴۱
۷۔ ابن رجب حنبلی، جامع العوم والحکم، ۱:۷
۸۔ سيوطی، شرح السنن ابن ماجه، ۱: ۱۵۸

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البينة علی المدعی، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البينة علی المدعی، ۲:۷۷۸

←

''دلیل لانا مدعی پر ہے اور قسم کھانا مدّعیٰ علیہ پر ہے۔''

دوسری مثال

اگر آپ نے کوئی نیک عمل کیا، کسی دوسرے شخص نے اِس پر اِعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ میلاد شریف منانا، انگوٹھے چومنا، مزارات کی حاضری اور اِیصالِ ثواب وغیرہ یہ سب اَعمال بدعتِ سیئہ اور حرام ہیں تو اب آپ کو ان اعمال کے حلال اور جائز ہونے پر دلائل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ اس معترض سے کہیں کہ معروف حدیث البیّنة علی المدعی[۱] کے تحت وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس عمل کے حرام اور ناجائز ہونے پر گواہی لائے، کیونکہ اصلاً کوئی چیز حرام نہیں بلکہ مباح ہوتی ہے جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کو حرام قرار نہ دے دیں۔ مزید یہ کہ متعدد آیات و احادیث مثلاً ''وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذَالِکُمْ[۲] اور ''قَد فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ[۳]

.... ۳۔ دار قطنی، سنن دار قطنی، ۴:۱۵۷

۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۴۴۱

۵۔ بیہقی، سننِ کبریٰ، ۸: ۱۲۳

۶۔ ابن عبد البر، التمہید، ۲۴:۲۹۶

۷۔ابو عوانة الاسفرائینی، مسند ابو عوانة، ۴:۵۳

۸۔ سیوطی، شرح السنن ابن ماجه، ۱: ۱۵۸

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البینة علی المدعی، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲:۷۷۸

۳۔ دار قطنی، سنن دار قطنی، ۴:۱۵۷

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۳) القرآن، الانعام، ۶: ۱۱۹

اور ’’وما سکت عنه فهو مما عفا عنه[۱] سے ’’الاصل فی الاشیاء الاباحة‘‘[۲] کی واضح طور پر تائید ہوتی ہے، مذکورہ شخص نے چونکہ اس چیز کے ناجائز اور مکروہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ خلافِ اصل ہے لہٰذا اسے دلیل لانا پڑے گی کہ یہ چیز حرام کس بنیاد پر ہے؟ اگر وہ کہے کہ اس کا کہیں قرآن و حدیث میں ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس عمل کا کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو وہ حلال اور مباح ہوتا ہے یعنی جن اعمال کی حلت و حرمت کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہوں وہ حلال اور مباح ہوتے ہیں اور عدمِ ذکر میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس حکمت خداوندی کو وجہِ نزاع نہیں بنانا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡئَلُوۡا عَنۡ أَشۡيَآءَ إِنۡ تُبۡدَ لَكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ وَ اِنۡ تَسۡئَلُوۡا عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡآنُ تُبۡدَ لَكُمۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ○ (۳)

’’اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، **باب فی لبس الفراء**، رقم: ۱۷۲۶
۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمة، **باب أکل الجبن و السمن**، رقم: ۳۳۶۷
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

(۲) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶: ۴۵۹
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۵۶
۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۶۰

(۳) القرآن، المائدة، ۵: ۱۰۱

خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بری لگیں) اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کر دی جائیں گی (جس سے تمہاری صوابدید ختم ہو جائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے) اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔''

مذکورہ آیت مقدسہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر کسی چیز کی حلت و حرمت کے بارے میں قرآن خاموش ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جائز اور حلال ہے۔ اب کسی بھی مسلمان کو اس کی حلت و حرمت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ اپنی کٹ حجتی سے اپنا دائرہ عمل خود اسی طرح تنگ کرتا چلا جائے گا جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے سوال پر سوال کر کے کر لیا تھا[1]۔ اگر وہ اللہ کے پہلے حکم پر کسی بھی عمر یا رنگ کی گائے ذبح کرنے کے لیے آتے اور بے جا سوالات نہ کرتے تو ہر قسم کی گائے ذبح کرنے کی اجازت تھی مگر وہ سوالات کرتے گئے اور ان سوالات کی وجہ سے جو حکم ظاہر ہوتا گیا اس سے ان کا دائرہ عمل تنگ ہوتا گیا حتیٰ کہ بالآخر ایک قسم کی گائے پر جا کر رک گئے کہ بس اسی کو ذبح کرنے کا حکم ہے۔ اس طرح انہوں نے بے مقصد سوالات کی وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر لیا اور اپنا دائرہ عمل تنگ کر لیا۔

اِسلام آسان دین ہے

دینِ اِسلام ایک ایسا آسان اور سہل دین ہے جس کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو کر انسان قوانینِ فطرت کے تحت پرسکون زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اس کے وسیع دامن میں ایسی ناروا تنگی اور تکالیف نہیں کہ اس کو اپنانا مشکل ہو۔ ذیل میں ہم اِسلام کے دینِ یُسر ہونے پر چند آیات اور اَحادیث پیش کرتے ہیں۔

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۶۷۔۷۳

دینِ یُسر پر قرآن سے دلائل

قرآنِ مجید میں اسلام کے دینِ یسر ہونے پر متعدد آیات ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔(۱)

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں۔‘‘

۲۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔(۲)

’’اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔‘‘

۳۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔(۳)

’’اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔‘‘

۴۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔(۴)

’’اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔‘‘

۵۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔(۵)

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

۶۔ فَاِنَّمَا یَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔(۶)

’’بس ہم نے آپ ہی کی زبان میں اس (قرآن) کو آسان کر دیا ہے تا کہ وہ

---

(۱) القرآن، البقره، ۲: ۲۵۶

(۲) القرآن، الحج، ۲۲:۷۸

(۳) القرآن، البقره، ۲:۱۸۵

(۴) القرآن، النسا، ۴:۲۸

(۵) القرآن، البقره، ۲:۲۸۶

(۶) القرآن، الدخان، ۴۴: ۵۸

نصیحت حاصل کریں۔‘‘

۷۔ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔(۱)

’’اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

ان آیاتِ مقدسہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی نوع اِنسان کو جو اسلام کی صورت میں دین عطا ہوا ہے وہ انہیں تمام پریشانیوں اور مشکلات سے نجات دیتا ہے، کیونکہ ہمارے آقا و مولا نبی آخرالزماں ﷺ مخلوقِ خدا کو تکلیفوں، دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے نہیں بلکہ اِنہیں ناروا تنگیوں اور تکلیفوں سے نجات دینے آئے ہیں۔

یہ تمام آیات صراحت کے ساتھ لوگوں کے لئے شرعی اَحکام کی تخفیف اور آسانی پر دلالت کرتی ہیں۔ **اِمام شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الأدلة على رفع الحرج في هذه الامة بلغت مبلغ القطع۔(۲)

’’اس اُمت سے رفعِ حرج کے دلائل قطعیت تک پہنچ چکے ہیں۔‘‘

دینِ یُسر پر اَحادیثِ نبویہ سے دلائل

آیاتِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ اَحادیثِ مقدسہ میں بھی ’’دینِ یُسر‘‘ کا یہ مضمون بڑی صراحت سے بیان ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام کو مبعوث ہی نہایت آسان اور سہل دین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے چند اَحادیثِ مبارکہ درج ذیل ہیں۔

(۱) القرآن، الاعراف، ۷:۱۵۷

(۲) شاطبی، الموافقات، ۱:۳۴۰

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) مسند احمد میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السمحة۔(۱)

''میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے۔''

۲۔ حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنما بعثت بالحنيفية السمحة و لم أُبعث بالرهبانية البدعة۔(۲)

''بیشک میں ایسے دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو نہایت آسان ہے اور میں خودساختہ رہبانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔''

۳۔ علامہ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) اس حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

عن جابر قال: قال النبی بعثت بالحنيفية السّمحة أو السّهلة و

---

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۸:۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲:۲۶۰
۴۔ رویانی، المسند، ۲:۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فيض القدير، ۳: ۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدريب الراوی، ۲:۳۲۸

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۳۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۴۔ رویانی، المسند، ۲:۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فيض القدير، ۳: ۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدريب الراوی، ۲:۳۲۸

من خالف سُنَّتی فلیس منّی۔(۱)

’’میں نہایت آسان دین یا سہولت والے دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور جس نے میری سنت کی مخالفت کی وہ مجھ سے نہیں۔‘‘

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنیفیة السمحة من خالف فقد کفر۔(۲)

’’میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے جس نے اس کی مخالفت کی پس اس نے کفر (یعنی میری سنت سے انکار) کیا۔‘‘

۵۔ ابن حیان انصاری (۳۶۹ھ) نے **طبقات المحدّثین بأصبهان** میں درج ذیل حدیث سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے

---

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۷: ۲۰۹، رقم: ۳۶۷۸
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲:۳۲۸
۸۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۳۴۰، رقم: ۹۱۴

(۲) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ۶: ۳۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲:۳۲۸

ہوئے اِرشاد فرمایا:

خير دينكم أيسره۔(۱)

''تمہارے دین میں بہترین پہلو اس کا آسانی اور سہولت والا عمل ہے۔''

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا اپنی اُمت کے لئے ''یُسر'' کا انتخاب کرنے کے حوالے سے فرماتی ہیں:

ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين قطّ اِلا اَخذَ أَيسرهما مالم يكن إثما۔(۲)

''رسول اکرم ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو

---

(۱) ۱۔ ابن حيان، طبقات المحدثين باصبهان، ۳: ۲۱۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۷۹
۳۔ طيالسی، المسند، ۱: ۱۸۳، رقم: ۱۲۹۶
۴۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۸: ۲۳۰، رقم: ۵۷۳
۵۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۲۱۹، رقم: ۱۲۲۴
۶۔ ہيثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۹
۷۔ ابن حجرعسقلانی، الإصابة، ۳: ۱۳۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۵: ۲۲۶۹، كتاب الادب، باب قول النبی ﷺ يسروا ولا تعسروا، رقم: ۵۷۷۵
۲۔ مسلم، الصحيح، ۴: ۱۸۱۳، كتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للأثام، رقم: ۲۳۲۷
۳۔ نسائی، سنن الكبریٰ، ۵: ۳۷۰، رقم: ۹۱۶۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۴، رقم: ۲۴۸۷۴
۵۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۷: ۴۵، رقم: ۱۳۰۸۱
۶۔ ابو يعلی، المسند، ۷: ۴۳۱، رقم: ۴۴۵۲
۷۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۲۵۶، رقم: ۷۴۳۴

آپ ﷺ نے ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جبکہ اِس میں گناہ نہ ہو۔‘‘

۷۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

إن اللہ یحبّ أن توتی رُخصة کما یحبّ أن توتی عزائمه۔(۱)

’’بیشک اللہ تعالیٰ رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ وہ عزیمت دینا پسند فرماتا ہے۔‘‘

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ عزوجل یحب أن یوتی رخصة کما یکرہ أن توتی معصیة۔(۲)

’’بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ گناہ کو ناپسند فرماتا ہے۔‘‘

۹۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إن الدّین یسر ولن یشاد الدین أحد اِلّاَ غلبه۔(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبه، المصنف،۵:۳۱۷
۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۸:۸۲، رقم: ۸۰۳۲
۳۔ ابن عبد البر، التمهید،۲۴:۶۷
۴۔ ابویعلی، المعجم، ۱:۱۴۲، رقم: ۱۵۴

(۲) ۱۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۲: ۷۳، رقم: ۹۵۰
۲۔ رویانی، مسند الرویانی، ۲:۴۲۱
۳۔ ابن جوزی،التحقیق فی أحادیث الخلاف، ۱:۴۹۵

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۲۳، کتاب الایمان، باب الدّین یسر، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، ۸: ۱۲۲، کتاب الایمان وشرائعه، باب الدّین یسر، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۷، رقم: ۱۱۷۶۵

←

''بیشک یہ دین بہت آسان ہے اور جو اسے مشکل بنائے گا تو یہ دین اس پر غالب آ جائے گا۔''

۱۰۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ارشاد فرمایا:

يسّرا ولا تعسّرا و بشّرا ولا تنفّرا و تطاوعا ولا تختلفا۔(۱)

''تم دونوں آسانی پیدا کرنا تنگی نہ کرنا، خوشخبری سنانا متنفر نہ کرنا، باہم خوش دلی سے کام کرنا اور اختلاف میں نہ پڑنا۔''

۱۱۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو دینِ یُسر کی تعلیم دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۸، رقم: ۴۵۱۸

۶۔ قضاعی، المسند الشہاب، ۲: ۱۰۴، رقم: ۹۷۶

۷۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۵: ۱۲۱

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۰۴، کتاب الجہاد والسیر، باب مایکرہ من التنازع، رقم: ۲۸۷۳

۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۵۹، کتاب الجہاد والسیر، باب فی الأمر بالتیسیر وترک التنفیر، رقم: ۱۷۳۳

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۱۷

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۸۶

۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۳۱۸

۶۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳: ۳۵۶

۷۔ بزار، المسند، ۸: ۱۳۸

۸۔ ابو عوانہ، المسند، ۴: ۲۱۵

إنّما بعثتم ميسّرين ولم تبعثوا معسّرين۔(۱)

’’تمہیں آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگیاں پیدا کرنے والے۔‘‘

۱۲۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

يسّروا ولا تعسّروا و بشّروا ولا تنفّروا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۱:۸۹، كتاب الصلاة، باب حب الماء على البول فى المسجد، رقم:۲۱۷

۲۔ ترمذی، السنن، ۱:۲۷۵، ابواب الطهارة، باب ماجاء فى البول بعيب الأرض رقم:۱۴۷

۳۔ ابودائود، السنن، ۱: ۱۰۳، كتاب الطهارة، باب الأرض يصيبها البول، رقم: ۳۷۶

۴۔ نسائی، السنن، ۱: ۴۸، كتاب الطهارة، باب ترك التوقيت فى الماء، رقم: ۵۶

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۹، رقم: ۷۲۵۴

۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۴: ۲۴۴، رقم: ۱۳۹۹

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱: ۴۲۳، رقم: ۱۶۵۸

۸۔ ابو يعلى، المسند، ۱۰: ۲۷۸، رقم: ۵۸۷۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۱:۳۸، كتاب العلم، باب ماكان النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يتخولهم بالموعظة،رقم: ۶۹

۲۔ مسلم، الصحيح، ۳: ۱۳۵۸، كتاب الجهاد والسير، باب فى الأمر بالتيسير و ترك التنفير، رقم: ۱۷۳۲

۳۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۶۰، كتاب الأدب، باب فى كراهية المراء، رقم:۴۷۳۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۹۹

←

’’آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں پیدا نہ کرو، خوشخبریاں سناؤ، نفرتیں مت پھیلاؤ۔‘‘

مذکورہ تمام روایات کے مضمون سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دینِ اِسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں تمام سہولتیں اور آسانیاں سمو دی گئی ہیں۔ یہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس پر چلنے والے اِکراہ و تکالیف سے محفوظ و مامون ہیں۔

احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان

ذیل میں چند ایسے اُمور کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر بعض حالات میں شریعت میں رخصت دی گئی ہیں:

۱۔ نماز پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن سفر کی حالت میں مشکلات کی وجہ سے سہولت کی خاطر نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے[(۱)]۔ اسی طرح عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کی سہولت اور آسانی کی خاطر ظہرین اور مغربین کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ ماہِ رمضان میں حالتِ سفر اور مرض کی وجہ سے روزے قضاء کرنے کی سہولت دی گئی ہے۔(۲)

۳۔ حالت اضطرار میں جان بچانے کیلئے عارضی طور پر حرام چیزوں کو کھانے کی رخصت دی گئی ہے۔(۳)

.... ۵۔ ابوعوانة، المسند، ۴: ۲۱۵، رقم: ۶۵۵۸

۶۔ ابویعلی، المسند، ۱۳: ۳۰۶، رقم: ۷۳۱۹

۷۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۱۰۵، رقم: ۱۴۳

۸۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۱۱۲

(۱) القرآن، النساء، ۴:۱۰۱

(۲) البقرہ، ۲:۱۸۴

(۳) البقرہ، ۲:۱۷۳

شریعت نے یہ سہولتیں صرف مکلّفین کی آسانی کے لئے عطا کی ہیں اور انسانوں سے حتی الامکان ہر قسم کے حرج اور تنگی کو دور کیا ہے۔ دین کا آسان اور قابلِ عمل ہونا اِس اَمر کا متقاضی ہے کہ قرآن وسنت میں ان چیزوں کی تفصیل دی جائے جو نسبتاً کم اور محدود ہوں تا کہ انسان بآسانی ان کا اِحاطہ کر سکے۔ قرآن کا اپنا اُسلوبِ بیان ہے کہ وہ بالعموم بنیادی اور اُصولی رہنمائی دیتا ہے اور تفصیلات کم بیان کرتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن ہر شئے کی تفصیل بیان کر دیتا تو لوگ مشکل میں پڑ جاتے یہی وجہ ہے کہ جب ہم حلال وحرام کی تفصیل جاننے کے لئے قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن بالعموم حلال کی بجائے حرام اشیاء کی تفصیلات بیان کرتا ہے کیونکہ حرام حلال کے مقابلے میں کم اور محدود ہیں۔

تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ

ربّ کریم اپنے بندوں کیلئے ہر لمحہ آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے اسی لئے اس نے صرف حرام اور ممنوع اشیاء اور اَفعال کی فہرست بیان فرمائی ہے جو کہ محدود ہیں اور باقی سب کچھ جائز اور مباح کے طور پر ذکر کئے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ حرام کی فہرست بیان کر کے بقیہ کا عدمِ ذکر قرآنی فلسفہ کی رو سے اُن کے جواز، اِباحت اور حلّت کی دلیل ہے (وما سکت عنه فهو مما عفا عنه)۔(۱)

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، رقم: ۱۷۲۶
۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمة، باب أكل الجبن و السمن، رقم: ۳۳۶۷
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

ذیل میں قرآن کے حلال و حرام اَحکام کی تفصیل بیان کرنے کے حوالے سے چند آیات بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی قرآن نے بالعموم ناجائز اور حرام اَشیاء کا تذکرہ کر کے باقی ہزاروں اَشیاء کو جائز اور حلال کے طور پر چھوڑ دیا ہے جس سے یہ اُصول وضع ہوتا ہے کہ عدمِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ اِباحت اور جواز کی دلیل ہے۔

۱۔ یہ مسئلہ کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے نہیں، اس کی تفصیل سورہ نساء میں یوں بیان کی گئی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○(۱)

''تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں بھی جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے صحبت کر چکے ہو (حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۳

قرآن نے نکاح کے لئے جو عورتیں حرام تھیں ان کی تفصیل بیان کر دی اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بقیہ رشتے جن کا ذکر نہیں ہوا ان کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ۔(۱)

''اور ان کے سوا (جن کا ذکر نہیں ہوا وہ سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئیں ہیں۔''

۲۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں حرام جانوروں کی فہرست دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَیۡهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌO(۲)

''اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔''

۳۔ اِسی مضمون کو سورۂ مائدہ میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ وَ مَا اُهِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ وَالۡمَوۡقُوۡذَةُ وَالۡمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیۡحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَ اَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ۔(۳)

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۱۷۳

(۳) القرآن، المائدة، ۵: ۳

''تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہو اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا ہو اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم پانسے (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال پوچھو، (یا حصے تقسیم کرو) یہ سب کچھ سخت گناہ ہے۔''

متذکرہ بالا آیاتِ مقدسہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے معروف قرآنی اُسلوب کے مطابق صرف حرام کی فہرست بیان فرما دی ہے اور اس کے علاوہ باقی جانوروں کی جو حلال ہیں تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا کہ شریعتِ اِسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست کو تفصیل سے بیان کرنے لگتی تو پھر صرف چند مخصوص اشیاء ہی حلت کے لئے باقی بچتیں، ایسی صورت میں یقیناً لوگوں کو بڑی دشواری اور نا قابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور لوگوں کے لیے شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا یقیناً دشوار ہو جاتا لہٰذا اس پر جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے لئے نہایت آسان دین دے کر مبعوث فرمایا ہے (**بعثت بالحنیفیة السمحة**)۔(۱)

---

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲:۲۶۰

۴۔ رویانی، المسند، ۲:۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹

۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳

۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲:۳۲۸

فصل دوم:

اِباحتِ اَصلی اور مفسرین کا نقطۂ نظر

۱۔ امام ابو بکر جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ ھ)

۲۔ امام ابو عبد اللہ مالکی القرطبیؒ (۳۰۸ ھ)

۳۔ امام ابو القاسم الزمخشریؒ (۵۳۸ ھ)

۴۔ امام عبد اللہ بن محمود النسفیؒ (۷۱۰ ھ)

قابلِ افسوس پہلو

فلسفہ حلال و حرام کی روشنی میں تصور بدعت

ذیل میں ہم اپنے مؤقف یعنی **الأصل فی الاشیاء الاباحة**[1] کی تائید میں چند معروف مفسرین کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ روزمرہ کی وہ ہزاروں اَشیاء جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے وہ مباح اور جائز ہیں اور جب تک ان کے عدمِ جواز اور حرمت پر کوئی شرعی نص قائم نہ ہو ہم محض عدمِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہہ سکتے۔

۱۔ اِمام ابوبکر احمد بن علی جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفیؒ قرآن کی مختلف آیاتِ مقدسہ سے اِباحتِ اَصلی کی تائید میں اِستدلال کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

قوله ﴿هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾[2] و قوله ﴿وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾[3] و قوله ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾[4] یحتج بجمیع ذلک فی أن الأشیاء علی الإباحة مما لا یحظره العقل

---

(۱) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶:۴۵۹

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴:۷۷

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۶۵۶

۴۔ سیوطی، الاشباه والنظائر، ۱:۶۰

(۲) القرآن، البقره، ۲:۲۹

(۳) القرآن، الجاثیه، ۴۵:۱۳

(۴) القرآن، الاعراف، ۷:۳۲

فلا يحرم منه شئی الا ما قام دليله۔(۱)

''اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''وہ وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا'' اور اس کا فرمان کہ ''اس نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ساری اَشیاء کو مسخر کردیا۔'' ارشادِ باری تعالیٰ کہ ''(اے محبوب ﷺ!) فرما دیجئے اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے) ان تمام آیات سے یہ دلیل اَخذ کی جاتی ہے کہ تمام اشیاء اصلاً اباحت پر ہیں جو کہ خلافِ عقل نہ ہوں تو ان میں سے کوئی شے اس وقت تک حرام نہیں ہوسکتی جب تک حرمت کی دلیل قائم نہ ہو۔''

۲۔ امام محمود بن عمر الزمخشریؒ (۵۳۸ھ)

امام جار اللہ زمخشریؒ آیت ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا''(۲) کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

﴿لَكُمْ﴾ لأجلكم ولانتفاعكم به فی دنیاكم و دینكم۔﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾ علی أن الأشیاء التی یصح أن ینتفع بها ولم تجر مجری المحظورات فی العقل خلقت فی الأصل مباحة مطلقا لكل أحد أن یتناولها و یستنفع بها۔(۳)

''لکم'' یعنی تمہاری خاطر اور دین و دنیا میں تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ''خلق لکم'' اس اُصول پر کہ جن چیزوں سے فائدہ اٹھانا درست ہے اور عقلی ممنوعات میں شامل نہیں۔ اصل میں وہ مطلقاً مباح پیدا کی گئی ہیں۔ ہر ایک

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۱: ۲۸

(۲) البقرہ، ۲: ۲۹

(۳) زمخشری، الکشاف، ۱:۱۱۲

ان کو کھانے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کا حق دار ہے۔‘‘

۳۔ اِمام محمد بن احمد مالکی القرطبیؒ (۶۷۱ھ)

امام قرطبیؒ آیت ’’وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ‘‘(۱) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

إستدل من قال ان اصل الاشياء التي ينتفع بها الاباحة بهذه الاية و ما كان مثلها كقوله ﴿وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِنْهُ الْاٰيَة﴾ حتى يقوم الدليل على الحظر و عضدوا هذا بأن قالوا أن المأكل الشهية خلقت مع امكان ألا تخلق فلم تخلق عبثا فلا بدلها من منفعة و تلك المنفعة لا يصح رجوعها إلى الله تعالى لإستغنائه بذاته فهي راجعة إلينا و منفعتنا أما في نيل لذتها أو في إجتنابها لنختبر بذالک أو في إعتبارنا بها و لا يحصل شئی فی تلک الأمور إلَّا بذوقها فلزم أن تكون مباحة۔(۲)

’’جن لوگوں نے کہا مفید چیزوں میں اَصل اباحت ہے اس اور اس جیسی دوسری آیتوں سے دلیل پکڑی ہے مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ﴾ اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے تابع فرمان کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، جب تک منع پر دلیل قائم نہ ہو جائے اور اس کی تائید اس طرح کی کہ پسندیدہ کھانے پیدا کئے گئے حالانکہ ان کو نہ پیدا کرنا بھی ممکن تھا لہٰذا ان کو فضول پیدا نہیں کیا گیا پس ان کا مفید ہونا ضروری ہے اور یہ تو درست نہیں کہ اس افادیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ وہ ذات پاک اس سے مستغنی ہے سو یہ افادیت ہماری اور

(۱) الجاثية، ۴۵: ۱۳

(۲) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۲۵۱

ہماری منفعت کی طرف رجوع کرے گی کہ وہ یا تو لذت حاصل کرنے کے لئے ہے یا ان سے پرہیز کرنے کے لئے تاکہ اس سے ہماری جانچ ہو یا ہم اس سے عبرت حاصل کریں (یا ان پر قیاس کریں) اور ان میں سے ایک مقصد بھی چکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا سو لازم ہے کہ اشیاء اصل میں مباح ہوں۔‘‘

۴۔ اِمام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفیؒ (۷۱۰ھ)

اِمام عبداللہ بن محمود احمد النسفیؒ آیت ’’ **هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا**،،[۱] کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

و قد إستدل الكرخي و ابوبكر الرازی والمعتزلة بقوله ﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾ على أن الاشياء التی يصح ان ينتفع بها خلقت مباحة فی الأصل جميعا۔(۲)

’’اور اس آیت مبارکہ ’’﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾‘‘ سے امام کرخیؒ امام ابوبکر رازیؒ اور معتزلہ نے اِستدلال کیا ہے کہ تمام نفع بخش اَشیاء اَصلاً اِباحت پر پیدا کی گئی ہیں۔‘‘

قابلِ افسوس پہلو

بڑے تعجب کی بات ہے کہ دین دینے والا خدائے بزرگ و برتر اور دین لے کر آنے والے آقائے نامدار ﷺ تو یہ فرما رہے ہوں کہ **إن الدين يسر**[۳] اِسلام بہت

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) نسفی، مدارک التنزیل، ۱: ۳۹

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۲۳، کتاب الایمان، باب الدّین یسر، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، ۸: ۱۲۲، کتاب الایمان وشرائعه، باب الدّین یسر، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۷، رقم: ۱۱۷۶۵
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۸، رقم: ۴۵۱۸
۶۔ قضاعی، المسند الشہاب، ۲: ۱۰۴، رقم: ۹۷۶

آسان اور سہل دین ہے اور خود دین بھی یہ پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ ''لا اکراہ فی الدین''(۱) کہ ''دین میں کوئی تنگی یا دشواری نہیں'' یعنی دین خود بھی اپنے آپ کو آسان بتائے لیکن دین کی پیروی کرنے والے اور اس کو آگے پہنچانے والے اس کی آسانیوں کو ختم کر کے اسے اتنا مشکل بنا دیں کہ دین نا قابلِ عمل محسوس ہونے لگے تو ایسے میں دین کی طرف کون راغب ہو گا؟

وہ ذات خداوندی تو ہمارے لئے قدم قدم پر آسانیاں پیدا کرنا چاہتی ہے اسی لئے اس نے چند ناجائز اشیاء کی فہرست عطا کر دی اور علاوہ ازیں سب کچھ جائز اور حلال قرار دیا۔ یہ سب کچھ دینِ اسلام کی آسانی کی بیّن شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کے برعکس اگر یوں ہوتا کہ شریعتِ اسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست گنوا دیتی اور حکم حلّت میں چند اَشیاء مخصوص کر دیتی تو یقیناً متبعینِ شریعتِ اسلامیہ کو بہت بڑی دشواری اور نا قابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جس کے نتیجے میں زندگی بسر کرنا یقیناً ایک مسئلہ بن جاتا۔ اِس پر اللہ ﷻ کا جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اُس نے ہمارے لئے حضور ﷺ کو نہایت آسان دین دے کر بھیجا اور اُمت کی سہولت کی خاطر ایک شاندار اُصول وضع فرما دیا کہ جس چیز سے ہم تمہیں منع کر دیں اس سے رک جاؤ کیونکہ وہ حرام ہے اور جس چیز کے متعلق خدا اور اس کا رسول ﷺ خاموش رہیں وہ قیامت تک تمہارے لئے جائز اور حلال ہے۔ **اِمام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں اِستفسار کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحل الله فی کتابه و الحرام ما حرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔ (۲)

---

(۱) القرآن، البقره، ۲: ۲۵۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، رقم: ۱۷۲۶

←

''وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔''

اِس حدیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اَشیاء جن کی حلت حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ خاموش ہیں ان کی وضاحت طلب نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ بنی اسرائیل کی طرح تمہارا کثرت سے سوال کرنا تمہارے لئے دشواریاں پیدا کردے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر تم ہر چیز پر خدا اوراس کے رسول ﷺ سے سوال کروگے کہ فلاں جائز ہے یا ناجائز؟ تو اگر جواب میں یہ فرما دیا جائے کہ یہ ناجائز ہے تو تم تنگی میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

اس اہم بات کو اس واقعہ سے سمجھیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حج کے احکامات نازل کرتے ہوئے فرمایا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا(۱) ''اوراللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔'' اس پر ایک صحابی نے عرض کیا: أفی کل عام یا رسول اللہ؟ ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟'' حضور ﷺ نے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا اور خاموش

.... ۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۱۱۷، كتاب الاطعمة، باب أكل الجبن و السمن، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۴۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ ديلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

۷۔ ابراہيم حسينی، البيان والتعريف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

۸۔ قرطبی، الجامع لاحكام القرآن، ۲: ۲۲۱

۹۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۲۰۶

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۹۷

رہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا ''أفي كل عام يا رسول الله'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ بھی جب یہی سوال دہرایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لو قلت نعم:لوجبت ولما إستطعتم ثم قال ذروني ما تركتكم۔(۱)

''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تو حج ہر سال فرض ہوجاتا اورتم اس کی استطاعت نہ رکھتے جن چیزوں کا بیان چھوڑ دیا کروں تم ان کا سوال مت کیا کرو۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۵۵ھ) سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثرت سے سوالات کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

إن أعظم المسلمين في المسلمين جرما من سأل عن شيئ لم يحرم على المسلمين فحرم من أجل مسألته۔(۲)

''بے شک مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس مسلمان کا ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو کہ مسلمانوں پر حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۹۷۵، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، رقم: ۱۳۳۷
۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۱۱۰، كتاب مناسك الحج، باب وجوب الحج
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵
۴۔ بيهقی، السنن الكبرىٰ ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸
۵۔ اسحاق بن راهوية، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۶۰
۶۔ مروزی، السنة، ۱: ۴۰، رقم: ۱۲۴
۷۔ ابن حجر عسقلانی، تلخيص الحبير، ۲: ۲۲۰
۸۔ اصبهانی، المسند المستخرج على صحيح الامام مسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۴: ۱۸۳۱، كتاب الفضائل، باب توقيره وترك إكثار سؤاله، رقم: ۲۳۵۸
۲۔ بخاری، الصحيح، ۶: ۲۶۵۸، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايكره من كثره، رقم: ۶۸۵۹

←

وجہ سے حرام کر دی گئی۔‘‘

اسی طرح یہ آیت مبارکہ بھی دین کا مزاج اور شریعت مصطفوی ﷺ کا بنیادی اُصول سمجھنے میں مدد دیتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔(۱)

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت سے بڑھ کر اُسے تکلیف نہیں دیتا تو ہم کیوں تنگی اور دشواری کو اپنے لئے دعوت دیتے پھرتے ہیں۔

فلسفۂ حلال وحرام کی روشنی میں تصورِ بدعت

اس بنیادی فلسفۂ دین اور اُصولِ حلت وحرمت کو سمجھنے کے بعد اب تصورِ بدعت کو سمجھنا ہمارے لیے قدرے آسان ہو جائے گا کہ اِس کہ رو سے ہر وہ نیا کام جس کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہو وہ ہمارے لئے جائز اور مباح ہے تاوقتیکہ اس کام کی حرمت اور ممانعت کتاب وسنت یا پھر آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو جائے۔

اب یہ کہنا بالکل بجا طور پر درست تسلیم کیا جائے گا کہ جب کسی چیز کو:

۱۔ قرآن نے ناجائز نہیں کیا۔

.........۳۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۱، کتاب السنة، باب لزوم السنة، رقم: ۴۶۱۰

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۹، رقم: ۱۵۴۵

۵۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۴۲۵، رقم: ۶۶۲۸

۶۔ بزار، المسند، ۳: ۲۹۲، رقم: ۱۰۸۴

۷۔ ابو یعلی، المسند، ۲: ۱۰۴، رقم: ۷۶۱

۸۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲۱: ۲۹۰

۹۔ بیهقی، المدخل الی السنن الکبریٰ، ۱: ۲۱۸، رقم: ۲۷۸

۱۰۔ قرطبی، جامع لأحکام القرآن، ۶: ۳۳۵

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۲۸۶

۲۔ سنت نبوی ﷺ نے ناجائز نہیں گردانا۔

۳۔ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ نے ناجائز قرار نہیں دیا۔ اور

۴۔ نہ ہی اجماعِ اُمت اس کی حرمت پر متفق ہے۔

تو اس وقت وہ شئے اپنی اِباحت کے اُصول پر جائز رہتی ہے، خواہ نئی ہو یا پرانی۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری، قصّۂ جدید و قدیم

(اقبالؒ)

کسی شئے کا محض پرانا یا نیا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کا معنی تب متعین ہوتا ہے جب وہ شئے کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھی جائے۔ جو شئے قرآن کی نص سے متعارض ہو یا سنتِ رسول ﷺ اور اِجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہ کی مخالف ہوتو ایسی چیز بہرحال ناجائز اور مردود ہوگی چاہے اسے کرنے والے کوئی بڑے معتبر افراد ہی کیوں نہ ہوں اور اگر کوئی شئے قرآن و سنت اور اِجماعِ صحابہ کی مخالف نہیں ہے اور اس پر بالصراحت نہی وارد نہیں ہوئی تو وہ شئے جائز ہوگی خواہ ساری اُمت مل کر اس کی حرمت کا فتویٰ کیوں نہ صادر کردے۔ اس لئے کہ کسی شئے کو حرام کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی ہے کسی اور کو نہیں۔

فصل سوم:

کسی شئے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

- حضور ﷺ اور صحابہؓ سے کسی عمل کا ذکر ثابت نہ ہونا، حرمت کی دلیل نہیں
- عدمِ ثبوتِ فعل کے حکم کا اُصولی ضابطہ
- نفسِ مسئلہ پر کتاب وسنت کے دلائل

قابلِ توجہ نکتہ

خلاصۂ بحث

حضور ﷺ اور صحابہؓ سے کسی عمل کا ذکر ثابت نہ ہونا، حرمت کی دلیل نہیں

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی کام کو ترک کر دینا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتا ورنہ ہر وہ عمل جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان نہیں کیا اور اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا وہ بھی حرام ہوجاتا، کیونکہ اگر حضور ﷺ یا صحابہ کے ترک کر دینے سے کوئی کام **بدعت سیئہ** بن جاتا ہے تو کیا قرآن میں ترکِ ذکر سے وہ بدعت نہیں بنے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً بلکہ بطریق اولیٰ بدعتِ مذمومہ بنے گا لہٰذا ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ترکِ ذکر یا عدمِ ثبوتِ فعل حرمت کی دلیل نہیں کیونکہ عدمِ ثبوتِ فعل اور ثبوت عدمِ جواز (یعنی فعل کا نہ کرنا اور فعل کا حرام ہونا) دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

''عدمِ ثبوتِ فعل'' کے حکم کا اُصولی ضابطہ

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) فتح الباری میں نقل کرتے ہیں کہ:

الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لايدل على المنع۔(۱)

''کسی کام کا کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا منع کی دلیل نہیں''

علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ:

ثم الثابت بعد هذا نفی المندوبية أما ثبوت الكراهة فلا اِلَّا أن

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۱۵۵

يدل دليل آخر۔(۱)

''(یعنی نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے) نہ کرنے سے اِس قدر ثابت ہوا کہ مندوب نہیں۔ رہا کراہت کا ثبوت وہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک اورکوئی دلیل اِس (کراھت) پر قائم نہ ہو۔''

اِباحتِ اصلی پر کتاب وسنت سے دلائل

اسلام ایک آسان، واضح اور قابل عمل دین ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کوئی شئے اس وقت تک ناجائز اور حرام قرار نہیں پاتی ہے جب تک قرآن وسنت اسے ناجائز اور حرام قرار نہ دے دیں۔ جس شے کو کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ حرام نہیں قرار دیا گیا اسے ازروئے شرع حرام تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شریعتِ اسلامیہ نے جائز اور حلال اشیاء کی فہرست نہیں گنوائی بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کر دی ہے جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا لہو، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات و ماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا کر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ فلاں فلاں چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں اور ان کے علاوہ اس کائنات ارضی وسماوی میں جو کچھ بھی ہے اسے تمہارے لئے حلال اور مسخر کر دیا تا کہ تم ان سے استفادہ کرو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابن ہمام، فتح القدیر، ۱: ۴۴۶

۲۔ ابن نجیم حنفی، البحر الرائق، ۱:۲۶۶

۳۔ ابن عابدین، حاشیہ ابن عابدین، ۲:۱۴

۴۔ السیواسی، شرح فتح القدیر، ۱:۴۴۶

(۲) القرآن، الجاثیہ، ۴۵: ۱۳

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالقِ کائنات، رحمٰن و رحیم خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انہیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیونکر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جو اس قرآنی ارشاد میں مذکور ہے:

اَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَلَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَ بَاطِنَةً۔(۱)

''(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔''

قرآنی ارشاد کی رو سے حلال و جائز اشیاء کے عموم کے پیشِ نظر جب ہم حرام اشیاء پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اس کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ جو اشیاء بھی اسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہو یا اس کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں اپنے تشریعی وتکوینی اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو، وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے مثلاً اسلامی شریعت میں حرام کی گئی اشیائے خورد و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر رسانیاں مضمر ہیں چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج انہیں جدید سائنسی تحقیقات ان کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مذکورہ ضرر رساں اشیاء کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں حلال قرار دی گئیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔(۲)

---

(۱) القرآن، لقمان، ۳۱: ۲۰

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۲۹

’’وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کر دیں۔‘‘

اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے حرام چیزیں بیان کر دی ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں خاموش ہے وہ جائز ہیں۔قرآن کا قاعدہ ہے کہ

قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ۔(۱)

’’اس نے تمہارے لئے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔‘‘

اس آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا وہ حلال ہیں کیونکہ ترکِ ذکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ **ترکِ ذکر اباحت کی دلیل ہے نہ کہ حرمت کی۔**

ایک اور مقام پر قرآن محرمات (وہ عورتیں جن سے شادی کرنا ممنوع ہیں) کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذَالِكُمْ۔(۲)

’’اور اس کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں قرآن واضح کر رہا ہے کہ ترکِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ حلت کی دلیل ہے تو جب قرآن میں ترک ذکر حلت کی دلیل ہے تو پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ترکِ فعل کیسے حرمت کی دلیل بن گیا۔

قابل توجہ نکتہ

اس تصریح کے بعد یہ اَمر بھی قابل توجہ ہے کہ شریعت اگر اس چیز کا نام ہو کہ جسے خدا اور اس کے رسول ﷺ نے جائز اور حلال فرمایا اس کو جائز اور جس پر شریعت خاموش ہے اس کو ناجائز اور حرام ٹھہرالیا جائے تو پھر روز مرہ زندگی میں صبح شام ہزاروں

(۱) القرآن، الانعام، ٦: ١١٩

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

امور ایسے ہیں جن کا حکم نہ اللہ نے دیا ہے اور نہ حضور ﷺ نے ان کے متعلق بظاہر کچھ فرمایا ہے مثلاً ہمارے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے اور بچھونے کی اَشیاء غرضیکہ ہمارا ہر لمحہ حیات ایسی چیزوں سے وابستہ ہے جو ہماری زندگی میں جزو لاینفک کی حیثیت حاصل کرچکی ہیں جو عہدِ نبوی اور دورے صحابہ میں موجود نہیں تھیں، تو وہ بھی حرام ٹھہریں گی اور اس طرح ان لاکھوں نئے معاملات میں گھری ہوئی ہماری مکمل زندگی اس تصور بدعت کے زمرے میں آ کر جمود و تعطل کا شکار ہو جائے گی اور شریعتِ اسلامیہ کی کشش اور تازگی ختم ہو جائے گی۔ یقیناً ایسا نہیں ہے بلکہ وہ معاملات جن کے متعلق قرآن و سنت کے صریح احکامات موجود نہیں ہیں انہیں حضور ﷺ نے **وما سکت عنه فهو مما عفا عنه** فرما کر جائز اور مباح قرار دے دیا۔ اس حوالے سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **اِمام ترمذیؒ**(۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے ایک بار گھی، پنیر اور دوسری اشیائے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحلّ الله فی کتابه و الحرام ما حرّم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔(۱)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، **باب فی لبس الفراء**، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطمعة، **باب أکل الجبن و السمن**، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

۷۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

۸۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲: ۲۲۱

۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۰۶

’’وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما أحلّ اللہ فی کتابہٖ فھو حلال وما حرّم فھو حرام وما سکت عنہٗ فھو عافیۃ فاقبلوا من اللہ عافیۃ ان اللہ لم یکن نسیا۔(۱)

’’جس (چیز) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس (چیز) کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے۔ اور جس (چیز) پر خاموشی اختیار کی ہے تو وہ تمہارے لیے معاف ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے عافیت لے لو بے شک اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔‘‘

۳۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بیہقی، سنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، رقم: ۱۷۲۶

۳۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمۃ، **باب أکل الجبن و السمن**، رقم: ۳۳۶۷

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۵۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۷۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

۸۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا و حرّم حرمات فلا تنتھکوھا وحدّ حدوداً فلا تعتدوھا وسکت عن أشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔(۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں۔ انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائی ہیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بغیر بھولے سکوت فرمایا ہے ان کی کھوج نہ لگاؤ۔''

ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) حضور ﷺ کے اِس ارشاد کہ **لا تبحثوا عن تلک الاشیاء** (ان چیزوں سے بحث نہ کرو) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل علی أن الاصل فی الاشیاء الاباحة کقوله تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔(۲)

''یہ فرمانِ نبوی بھی اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ أشیاء میں اصل اِباحت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اِرشاد ''**ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا**'' سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔''

---

(۱) ۱۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۱۸۴، رقم: ۴۲
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۱
۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۷: ۶۲۶
۶۔ ابو نعیم، حلیة الاولیاء، ۹: ۱۷
۷۔ قرطبی، الجامع لاحکام القران، ۶: ۳۳۴
۸۔ طبری، جامع البیان، ۷: ۸۵
(۲) ملاعلی قاری، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، ۱: ۲۲۳

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض ہو گیا پس حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے حتی کہ اس نے تین بار یہی سوال کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے پھر آپ نے فرمایا:

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبيائهم فَإِذَا أمرتکم بشيءٍ فأتوا منه ما استطعتم و إذا نهيتکم عن شئ فدعوه۔(۱)

’’جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کیا کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اَنبیاء سے کثرت سے سوالات کرنے اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ پس جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بقدر قدرت بجا لاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔‘‘

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج بالا حدیثِ مبارکہ صحیح ابن حبان میں ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۹۷۵، کتاب الحج، باب فرض الحج، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۳، باب اتباع سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم: ۲

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵

۴۔ اسحاق بن راهويه، المسند، ۱: ۱۵۱، رقم: ۹۱

۵۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸

۶۔ ابو نعيم اصبهانی، المسند المستخرج علی صحيح الامام المسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحكم، ۱: ۸۹

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک الذين قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبيائهم فإذا نهيتکم عن شيئی فاجتنبوه و إذا أمرتکم بأمر فأتوا منه ما استعطتم۔(۱)

’’جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اَنبیاء سے کثرتِ سوالات اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں پس میں جس بات سے منع کروں تو اس سے بچو اور جس کا حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجا لاؤ۔‘‘

خلاصۂ بحث

ان آیات و احادیث کی روشنی میں شریعتِ مطہرہ کا یہ اُصول اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جن اشیاء کو شریعت نے حلال قرار دیا وہ حلال ہیں اور جنہیں حرام قرار دیا وہ حرام ہیں اور جن اشیاء کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ان کے بارے میں کوئی بھی حکم حلال و حرام کا نہ دیا گیا ہو وہ مباح اور جائز ہوں گی کسی شئ کو محض عدمِ ذکر یا عدمِ ثبوت کی وجہ سے ناجائز یا حرام تصور کرنا شریعت کے منافی اور

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۱۸، رقم: ۳۷۰۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۴۷، رقم: ۷۳۶۱
۳۔ ابن راهوية، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۶۰
۴۔ ابو يعلی، المسند، ۱۱: ۱۹۵، رقم: ۶۳۰۵
۵۔ ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۴۱، رقم: ۳۱۳۷
۶۔ هيثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۵۸
۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۸۹
۸۔ هبة الله، اعتقاد اهل السنة، ۱: ۱۱۴، رقم: ۱۷۶
۹۔ ذهبی، سير اعلام النبلاء، ۵: ۳۱۲

اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلت و حرمت سے انحراف کے مترادف ہے کیونکہ کسی شے پر شارع علیہ السلام کا سکوت فرمانا بذاتِ خود اس شئے کے مباح اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔

باب: ۹

بدعت کی تقسیمات

فصل اول:

بدعت کی دو معروف تقسیمات

فصل دوم:

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئۃ کی اقسام

فصل اول:

بدعت کی دو معروف تقسیمات

❁ بدعت کی پہلی تقسیم

۱۔ بدعتِ لغوی (Literal Innovation)

۲۔ بدعتِ شرعی (Legal Innovation)

❁ بدعت کی دوسری تقسیم

۱۔ بدعتِ حسنہ (Commendable Innovation)

۲۔ بدعتِ سیّئة (Condemned Innovation)

بدعتِ حسنۃ بدعتِ لغوی ہے

بدعتِ سیّئة ہی بدعتِ شرعی ہے

تصورِ بدعت کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں دور کرنا اِنتہائی ضروری ہے۔ اس باب میں ائمہ و محدّثین کی بیان کردہ بدعت کی تقسیم کا ذکر بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اَکابر ائمہ اِسلام نے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ کے ذریعے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ ہر بدعت ناجائز اور حرام نہیں ہوتی۔ صرف وہ بدعت ناجائز اور ممنوع ہوتی ہے جس کی کوئی اصل، مثال، دلیل یا نظیر کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ ایسی بدعت شریعت کے کسی نہ کسی حکم کے واضح طور پر مخالف اور متضاد ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو ''نیا کام'' احکامِ شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ ایسے اُمور میں داخل ہو جو اَصلاً حسنات و خیرات اور صالحات کے زمرے میں آتے ہیں تو ایسے جملہ نئے کام محض لغوی اِعتبار سے تو ''بدعت'' کہلائیں گے کیونکہ ''بدعت'' کا لغوی معنی ہی ''نیا کام'' ہے ورنہ وہ شرعًا نہ تو بدعت ہوں گے اور نہ ہی مذموم اور باعثِ ضلالت۔ یقیناً ایسے اُمورِ مبنی بر خیر ''اُمورِ حسنہ'' متصور ہوں گے۔

تصورِ بدعت کو سمجھنے کے لئے لفظِ ''مُباح'' کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس سے نفسِ مسئلہ سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ لفظِ مباح، اِباحت سے مشتق ہے۔ **اِمام جوینیؒ** (۴۷۸ھ) **البرهان فی أصول الفقه** میں مباح کا معنی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأمّا المباح فهوما خير الشارع فيه بين الفعل والترک من غير إقتضاء ولا زجر۔(۱)

''شارع کا (مکلّف کو) کسی اِقتضاء و زجر کے بغیر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دینا مباح کہلاتا ہے۔''

دوسرے لفظوں میں وہ کام جس کی حرمت و فرضیت کے بارے میں کتاب و

(۱) جوینیؒ، البرهان فی أصول الفقه، ۱: ۲۱۶

سنت کا کوئی حکم موجود نہ ہو اسے مباح کہتے ہیں۔ مباح اَصل میں جائز ہوتا ہے کیونکہ اس کی حرمت پر کوئی نہی وارد نہیں ہوتی۔ اِسلامی شریعت کا معروف قاعدہ اور اُصول ہے کہ **الاصل فی الأشیاء إباحة** [1] یعنی ہر چیز کی اَصل اِباحت یعنی جائز ہونا ہے۔

نوٹ: اِباحت اصلیہ پر تفصیلی بحث اس کتاب کے باب:۸ ''اِباحت اور تصورِ بدعت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بدعت کی پہلی تقسیم

۱۔ بدعتِ لغوی ۲۔ بدعتِ شرعی

۱۔ بدعتِ لُغوی (Literal Innovation)

بدعتِ لغوی سے مراد وہ نئے اُمور ہیں جو صراحتاً کتاب و سنت سے ثابت نہ ہوں لیکن ان کی اَصل، مثال یا نظیر شریعت میں موجود ہو اور یہ شریعت کے مستحسنات کے ذیل میں آتے ہوں جیسے نمازِ تراویح کی جماعت، قرآنی آیات پر اِعراب، دینی علوم کی تفہیم کے لئے صرف و نحو کا درس و تدریس، اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ اور دیگر علومِ عقلیہ وغیرہ کی تعلیم کا اِہتمام وغیرہ۔ یہ سب اُمور بدعاتِ لغویہ میں شامل ہیں۔

اِمام اِبن تیمیہ (۷۲۸ھ) اپنی کتاب ''**منهاج السنة**'' میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان ''**نعمت البدعة هذهِ**''[2] کے ذیل میں بدعتِ لغوی کی

(۱) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶:۴۵۹
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴:۷۷
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۲۵۶
۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱:۶۰

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱:۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

←

وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

إنّما سمّاها بدعة لأن ما فعل ابتداء، بدعة لغة، وليس ذلک بدعة شرعية، فإنّ البدعة الشّرعية التی هی ضلالة ما فعل بغير دليل شرعی۔ (۱)

''اِسے (یعنی با جماعت نمازِ تراویح کو) بدعت اِس لیے کہا گیا کہ یہ عمل اس سے پہلے اِس انداز میں نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ بدعتِ لُغوی ہے، بدعتِ شرعی نہیں ہے۔ بدعتِ شرعی وہ گمراہی ہوتی ہے جو دلیلِ شرعی کے بغیر سرانجام دی جائے۔''

۲۔ بدعتِ شرعی (Legal Innovation)

بدعتِ شرعی سے مراد اَیسے نئے اُمور ہیں جو نہ صرف کتاب و سنت سے متخالف و متناقض ہوں اور اَخیارِ اُمت کے اِجماع کے بھی مخالف ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اَصل، مثال یا نظیر پہلے سے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو، ''بدعت شرعی'' ہے۔ ذیل میں بدعتِ شرعی کی چند تعریفات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) بدعتِ شرعی کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معروف فتاویٰ ''مجموع الفتاویٰ'' میں لکھتے ہیں:

.........۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ابن تيميه، منهاج السنة، ۴: ۲۲۴

والبدعة ما خالفت الكتاب و السنة أو اجماع سلف الأمة من الاعتقادات و العبادات كأقوال الخوارج والروافض و القدرية و الجهمية۔(۱)

''بدعت سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات وعبادات میں کتاب وسنت اور اَخیارِ اُمت کے اِجماع کی مخالفت کرے جیسے خوارج، روافض، قدریہ اور جہمیہ کے عقائد۔''

۲۔ **شیخ ابن رجب حنبلیؒ** (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنی کتاب **''جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم''** میں بدعت شرعی کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا اصل له فی الشريعة يدل عليه واما ما كان له اصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة لغة۔ (۲)

''بدعت (شرعی) سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔''

۳۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالمِ دین **نواب صدیق حسن خان بھوپالی** (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس کے نتیجے میں کوئی سنت متروک ہو جائے۔ جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقض نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ھدیۃ المھدی کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے

---

(۱) ابن تیمیه، مجموع الفتاوىٰ، ۳: ۱۹۵

(۲) ابن رجب حنبلی، **جامع العلوم و الحکم**، ۱: ۲۵۲

علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها والتی لا ترفع شيئا منها فلیست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔(۱)

''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے۔ جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت آتی ہے اور قرآن و حدیث کے کسی حکم سے متضاد بھی نہیں وہ مشروع، مباح اور جائز ہے۔ اسے محض بدعت یعنی نیا کام ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب و سنت کی روح کے منافی ہی نہیں بلکہ منشائے اِلٰہی کے خلاف بھی ہے۔

وضاحت

تقسیمِ بدعت کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ بعض اوقات ایک کام محض لُغوی اِعتبار سے بدعت ہوتا ہے شرعی اِعتبار سے نہیں۔ بعض لوگ بدعتِ لغوی کو ہی بدعتِ شرعی سمجھ کر حرام کہنے لگتے ہیں۔ لفظِ بدعت، چونکہ بَدَعَ سے مشتق ہے جس کے معنی ''نیا کام'' کے ہیں۔ اس لئے **لُغوی اعتبار سے ہر نئے کام کو خواہ اچھا ہو یا برا، صالح ہو یا فاسد، مقبول ہو یا نامقبول بدعت کہہ دیا جاتا ہے۔** یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے اِس اِبہام سے بچنے کے لیے بدعت کی ایک اُصولی تقسیم یہ کی ہے کہ اسے بنیادی طور پر بدعت لغوی اور بدعتِ شرعی، دو اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور بدعت کو بلا اِمتیاز و بلا تفریق صرف ایک ہی اکائی سمجھ کر ہر نئے کام کو جو عہدِ رسالتِ مآب ﷺ یا عہدِ صحابہ کے بعد ایجاد ہوا یا رواج پذیر ہوا، مذموم، حرام اور باعث ضلالت قرار نہیں دیا بلکہ کسی نئے کام کو ''بدعةِ لغویه'' کے زمرے

(۱) وحید الزمان، ہدیۃ المہدی: ۱۱۷

میں رکھا ہے اور کسی کو ''بدعۃ شرعیۃ'' کے زمرے میں۔ اس طرح صرف بدعتِ شرعیۃ کو ہی بدعتِ ضلالت قرار دیا ہے جبکہ بدعتِ لغویہ کو بالعموم بدعتِ حسنہ تصور کیا ہے۔

اس تقسیم کو صراحۃً بیان کرنے والوں میں منجملہ کثیر ائمہ دین اور علماء اعلام کے ابنِ تیمیہ (۷۲۸ھ)، ابنِ کثیر (۷۷۴ھ)، ابنِ رجب حنبلی (۷۹۵ھ)، علامہ شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ بھوپالی (۱۳۰۷ھ) سے لے کر شیخ عبد العزیز بن باز (۱۴۲۱ھ) تک، ایک خاص نقطۂ نظر رکھنے والے علماء بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء اور محدّثین جو اپنے آپ کو ''سلفی'' کہتے ہیں، سوادِ اعظم سے اپنے آپ کو جدا قرار دیتے ہیں اور کسی لحاظ سے بھی بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم جائز نہیں سمجھتے وہ بھی بدعت کو بدعتِ لُغوی اور بدعتِ شرعی میں تقسیم کرتے ہیں جبکہ ہم بدعتِ حسنہ اور سیئہ کے ساتھ بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم کو بھی مانتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جس کو وہ بدعت شرعی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ سیئہ، بدعتِ ضلالۃ یا بدعتِ قبیحۃ بھی کہتے ہیں اور جس کو وہ بدعتِ لُغوی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ حسنہ، بدعتِ صالحہ اور بدعتِ خیر سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی نئے عمل کی حلت وحرمت کو جانچنے کے لئے اسے دلیلِ شرعی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگر وہ عمل موافقِ دلیل ہو تو ''بدعتِ حسنہ'' کہلائے گا اور اگر مخالفِ دلیل ہو تو ''بدعتِ سیئہ'' یا ''بدعتِ مذمومہ''۔

مختصراً یہ کہ بدعت کے دراصل دو اِطلاقات ہیں: ایک شرعی اور دوسرا لغوی۔ شرعی اِطلاق میں بدعت ''محدثات الأمور'' کو شامل ہے اور یہی ''بدعتِ سیّئہ'' ہے۔ سو اس معنی میں ''کل بدعة ضلالةٌ'' درست ہے، کیونکہ اس کا معنی و مراد ہی ''کل بدعةٍ سیّئةٍ ضلالةٌ'' ہے لیکن لغوی اِطلاق میں بدعت کی تقسیم ہوگی۔ وہ اِسطرح کہ اگر وہ مخالفِ دلیلِ شرعی یا منافی و ناسخِ سنّت ہو تو خود بخود ''بدعت شرعی'' ہو جائے گی اور وہی ''بدعتِ سیّئہ'' ''بدعتِ مذمومہ'' یا ''بدعتِ ضلالۃ'' ہوگی لیکن اگر مخالفِ شریعت نہ ہو اور نہ ہی ناسخِ سنّت ہو تو وہ مباح اور جائز ہوگی۔

بدعتِ حسنہ کی اَہمیت وضرورت اور افادیت ومصلحت کے اعتبار سے اس کی مزید درجہ بندی کی گئی ہے سو یا وہ فقط بدعتِ مباحہ ہوگی، یا بدعتِ مندوبہ (مستحبّہ) ہوگی یا بدعتِ واجبہ یعنی صورۃً وھیئۃً تو وہ کوئی نیا کام ہوگا مگر اصلاً و دلالۃً اَمرِ خیر اور اَمرِ صالح ہوگا جسے شریعتِ اِسلامیہ کے عمومی دلائل و اَحکام کی اُصولی تائید میسّر ہوگی۔ اسی لئے تمام ائمہ ومحدّثین اور فقہاء ومحققین نے ہر زمانے میں بدعت کی یہ تقسیم بیان کی ہے۔

اگر ہر نیا کام محض اپنے نئے ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پائے تو لامحالہ تعلیماتِ دین اور فقہ اسلامی کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا۔ اِجتہاد کی ساری صورتیں، قیاس اور استنباط کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم و فنون اور ان کو سمجھنے کے لئے جملہ علومِ خادمہ جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں ان کا سیکھنا، سکھانا بھی حرام قرار پائے گا کیونکہ یہ سب علوم وفنون اپنی موجودہ شکل میں نہ عہدِ رسالت میں موجود تھے نہ ہی عہدِ صحابہ کرام میں۔ انہیں تو بعد میں ضرورت کے پیشِ نظر وضع اور مرتب کیا گیا۔ یہ تمام علوم وفنون اپنی ہیئت، اُصول، اِصطلاحات، تعریفات اور قواعد وضوابط کے اعتبار سے نئے ہیں لہٰذا بلاشک وشبہ یہ سب بدعتِ لُغوی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مزید برآں اگر ہر نیا کام بدعتِ شرعی اور ضلالت وگمراہی قرار پائے تو دینی مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس اور نصابات کا بیشتر حصّہ بھی گمراہی قرار پائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ درس نظامی کے نصابات کے طریق پر درس و تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا طریقہ نہایت سادہ تھا۔ یہ فقط قرآن و حدیث کے سماع و روایت پر مبنی تھا۔ لہٰذا قرآن حکیم کی موجودہ شکل میں طباعت و زیبائش سے لے کر حرمِ کعبہ اور مساجد کی پختہ تعمیر اور تزئین و آرائش تک بہت سے معاملات کا جواز بھی مجروح اور ساقط ہو جائے گا۔ اس ساری تفصیل بیان کرنے کا مقصد فقط یہ ہے کہ اِشکال دور کرنے کے لیے بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم ناگزیر ہے۔

بدعت کی دوسری تقسیم

۱۔ بدعتِ حسنہ　　　　۲۔ بدعتِ سیّئة

۱۔ بدعتِ حسنہ (commendable Innovation)

بدعتِ حسنہ سے مراد وہ نیا عمل ہے جس کی اَصل، مثال یا نظیر کتاب وسنت میں موجود ہو اور وہ احکامِ شریعت سے متخالف و متناقض نہ ہو بلکہ شریعت کے مستحسنات کے تحت داخل ہو۔ **اِمام بدرالدین عینیؒ** (۸۵۵ھ) **عمدة القاری شرح صحیح البخاری** میں بدعت کی تعریف اور تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **البدعة علی نوعین: اِن کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی بدعة حسنة واِن کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی بدعة مستقبحة۔(۱)**
>
> ’’بدعت کی دو قسمیں ہیں، اگر یہ شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو یہ بدعتِ حسنة ہے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آجائے تو یہ بدعتِ مستقبحة ہوگی۔‘‘

۲۔ بدعتِ سیّئة (condemned innovation)

بدعتِ سیئہ سے مراد وہ نیا عمل ہے جو قرآن و حدیث کے مخالف ہو اور اس کی اصل مثال یا نظیر بھی کتاب و سنت میں نہ ہو دوسرے لفظوں میں بدعت سیئہ سے مراد وہ بدعت ہے جو کسی سنت کے ترک کا باعث بنے اور امرِ دین کو توڑے۔ **علامہ اسماعیل حقیؒ** (۱۱۳۷ھ) بدعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدعت صرف اُس عمل کو کہا جائے گا جو سنتِ رسول یا عملِ صحابہ و تابعین کے خلاف ہو،

(۱) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱: ۱۲۶

فرماتے ہیں:

أن البدعة هی الفعلة المخترعة فی الدین علی خلاف ما کان علیه النبی علیه السلام و کانت علیه الصحابة و التابعون رضی اللہ عنہم۔(۱)

''بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سنت کے خلاف گھڑا جائے ایسے ہی وہ عمل صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے طریقے کے بھی مخالف ہو۔''

بدعتِ حسنۃ بدعتِ لُغوی ہے

بے شمار اُمورِ خیر اور اُمورِ صالحہ کو اُن کے ''نئے پن'' کی وجہ سے بعض علماء اور محدّثین بدعتِ لغوی اور بعض بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ حقیقت میں دونوں اِصطلاحات کا مقصود و مفہوم ایک ہی ہے۔صرف الفاظ کا فرق ہے۔ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہم بدعتِ حسنہ اور سیئۃ کی تقسیم کے ساتھ ساتھ بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم کو بھی مانتے ہیں۔ ہم ان دونوں تقسیمات میں کوئی تضاد نہیں سمجھتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جس کو وہ بدعتِ شرعی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ سیئۃ، بدعتِ ضلالۃ یا بدعتِ قبیحۃ کہتے ہیں اور جس کو وہ بدعتِ لغوی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ حسنہ، بدعتِ صالحہ اور بدعتِ خیر کہتے ہیں۔ ذیل میں چند اُن علماء اور محدّثین کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو بدعت کو حسنہ اور سیئہ کی بجائے بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی میں تقسیم کرتے ہیں۔ان کی اِس تقسیم پر تھوڑا سا غور کرنے سے یہ اَمر واضح ہو جاتا ہے کہ بدعتِ حسنۃ ہی بدعتِ لغوی ہے اور بدعتِ سیئۃ ہی بدعتِ شرعی ہے۔

۱۔ **اِمام ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) اپنی کتاب ''منهاج السنة'' میں ''نعمت البدعة هذه'' کے ذیل میں نمازِ تراویح کو بدعتِ لغوی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۹: ۲۴

إنما سماها بدعة لأن ما فعل ابتداء، بدعة لغة، وليس ذلک بدعة شرعية، فإن البدعة الشرعية التی هی ضلالة ما فعل بغیر دلیل شرعی۔(۱)

''اِسے (یعنی نمازِ تراویح کو) بدعت اِس لیے کہا گیا کہ یہ عمل اس سے پہلے اِس انداز میں نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ بدعتِ لغوی ہے بدعتِ شرعی نہیں ہے کیونکہ بدعتِ شرعی وہ گمراہی ہوتی ہے جو دلیلِ شرعی کے بغیر سرانجام دی جائے۔''

۲۔ اسی طرح **حافظ ابن کثیرؒ** (۷۷۴ھ) بھی ''**تفسیر القرآن العظیم**'' میں بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے نمازِ تراویح کو بدعت لغویہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة علی قسمین تارة تکون بدعة شرعیة کقوله فإن کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة(۲) و تارة تکون بدعة لغویة کقول أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب عن جمعه إیّاهم علی صلاة التراویح واستمرارهم: نعمت البدعة هذه۔(۳)

---

(۱) ابن تیمیه، منهاج السنة، ۴: ۲۲۴

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۳) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

←

''بدعت کی دو قسمیں ہیں بعض اَوقات یہ بدعت شرعیۃ ہوتی ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''فإن کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة'' اور بعض اَوقات یہ بدعت لغویہ ہوتی ہے جیسا کہ اَمیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو نمازِ تراویح پر جمع کرتے اور دوام کی ترغیب دیتے وقت فرمان ''نعمت البدعة هذه'' ہے۔

علامہ اِبنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ کثیر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان ''نعمت البدعة هذه'' میں بدعت کو بدعتِ لغوی شمار کیا ہے حالانکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ هذه بدعة لغوية بلکہ انہوں نے بدعت کے ساتھ لفظ ''نعم'' اِستعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اُنہوں نے اِسے نعم البدعة یا بدعتِ حسنہ کہا ہے۔ اِس مفہوم کی شہادت قرآن میں بھی موجود ہے سورہ ص میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

نِعْمَ الْعَبْدُ ط إِنَّهٗ أَوَّابٌ (۱)

''(حضرت سلیمان علیہ السلام) کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ بڑی کثرت سے توبہ کرنے والا تھا۔''

اس آیت میں لفظِ نعم اِستعمال ہوا ہے اس کا معنی لغوی نہیں ہوتا بلکہ اِس کا معنی ''اَچھا'' یعنی ''حسنہ'' ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جسے نعم البدعة هذه کہا ہے لغت ہی کی رو سے اِس کا معنی بدعتِ حسنہ بنتا ہے یعنی باعتبارِ لغت بدعتِ لغوی سے مراد بدعتِ حسنہ ہے۔

۳۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) اپنی کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں

.........۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۶۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱ : ۱۶۱
(۱) ص، ۳۸: ۳۰

نئے اُمورِ صالحہ کو بدعت لغوی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له فی الشريعة يدلّ عليه، وأما ما كان له أصل من الشرع يدلّ عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغة۔(۱)

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔''

پس ثابت ہوا کہ بدعت کو لغوی اور شرعی میں تقسیم کرنے والوں کے نزدیک بھی بدعتِ حسنہ سے مراد بدعت لغوی ہے۔

بدعتِ سیّئۃ ہی بدعتِ شرعی ہے

جمہور اَئمہ و محدّثین اور اَکابر فقہاء نے حدیث ''**نعمت البدعة هذهٖ**''(۲) اور ''مَنْ سَنَّ فِیْ الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً''(۳) اور اس جیسی دیگر احادیث کی روشنی میں بدعت کی

(۱) ۱۔ ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۲

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔بخاری، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم:۱۹۰۶

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيہقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

←

تقسیم ”حسنہ “ اور ” سیئہ “ میں کی ہے جبکہ چند دیگر علماء نے بدعت لغوی اور بدعت شرعی میں تقسیم کی ہے۔اگر ان دونوں تقسیمات پر تھوڑا سا تفکر و تدبر کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ نفسِ بدعت کی مفہوم اِن دونوں طبقات کے نزدیک ایک ہی ہے۔ دونوں کے نزدیک بدعتِ سیّئہ ہی بدعتِ شرعی ہے اور بدعتِ شرعی ہی بدعتِ سیئہ ہے۔ اِمام شافعیؒ (۲۰۴ھ)، امام قرطبیؒ (۳۸۰ھ)، امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ)، امام ابن عبد السلامؒ (۶۶۰ھ) اور امام نوویؒ (۶۷۶ھ) وغیرہ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی اِصطلاح جبکہ علامہ ابن تیمیہ(۷۲۸ھ)، حافظ ابن کثیر(۷۷۴ھ)،علامہ ابن رجب حنبلی(۷۹۵ھ) اور علامہ شوکانی(۱۲۵۵ھ) وغیرہ بدعتِ لغویہ اور بدعتِ شرعیہ کی اِصطلاح اِستعمال کرتے ہیں۔مختصراً یہ کہ دونوں طبقات کی اِصطلاحات کا باہمی موازنہ کرنے اور دونوں کے مقصود و مطلوب پر غور کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دونوں عملی طور پر بدعت کی تقسیم پر متفق ہیں۔مزید برآں دونوں کے نزدیک بدعتِ حسنہ ہی بدعتِ لغوی ہے اور بدعتِ سیئہ ہی بدعتِ شرعی ہے۔

نوٹ: مزید تفصیلات کے لیے باب دہم ” بدعت ائمہ و محدّثین کی نظر میں “ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

فصل دوم:

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئۃ کی اقسام

۞ بدعتِ حسنہ (لُغویہ) کی اقسام

۱۔ بدعتِ واجبہ (Compulsory Innovation)

۲۔ بدعتِ مستحبہ (Recommendatory Innovation)

۳۔ بدعتِ مباحہ (Permissible Innovationn)

۞ بدعتِ سیئہ (شرعیہ) کی اقسام

۱۔ بدعتِ محرّمہ (Forbidden Innovation)

۲۔ بدعتِ مکروہہ (Prohibited innovation)

۞ تقسیمِ بدعت پر اَحادیثِ نبوی سے اِستشہاد

جوڑوں (pairs) کے نظام سے اِستدلال

"من دعا اِلی ضلالۃ" سے اِستدلال

"بدعۃ ضلالۃ" فرمانے میں حکمت

تقسیمِ بدعت پر معروف کتب کی فہرست

خلاصۂ بحث

بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کی بنیاد بعد کے ائمہ و محدِّثین اور علماء و فقہاء اسلام نے ہرگز نہیں رکھی بلکہ انہوں نے ارشادِ نبوی ﷺ اور سنّتِ خلفائے راشدین کی ہی تشریح و توضیح کی ہے۔ اور اسے خاص علمی نظم کے ساتھ بیان کر دیا ہے لہٰذا **امام نوویؒ** (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ بنیادی طور پر بدعت کی دو اقسام ہیں، وہ لکھتے ہیں:

البدعة فی الشرع هی إحداث ما لم یکن فی عهد رسول الله ﷺ وهی منقسمة إلی حسنة و قبیحة۔(۱)

''شریعت میں بدعت سے مراد وہ نئے اُمور ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھے، اور یہ بدعت ''حسنہ'' اور ''قبیحہ'' میں تقسیم ہوتی ہے۔''

اسی طرح **اِمام ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) بھی بدعت کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة بدعتان: بدعة هدیً و بدعة ضلال۔(۲)

''بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔''

لفظِ ''بدعتِ حسنہ'' خود ہی اس طرف اِشارہ کر رہا ہے کہ ہر نیا کام ناجائز اور

(۱) ۱۔ نووی، تہذیب الأسماء واللغات، ۳:۲۲
۲۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۱ : ۲۸۶
۳۔سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۱
۴۔ صالحی، سبل الهدی والرشاد، ۱: ۳۷۰
(۲) ابن أثیر جزری، النهایة فی غریب الحدیث والأثر، ۱ : ۱۰۶

حرام نہیں ہوتا بلکہ ہر ایسا نیا کام جس کی کوئی اصل، مثال یا نظیر کتاب وسنت میں موجود ہو یا شریعت کے ساتھ اس کی کوئی مطابقت ہو مزید برآں وہ مبنی بر خیر اور مبنی بر مصلحت ہو اور اصلاً حسنات و خیرات اور صالحات کے زمرے میں آتا ہو تو وہ ''بدعتِ حسنہ'' ہوگا اس کے برعکس اگر وہ بدعت دینِ اسلام سے متضاد ہو، قواعدِ دین، احکامِ دین، احکامِ سنت اور دین کی مصلحتوں کے خلاف ہو، کتاب وسنت کے کسی حکم کو منسوخ کر کے فتنہ پیدا کر رہی ہو تو وہ ''بدعتِ سیئۃ'' ہوگی لہٰذا فرمانِ نبوی ﷺ ''**كُلُّ بِدعَةٍ ضَلَالَةٌ**'' خود بخود ''**كُلُّ بِدْعَةٍ سَيِّئَةٍ ضَلَالَةٌ**'' پر محمول ہوگا تاکہ بدعتِ حسنہ اس سے مستثنیٰ ہو سکے۔

کوئی معترض یہاں پر یہ اعتراض وارد کر سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تو ''**كُلُّ بِدعَةٍ ضَلَالَةٌ**'' یعنی ہر بدعت کو ضلالت فرمایا ہے۔ پھر بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئۃ کی تقسیم کہاں سے نکل آئی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقسیم نئی نہیں بلکہ شروع سے لے کر آج تک تمام اکابر ائمہ ومحدّثین نے حدیثِ نبوی کی روشنی میں بدعت کی یہ تقسیم بیان کی ہے۔ تفصیلات کے لئے اس کتاب کا باب دہم ''**بدعت ائمه و محدّثین کی نظر میں**'' ملاحظہ فرمائیں۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جہاں سے بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم ماخوذ ہے وہیں سے بدعتِ حسنہ اور سیئۃ نکلی ہیں۔ مثلاً حدیث ''**نعم البدعة هذه**'' میں باجماعت نمازِ تراویح کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعتِ حسنہ نہیں بلکہ بدعتِ لغوی ہے، پس جس حدیث سے بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی نکلی ہے اسی سے بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئۃ کی اِصطلاح ماخوذ ہے۔

ایک اور اَہم بات یہ ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں لغوی اور شرعی کی تقسیم کا ذکر نہیں ہے بلکہ حسنہ اور سیئۃ کے الفاظ اِستعمال ہوئے ہیں۔ جیسے حدیث ''**نعم البدعة هذه**''(۱)

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم:۱۹۰۶

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹ ←

میں لفظِ ''نعم'' بدعتِ حسنہ کی طرف اور ''من سنّ فی الاسلام سنة سیئة''[1] میں لفظِ ''سیئة'' بدعتِ سیئہ پر دال ہے لہٰذا جس کو وہ بدعتِ لغوی اور بدعت شرعی کہتے ہیں اسی کو جمہور ائمہ و محدّثین بدعتِ حسنہ اور بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ پس اگر بدعت لغوی اور شرعی کی تقسیم جائز ہے تو حسنہ اور سیئہ کی تقسیم کیوں جائز نہیں اور اگر بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم جائز نہیں تو لغوی اور شرعی کی تقسیم بھی جائز نہیں۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک ہر بدعت، بدعتِ ضلالہ ہے اگر اِن کی یہ بات مان لی جائے تو پھر لفظِ بدعت کے ساتھ لفظِ شرعی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ مزید برآں اگر بدعت کی بدعتِ لغوی اور شرعی میں ہی تقسیم کرنی ہے تو پھر حدیث میں لفظ ''نعم'' کہاں جائے گا؟ کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں ''نعم البدعة'' یعنی اچھی بدعت۔ ان دلائل و اِشارات سے ثابت ہوتا ہے کہ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیءہ کی تقسیم اَقرب الی متن الحدیث ہے۔یعنی لفظِ ''نعم'' کو لفظِ حسنہ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیءہ کی مزید تقسیم کی گئی ہے جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

.... ۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

بدعتِ حسنہ کی اقسام

بدعتِ حسنہ کی مزید تین اقسام ہیں:

۱۔ بدعتِ واجبہ
۲۔ بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)
۳۔ بدعتِ مباحہ

۱۔ بدعتِ واجبہ (Compulsory Innovation)

وہ کام جو اپنی ہیئت میں تو بدعت ہو لیکن اس کا وجود واجب کی طرح دین کی ضرورت بن جائے اور اسے ترک کرنے سے دین میں حرج واقع ہو جیسے قرآنی آیات پر اعراب، دینی علوم کی تفہیم کے لئے صرف و نحو کا درس و تدریس، اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اصولِ فقہ اور دیگر علوم عقلیہ وغیرہ کی تعلیم کا اہتمام، دینی مدارس کا قیام، درسِ نظامی کے نصابات ،ان کی اِصطلاحات اور اس کے علاوہ فِرقِ باطلہ (قدریہ، جبریہ، مُرجیہ، جہمیہ اور مرزائی وغیرہ) کا ردّ سب ''بدعاتِ واجبہ'' ہیں۔(۱)

۲۔ بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ) (Recommendatory Innovation)

جو کام اپنی ہیئت اور اَصل میں نیا ہو لیکن شرعاً ممنوع ہو نہ واجب، بلکہ عام مسلمان اسے ثواب اور مستحسن اَمر سمجھ کر کریں بدعتِ مستحبہ کہلاتا ہے۔ اس کے نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا لیکن کرنے والے کو ثواب ملتا ہے جیسے مسافر خانے، مدارس کی تعمیر اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے نہیں تھی اس کا ایجاد کرنا ، جیسے نماز تراویح کی

---

(۱) ۱۔ شاطبی ،الاعتصام، ۲ : ۱۱۱
۲۔ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱۴ : ۱۹۲
۳۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۲

جماعت، تصوف و طریقت کے باریک مسائل کا بیان، محافلِ میلاد، محافلِ عرس وغیرہ جنہیں عام مسلمان ثواب کی خاطر منعقد کرتے ہیں اوران میں شرکت نہ کرنے والا گناہگار نہیں ہوتا۔ (۱)

اُمت کی بھاری اکثریت کی طرف سے کیے جانے والے ایسے اَعمالِ حسنہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا:

مارأه المؤمن حسنا فهو عند الله حسن وما رأه المؤمنون قبيحًا فهو عند الله قبيح۔(۲)

''جس عمل کو (بالعموم) مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو مسلمان برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔''

۳۔ بدعتِ مباحہ (Permissible Innovation)

وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور جسے مسلمان صرف جائز سمجھ کر ثواب کی نیت کے بغیر اختیار کرلیں بدعتِ مباحہ کہلاتا ہے۔ فقہاء نے فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے اور عمدہ لذیذ کھانے اور مشروبات کے اِستعمال کو ''بدعت مباحہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۳
۲۔ وحید الزمان، هدية المهدی، ۱۱۷

(۲) ۱۔ بزار، المسند، ۵: ۲۱۳، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۳۔ حاکم، المستدرک، ۳:۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳

(۳) ۱۔ ابن حجر مکی، الفتاوی الحدیثیة : ۱۳۰
۲۔ وحید الزمان، هدية المهدی : ۱۱۷
۳۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۳

بدعتِ سیئہ کی اقسام

بدعتِ سیئہ کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ بدعتِ محرمہ
۲۔ بدعتِ مکروہہ

۱۔ بدعتِ محرمہ (Forbidden Innovation)

وہ نیا کام جس سے دین میں تضاد، اختلاف اور انتشار واقع ہو یا وہ نئے اُمور جو اُصولِ دین سے متخالف و متناقض ہوں مثلاً نئے مذاہب، جیسے قدریہ، جبریہ، مُرجیہ(اور آج کل مرزائی و قادیانی) وغیرہ کا وجود، جبکہ ان مذاہبِ باطلہ کی مخالفت ''بدعتِ واجبہ'' کا درجہ رکھتی ہے۔(۱)

۲۔ بدعتِ مکروہہ (Prohibited innovation)

جن نئے کاموں سے سنت موکدہ یا غیر موکدہ چھوٹ جائے۔ اس میں علماء متقدمین نے مساجد کی بلاضرورت اور فخریہ آرائش وتزئین وغیرہ کو شامل کیا ہے۔(۲)

تقسیمِ بدعت پر اَحادیث نبوی سے اِستشہاد

اگر لفظِ بدعت اور اِحداث کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم نہ ہوتی اور اِن کا معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتا تو اِن اَلفاظ کی نسبت کبھی بھی اَعمالِ حسنہ اور اَفعالِ خیر کی طرف نہ کی جاتی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ الفاظ حضور علیہ السلام کے لیے استعمال کرتے۔(۳)

(۱) ۱۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۲
۲۔ وحید الزماں، ھدیۃ المھدی : ۱۱۷
(۲) ۱۔ ابن حجر مکی، الفتاوی الحدیثیۃ : ۱۳۰
(۳) تفصیلات کے لئے باب پنجم کی فصل اول ملاحظہ فرمائیں۔

تقسیمِ بدعت پر اِستدلال کے لیے حضور ﷺ کا درج ذیل فرمان نہایت اہم ہے جسے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اُون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی بدحالی اور ان کی ضرورت کو دیکھا تو لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ لوگوں نے کچھ دیر کی، جس سے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کی تھیلی لے کر حاضر ہوا، پھر دوسرا آیا اور پھر لانے والوں کا تانتا بندھ گیا، حتی کہ نبی اکرم ﷺ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِيْ الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ کُتِبَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلاَ يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ کُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلاَ يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔ (۱)

''جس شخص نے مسلمانوں میں کسی ''نیک طریقہ'' کی ابتدا کی اور اس کے بعد

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

۶۔ دارمی، السنن، ۱ : ۱۴۱، رقم: ۵۱۴

۷۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۱

اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہو گی، اور جس شخص نے مسلمانوں میں کسی برے طریقے کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔''

اِمام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے اس حدیثِ مبارکہ کا باب ''من سن سنة حسنة او سيئة'' قائم کیا ہے یعنی جس نے اچھی سنت اور بری سنت کا طریقہ وضع کیا۔ امام مسلمؒ نے یہ باب قائم کر کے واضح کر دیا کہ یہاں پر لفظِ سنت سے مراد سنتِ رسول ﷺ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی لفظِ سنت استعمال ہو وہاں اس سے مراد سنتِ رسول ﷺ، سنت صحابہ یا سنت خلفاء راشدین ہی ہو گا۔ اگر ایسا ہوتا تو امام مسلمؒ کبھی بھی حضور ﷺ کی سنت کی نسبت ''سيئة'' کا لفظ استعمال نہ کرتے کیونکہ جو معروف اور متداول معنی میں سنت ہے وہ کبھی سيئة ہو ہی نہیں سکتی۔ حضور ﷺ کی سنت کو سیئہ یا برا کہنے والا کافر ہے۔ حضور ﷺ کی سنت عین دین ہے اور بدعت اس کی مخالف اور ضد ہے لہٰذا **امام مسلمؒ نے "سنة حسنة" اور "سنة سيئة" کی اصطلاح استعمال کر کے اپنا مذہب واضح کر دیا کہ یہاں سنت سے مراد سنتِ رسول نہیں بلکہ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ ہے۔** بات واضح ہوگئی کہ زیرِ بحث حدیث مبارکہ میں لفظِ سنت اپنے شرعی معنی میں یعنی سنتِ رسول یا سنت خلفاء راشدین کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی عمل حضور ﷺ کی سنت پر مبنی ہو تو وہ کبھی سیئہ ہو ہی نہیں سکتا اور جو عمل حضور ﷺ کی سنت نہیں بلکہ نیا عمل ہے تو وہ بدعت ہے کیونکہ بدعت کہتے ہی ''نئے کام'' کو ہیں۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے تو صرف ''سنت'' ہی مراد ہے بدعت مراد نہیں لی جا سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) اگر اس سے مراد صرف ''سنت'' ہی ہوتا تو کیا وہاں ''حسنہ'' کہنے کی ضرورت تھی؟ کیا کوئی سنت غیر حسنہ بھی ہوسکتی ہے؟ دوسری

بات یہ ہے کہ عمل کرنے کے حوالے سے ''من عمل'' تو کہہ سکتے ہیں مگر ''من سن'' کہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جب سنت حضور ﷺ کی ہو تو پھر عام آدمی اس سے کیا ''راہ'' نکالے گا وہ تو صرف عمل اور اتباع کا پابند ہے پس ثابت ہوا کہ ''سن'' سے مراد نیا عمل اور بدعت ہے۔

علامہ نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

حدیث ''**کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة**''(۱) میں عموم مراد نہیں ہے اور تخصیص کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے ''**من سنّ فی الاسلام سنّة حسنة**'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ ''**کل بدعة ضلالة**'' میں بدعت سے مراد محدثات باطلہ اور بدعات مذمومۃ ہیں۔ (۲)

جس طرح بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت لغوی اور بدعت شرعی، اسی طرح سنت کی بھی دو قسمیں ہیں، سنتِ شرعی اور سنتِ لغوی۔ سنتِ شرعی سے مراد سنتِ رسول اور سنت خلفاء راشدین ہے اور جو سنت شرعی نہیں صاف ظاہر ہے وہ سنت لغوی ہو گی۔ سنتِ لغوی سے مراد نیا کام، نیا عمل، کوئی نیا طریقہ اور نیا راستہ ہے۔ ائمہ اور محدثین نئے کام اور نئے عمل کو بدعت بھی کہتے ہیں اِس طرح آپ سنتِ لغوی کو بدعت لغوی بھی کہہ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۲) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱: ۳۲۷

سکتے ہیں کیونکہ جو کام سنت نہیں صاف ظاہر ہے پھر وہ بدعت ہی ہو گا اور اسی بدعت کو مصطلحین نے حسنہ اور سیئۃ میں تقسیم کیا ہے۔

بدعت حسنہ کی اصل ''سنة حسنة'' ہے

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مَنْ سَنَّ فِيْ الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً'' یعنی جس کسی نے اسلام میں کسی ''نیک طریقہ'' کی ابتداء کی۔ اب یہاں مطابقت پیدا کرنے اور نفسِ مسئلہ کو سمجھنے کیلئے صحیح مسلم ہی کی دوسری حدیث ''مَنْ اَحْدَثَ فی اَمْرِنَا هَذَا'' کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ ہر اِحداث ممنوع و مردود نہیں بلکہ صرف وہ اِحداث ممنوع ہو گا جس کی کوئی اصل یا نظیر دین میں نہ ہو۔

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں اس نئے راستے کو ''سنة حسنة'' کہا گیا ہے یعنی وہ راستہ تھا تو نیا مگر اپنے نئے پن کے باوجود اچھا تھا، بھلائی اور خیر کا راستہ تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نئے راستے کو جسے سنة حسنة کے ساتھ ساتھ دیگر اَحادیث مبارکہ میں سنة صالحة،(۱) سنة خیر،(۲) سنةِ هدیٰ،(۳) نعم البدعة(۴) اور بدعة هدی(۵) وغیرہ بھی کہا گیا ہے۔ شریعت اس نئے راستے یا طریقے کو اپنانے کے بارے میں کیا

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سنَّ فی الاسلام سنة حسنة او سیئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۳

(۲) ترمذي، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء فیمن دعا إلی هدی فاتبع او إلی ضلالة، ۵:۴۳، رقم: ۲۶۷۵

(۳) ابن عبد البر، التمهید، ۲۴:۳۲۷

(۴) بخاری، الصحیح، ۲:۷۰۷، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

(۵) مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، و من دعا إلی هدی او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس حوالے سے اسی حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا "**فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ**" "اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہء اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی"۔ اب اس حدیث کی رو سے اچھا نیا راستہ نکالنا بدعت حسنۃ ہوگیا، لہٰذا ثابت ہوا کہ بدعتِ حسنۃ کی اصل سنتِ حسنہ ہے کیونکہ ہر بدعت حسنۃ اپنی اپنی اصل میں سنت ہے۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ جس نے مسلمانوں میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا جس نے وہ برا طریقہ ایجاد کیا۔ امام مسلمؒ کے مذہب، اس حدیث کے باب اور متنِ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ سنت حسنۃ سے مراد بدعتِ حسنۃ ہے اور سنت سیئہ سے مراد بدعتِ سیئۃ ہے۔

امام مسلمؒ اسی باب میں دوسری سند کے ساتھ ایک اور حدیث بعض الفاظ کے تغیّر کے ساتھ لائے ہیں۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَسُنُّ عَبْدٌ سُنَّةً صَالِحَةً يُعْمَلُ بِهَا بَعْدَهُ ثُمَّ ذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيْثِ۔(۱)

"جو شخص کسی نیک طریقہ کو ایجاد کرتا ہے جس پر اسکے کے بعد عمل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔"

اسی طرح **اِمام ابو القاسم ھبۃ اللہ اللالکائی** (۴۱۸ھ) حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سنَّ فی الاسلام سنة حسنة او سیئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۳

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۶۰ رقم:۱۹۲۰۶

من سن سنة حسنة هدى فأُتبع عليها كان له أجره و مثل أجور من اتبعه غير منقوص من أجورهم شيء، و من سن سنة ضلالة فأُتبع عليها كان عليه وزره و مثل أوزار من اتبعه غير منقوص من أوزارهم شيء۔(۱)

''جس نے کسی ''نیک طریقہ'' کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس کا اسکو اجر ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہو گی، اور جس شخص نے کسی ''برے طریقہ'' کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اسے اسکا گناہ ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔''

اِمام ابنِ عبد البرؒ (۴۶۳ھ) نے بھی حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جس میں ''سنة هدى'' اور ''سنة ضلا لة'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

من سن سنة هدى فاتبع عليها كان له اجره او مثل اجر من منقوص من أجورهم شيئا و من سن سنة ضلالة فاتبع عليها كان عليه وزرها و مثل اوزار من منقوص من اوزارهم شيئا۔(۲)

''جس نے کسی ''اچھے طریقے'' کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس کا اس کو اجر ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں

---

(۱) ۱۔اللا لكائی، إعتقاد اهل السنة، ۱:۵۲، رقم:۷
۲۔احمد بن حنبل،المسند، ۲:۵۲۰، رقم:۱۰۷۵۹
(۲) ابن عبد البر، التمهيد، ۲۴:۳۲۷

ہو گی، اور جس شخص نے کسی ''برے طریقے'' کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اسے اس کا گناہ ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔''

ان اَحادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ''سنة حسنة'' کے ساتھ ساتھ دوسری اصطلاحات ''سنة صالحة'' اور ''سنة هدى'' بھی استعمال فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے مختلف اَحادیث میں مختلف اِصطلاحات اس لیے استعمال فرمائی ہیں تاکہ یہ تصور واضح ہو جائے کہ لفظِ سنت ہر جگہ اپنے معروف اور متداول معنی میں نہیں بلکہ اس کے حسنہ اور سیّئہ ہونے کا اِنحصار اُس ''نئے کام'' پر ہے جس کی طرف اِس کی نسبت کی جا رہی ہے۔ نفسِ مسئلہ سے متعلق آخری حدیث جو اِمام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے اسی باب کے ذیل میں نقل کی ہے وہ درج ذیل ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُوْرِ مَنْ يَتَّبِعُهُ، لَا يُنْقِصُ ذَلِکَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ يَتَّبِعُهُ، لَا يُنْقِصُ ذَلِکَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا۔(۱)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، و من دعا إلى هدى او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ترمذي، السنن، كتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فيمن دعا إلى هدى فاتبع او إلى ضلالة، ۵:۴۳

۳۔ابو داؤد،السنن كتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴:۲۰۱، رقم: ۴۶۰۹،

۴۔ابن ماجة،السنن،المقدمة، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۱:۷۵، رقم: ۲۰۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح باب ذكر الحكم فيمن دعا إلى هدى او ضلالة فاتبع عليه، ۱:۳۱۸، رقم: ۱۱۲

←

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کے لئے اس راستے پر چلنے والوں کی مثل ثواب ہے اور ان کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا اور جس نے گناہ کی دعوت دی اس کے لئے بھی اتنا گناہ ہے جتنا اس بدعملی کا مرتکب ہونے والوں پر ہے اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

جوڑوں (Pairs) کے نظام سے اِستدلال

اس حدیث اور اس سے قبل بیان کی گئی دیگر اَحادیثِ مبارکہ میں ایک قدرِ مشترک ہے اور ان میں باقاعدہ ایک منطقی ربط ہے وہ یہ کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز میں جوڑا جوڑا ہوتا ہے اِسی طرح حضور علیہ السلام نے اصطلاحات (Terms) کے بھی متقابل جوڑے بیان فرمائے ہیں یعنی اگر اللہ کے نظامِ تخلیق اور نظامِ قدرت میں متقابل جوڑے مثلاً بیٹا بیٹی، عورت مرد، بھائی بہن، نر مادہ، اسی طرح اچھا برا، اونچا نیچا، امیر غریب، مشرق ومغرب، زمین و آسمان، ظاہر و باطن وغیرہ ہو سکتے ہیں تو پھر وہی جوڑا جوڑا بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں کیوں نہیں ہوسکتا؟۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز کو دُہرا دُہرا جوڑا اور دو دو کر کے بیان فرمایا ہے تو پھر بدعت کی تقسیم میں یہ جھگڑا کیوں کھڑا کر دیا جاتا ہے کہ اس کی تقسیم نہیں ہوسکتی، حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات پر اَحادیثِ مبارکہ میں اصطلاحات کے متقابل جوڑے بیان کیے ہیں مثلاً تقسیمِ بدعت کے حوالے سے اِصطلاحات کے درج ذیل متقابل جوڑوں کو اَحادیثِ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے:

نعم البدعة (۱) ↔ بدعت ضلالة (۲)

.... ۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۳

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۹۷، رقم: ۹۱۴۹

۸۔ ابو عوانة، المسند، ۳: ۴۹۴، رقم: ۵۸۲۳

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

(۲) ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ۵: ۴۵، رقم: ۲۶۷۷

دعوتِ هُدًى (۳)	←→	دعوتِ ضلالة (۴)
سنة حسنة (۵)	←→	سنة سيئة (۶)
سنة هدىً (۷)	←→	سنة ضلالة (۸)
سنة صالحة (۹)	←→	سنة ضلالة (۱۰)
سنة خير (۱۱)	←→	سنة شر (۱۲)

ان ساری تفصیلات سے ثابت ہوا کہ جوڑوں کے اس فطری نظام کو نہ ماننا اصل میں اللہ کے نظامِ تخلیق، نظامِ قدرت، نظامِ شریعت، نظامِ احکام اور نظامِ اجر و ثواب کا انکار کرنا ہے۔

''مَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَة'' سے اِستدلال

جس طرح ''مَنْ دَعَا اِلَی هُدًی'' میں لفظِ ہدایت عام ہے اسی طرح ''من دعا

(۳) مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، و من دعاإلى هدى او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

(۴) ايضاً،

(۵) مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

(۶) ايضاً،

(۷) ابن عبد البر، التمهيد، ۲۴:۳۲۷

(۸) ايضاً،

(۹) مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سنَّ فى الاسلام سنة حسنة او سيئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۳

(۱۰) ابن عبد البر، التمهيد، ۲۴:۳۲۷

(۱۱) ترمذي، السنن، كتاب العلم ، باب ما جاء فيمن دعا إلى هدى فاتبع او إلى ضلالة، ۵:۴۳، رقم: ۲۶۷۵

(۱۲) ايضاً،

الی ضلالة‘‘ میں ضلالۃً کا کلمہ بھی عام ہے، لہٰذا اب کوئی بھی عمل جو گمراہی پر مبنی ہو وہ ضلالۃ ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف وہی اعمال جنہیں کتاب و سنت میں حرام کہا گیا ہے ضلالۃ شمار ہوں گے اور اس کے علاوہ بے شمار وہ اعمال جو دین میں نقصان کا باعث ہیں ،جو اَخلاق اور شرم و حیاء کے خلاف ہیں، جو عقائد و مذہب کے خلاف ہیں، جو معاشرتی اقدار کے خلاف ہیں ’’ضلالة‘‘ شمار نہیں ہوں گے ، بلکہ اس کے برعکس وہ تمام اعمال جن کے حرام ہونے کا اگرچہ کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو لیکن وہ روحِ دین سے متناقض و متخالف ہوں ’’ضلالة‘‘ ہوں گے۔

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں ضلالة اور هُدی کے الفاظ باہم متقابل ہیں۔ اگر مفہومِ مخالف یعنی ضلالة کے مفہوم کو پہلے متعین کر لیا جائے تو اس کے بعد متقابل مفہوم خود بخود متعین ہو جائے گا، جیسے مسئلہ توحید اور شرک میں اگر توحید کا مفہوم پہلے متعین کر لیا جائے تو شرک کا مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ غیر اللہ کو وسیلہ بنانا شرک ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ پھر کیا اللہ کو وسیلہ بنایا جائے گا؟ اور اگر اللہ کو وسیلہ بنایا جائے گا تو پھر اللہ کس کے لیے وسیلہ ہوگا یعنی مقصود کون ہوگا؟ کیونکہ وسیلہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وسیلہ اللہ کا حق نہیں بلکہ مخلوق کا حق ہے، لہٰذا مخلوق کو اگر اس کا حق دیا گیا تو وہ شرک کیسے ہو گیا؟ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دو چیزیں متقابل ہوں اور ان میں سے ایک کا مفہوم پہلے متعیّن کر لیا جائے تو دوسری کو سمجھنا اور اس کا اِطلاق کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں ہم نے پہلے ’’من دعا الی ضلالة‘‘ کا مفہوم متعین کیا ’’من دعا الی هدًی‘‘ کا نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ’’هدًی‘‘ پر تو بحث اور اختلاف ہے ۔کوئی کہہ سکتا کہ اس سے مراد صرف سنت ہے حالانکہ ہم سنت کے علاوہ بھی بے شمار اُمورِ خیر مراد لیتے ہیں، لہٰذا جو چیز بحث طلب ہے اس کا تعین تو نہیں ہوگا اور جس کا تعین آسان ہے اس کا کر لیا جائے۔ مذکورہ حدیث میں لفظِ ’’ضلالة‘‘ عام ہے جس کا اِطلاق ہر قسم کے ضلالات، سیّئات، قبیحات اور کریہات پر ہوتا ہے یعنی وہ نئے اُمور جو

محرّمہ ہوں یا مفضی اِلی الحرام یا اُمت کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہوں، سب ''ضلالۃ'' میں داخل ہوں گے لہٰذا جس طرح ضلالۃ کو عام اور وسیع تناظر میں لیا جائے گا اسی طرح اس کے متقابل ''من دعا الی ھدًی'' کے مفہوم کو بھی عام اور وسیع تناظر میں لیا جائے گا۔ یعنی ''ھُدًی'' سے مراد کتاب و سنت کے حکم کی طرف بلانا بھی ہے۔ اور ایسے بے شمار اعمالِ صالحہ کی طرف بھی جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی صریح حکم نہیں ملتا۔ جیسے اس طرح کے اُمورِ خیر کی طرف دعوت کہ جس سے لوگوں کے اَخلاق سنور جائیں اور رسول اللہ ﷺ سے ٹوٹا ہوا تعلق بحال ہو جائے، لوگوں کے اندر عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے، چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کے ادب و اِحترام کا جذبہ پیدا ہو جائے، تلاوتِ قرآن اور صدقہ و خیرات کی ترغیب ملے، الغرض کوئی بھی خیر کا پہلو جو اُمت میں بہتری کا سبب بنے ''مَنْ دَعَا اِلَی ھُدًی'' میں شامل ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحیح حدیث کی روشنی میں دونوں متقابل چیزوں کے راستوں کا کھلنا اور ان پر اَجر و گناہ، دونوں صورتوں میں متحقق ہوتے ہیں۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) اسی مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا، فَلَهُ أَجْرُهُ، وَ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا، وَ مَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ، وَ مِثْلُ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔(۱)

(۱) ۱۔ترمذي ، السنن، کتاب العلم ، باب ما جاء فيمن دعا إلى هدى فاتبع او إلى ضلالة، ۵:۴۳، رقم: ۲۶۷۵
۲۔عسقلانی، فتح الباری، ۱۳:۳۰۲
۳۔مبارکپوری ،تحفة الأحوذی، ۳۶۵/۷
۴۔ابن حزم،المحلی، ۱۶/۸

''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا پھر اس پر عمل کیا گیا تو اس کے لئے اپنا ثواب بھی ہے اور اسے عمل کرنے والوں کے برابر ثواب بھی ملے گا۔ جبکہ انکے ثواب میں کوئی کمی (بھی) نہ ہوگی۔ اور جس نے برا طریقہ جاری کیا پھر وہ طریقہ اپنایا گیا تو اس کے لئے اپنا گناہ بھی ہے اور ان لوگوں کے گناہ کے برابر بھی جو اس پر عمل پیرا ہوئے۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی ہو۔''

یہ حدیثِ مبارکہ اِمام ترمذیؒ کتاب العلم میں **باب ماجاء فیمن دعا الی هدیً فاتبع أو إلی ضلالة** کے ذیل میں لائے ہیں۔ سادہ سی بات ہے کہ اگر ''**من دعا الی هدیً**'' کو سنت کے ساتھ مخصوص کر دینا ہوتا تو امام ترمذیؒ لفظِ ''**هدًی**'' استعمال کرنے کی بجائے فقط ''**سنة**'' کا لفظ استعمال کرتے یعنی واضح طور پر کہہ دیتے کہ ہر وہ چیز جو حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کی سنت نہیں، وہ بدعت اور ضلالت و گمراہی ہے تو اس طرح ضلالت کے متقابل لفظِ سنت اور **هدًی** ہوتے مگر چونکہ ایسا نہیں لہٰذا انہوں نے **ضلالة** کے مقابلے میں لفظ **هدًی** استعمال کیا تاکہ اس میں اُمورِ سنت کے ساتھ ساتھ وہ اُمور بھی داخل ہو جائیں جو مبنی بر خیر اور تابع سنت ہیں۔ جس طرح سنتوں کو نفل، مستحبات، حسنات اور اعمالِ خیر بھی کہہ دیتے ہیں اسی طرح ''**هدًی**'' میں سنت اور تابع سنت تمام امور آ جاتے ہیں۔ **امام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) نے بھی امام ترمذیؒ کی طرح **باب من سن سنة حسنة أو سیئة و من دعا إلی هدی أو ضلالةً** قائم کر کے اس کے ذیل میں **مَنْ دَعَا اِلی هدًی** والی حدیث بیان کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام مسلمؒ کا بھی وہی مذہب ہے جو امام ترمذیؒ کا ہے۔

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس طرح صحیح مسلم کی حدیث میں **سنة حسنة** اور **سنت سیئة** کی اِصطلاح اِستعمال ہوئی تھی اسی طرح ترمذی کی اس حدیث میں آقا ﷺ کی زبان پاک سے **سنة خیرٍ** اور **سنة شرٍّ** کی اِصطلاح استعمال ہوئی۔ یہاں سنت سے مراد سنتِ شرعی نہیں ہے بلکہ سنت لغوی ہے ورنہ یہ تقسیم نہ ہوتی کیونکہ سنت شرعی کبھی ''**شرّ**''، نہیں ہوسکتی وہ خیر ہی خیر ہوتی ہے، لہٰذا یہاں ''**سنة خیر**''

سے مراد کوئی نیا کام، کوئی اُسوہ اور کوئی اچھا طریقہ مراد ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جب سنت شرعی مراد نہ رہی تو نئے کام کی وجہ سے اسے بدعت کہیں گے دوسرے لفظوں میں اسے بدعت خیر اور بدعت شر بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور آنے والے زمانوں میں سنت خیر یا بدعت خیر کے اجراء اور پھر اس پر عمل کرنے والوں کو حضور ﷺ نے اجر کی نوید سنائی ہے کہ جس نے کوئی نیا کام کیا جو میری سنت میں نہیں تھا یعنی بدعت تھا مگر خیر اور بھلائی کا کام تھا اس کے لیے اجر ہے۔ اسی طرح اگر شر اور برائی کی بدعت کا آغاز کیا تو اس پر گناہ ہے۔ مختصر یہ کہ نصوصِ قطعیہ سے بدعت کی تقسیم ثابت ہوتی ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے فوراً بعد ''**باب ماجاء فی الاخذ بالسنة و اِجتناب البدعة**'' قائم کیا ہے۔ اس باب میں وہ سنت کے مقابلے میں **اجتناب عن البدعة** کی بحث لائے لہٰذا یہاں سنت سے مراد سنت شرعی اور بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہو گی۔ اَصل میں اِمام ترمذیؒ یہاں اوپر نیچے دو باب قائم کر کے اپنا علمی مسلک اور مذہب بیان کر رہے ہیں، پہلے اُنہوں نے ''**باب ما جاء فیمن دعا الی هدی فاتُّبِعَ أَوْ إِلی ضَلالَةٍ**'' قائم کیا اور اس کے فوراً بعد ''**باب ماجاء فی الاخذ بالسنة و اجتناب البدعة**'' قائم کیا۔ پہلے باب میں لفظ **هدًی** اور **ضلالة** میں وسعت اور تعمیم ہے جبکہ دوسرے باب میں چونکہ سنت کے متقابل لفظ بدعت ہے لہٰذا اس میں تخصیص اور تقیید ہے۔ یعنی سنت سے مراد سنت شرعی اور بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے۔ یعنی دو باب قائم کرنے کا مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اِمام ترمذیؒ کے نزدیک ہر نیا کام سیئۃ اور ضلالۃ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دوسرے باب میں حدیث ''**فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين**'' کو ذکر کیا ہے جس کے مفہوم کو حضور ﷺ نے اپنی اور اپنے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کے ساتھ معین و محصور کر کے سنتِ شرعیہ قرار دے دیا لہٰذا جب سنت کا معنی متعین کر دیا تو اس کے متقابل اور متضاد بدعتِ سیئۃ ہو گی، اسی حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایسی بدعات سیئات سے خبردار کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا ’’و إیّاکم و محدثاتِ الأمورِ فانّها ضلالۃً‘‘(۱) یعنی میرے امر کے خلاف جو محدثات الامور یعنی فتنہء ارتداد، فتنہ انکار زکوٰۃ، فتنہ ادعاء نبوت وغیرہ سر اٹھائیں انہیں چھوڑ دینا اور میری اور میرے صحابہ کی سنت کو مضبوطی سے تھام لینا۔ گویا یہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ نے بدعت کے معنی کو اتنی بڑی شناخت کے ذیل میں ذکر کر کے اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت کے متقابل ٹھہرایا۔ جب اس باب کو امام ترمذی نے الگ کر دیا تو باقی جتنے بھی نئے کام بچے ان کیلئے دونوں راستے کھول دیئے گئے، اسی لیے اس سے پچھلے باب کی حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے سنۃ خیر اور سنۃ شر کے الفاظ استعمال کیے کہ اگر نئے امور نیکی، بھلائی اور خیر پر مبنی ہوں گے تو سنت حسنہ یا بدعتِ حسنہ ہوں گے اور اگر برائی، ضلالت اور گمراہی پر مبنی ہوں گے تو سنت سیئۃ یا بدعت سیئہ ہوں گے۔

امام ترمذیؒ اس سے اگلے باب میں حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحْیَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِیتَتْ بَعْدِي، فَإِنَّ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلَ مَنْ عَمِلَ بِهَا، مِنْ غَیْرِ أَنْ یَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَیْئًا، وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا تَرْضِی اللهَ وَرَسُوْلَهُ، کَانَ عَلَیْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، لَا

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة و اِجتناب البدع،۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

يَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا۔(۱)

''جس نے میرے بعد کوئی ایسی سنت زندہ کی جو مردہ ہو چکی تھی تو اس کیلئے بھی اتنا ہی اجر ہوگا جتنا اس پر دیگر عمل کرنے والوں کے لئے۔ اس کے باوجود ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور جس نے گمراہی کی بدعت نکالی جسے اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ پسند نہیں کرتے تو اس پر اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس برائی کا دیگر ارتکاب کرنے والوں پر ہے اور اس سے ان کے گناہوں کے بوجھ میں بالکل کمی نہیں آئے گی۔''

اِس حدیثِ مبارکہ میں لفظِ سنت کو بدعت کے متقابل لایا گیا ہے۔ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ سنت ہر جگہ بدعت کے متقابل نہیں ہوتی لیکن جس حدیثِ مبارکہ میں تخصیص کے ساتھ سنت کو بدعت کے مقابلے میں لایا جائے تو وہاں سنت سے مراد سنتِ شرعیہ اور بدعت سے مراد بدعت شرعیہ ہوتی ہے۔ یہ ایسی بدعت ہوتی ہے جس کے کرنے سے کوئی نہ کوئی سنت ترک ہوتی ہے اس موقف کی تائید مسند احمد کی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ۵:۴۵، رقم: ۲۶۷۷

۲۔ ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب مَن احیا سنّة قد امیتت، ۱:۷۶، رقم: ۲۰۹، بزار، المسند، ۸:۳۱۴، رقم: ۳۳۸۵

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷:۱۶، رقم: ۱۰

۴۔ بیہقی، کتاب الإعتقاد، ۱:۲۳۱

۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱:۴۹، رقم: ۹۷۔

(۲) احمد بن حنبل، المسند ۴:۱۰۵، رقم: ۱۷۰۹۵

''جب کوئی قوم دین میں بدعت کا آغاز کرتی ہے تو اس کے مثل ایک سنت اُٹھا لی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑ نا، اِحداثِ بدعت سے بہتر ہے۔''

''بِدْعَة ضَلَالَةٍ'' فرمانے میں حکمت

زیرِنظر حدیثِ مبارکہ میں وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فرمانے کی بجائے اِضافت کے ساتھ وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ فرمایا یعنی جس نے **گمراهی کی بدعت** ایجاد کی۔ اس سے قبل اس سے ملتی جلتی تراکیب سنة سيئة اور سنة شر کی صورت میں گزر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر بدعت ''ضلا لة'' نہیں ہوتی اگر ہر بدعت گمراہی کی بدعت ہوتی تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کبھی اضافت کے ساتھ یہ کلمہ نہ فرماتے۔ اگر بدعت کے معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتے تو کبھی بھی بدعةُ ضلالةٍ نہ فرمایا جاتا جیسے عبادة خیر، عبادة صالحہ اور صلاة خیر کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی کیونکہ جو کلمہ خود اپنے معنی میں واضح ہو اور اس میں تقسیم کی گنجائش نہ ہو یا اس کا مدمقابل کوئی نہ ہو تو اس میں اِضافت لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی البتہ بعض اوقات زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے مرکب توصیفی آ جاتا ہے لہٰذا جب ''بدعةُ ضلالةٍ'' فرمایا تو اس سے آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ میری مراد یہاں نیکی اور بھلائی کے نیک کام نہیں بلکہ برائی اور گمراہی کے کام ہیں۔ الغرض آپ ﷺ نے حدیث ''کل بدعة ضلالة'' کا مفہوم متعین فرما دیا کہ ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ صرف وہ بدعت گمراہی ہوگی جو مبنی برضلالت ہوگی۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ بدعتِ ضلالت ہمیشہ ''اماتتِ سنت'' کے مقابلے میں آتی ہے۔ اس سے کوئی نہ کوئی سنت متروک ہوتی ہے۔ اسی بدعت کے لئے فرمایا گیا کہ جس نے اس کے مقابلے میں سنت کو زندہ کیا اس کے لئے اجر ہے اور جس نے ایسی بدعت کی راہ نکالی جو سنت کے ترک کا باعث ہو تو وہ گمراہی ہے۔

اب اَربابِ فکر و دانش خود فیصلہ کریں کہ حضور ﷺ کی محفلِ میلاد، اولیاء اللہ کے لئے اِیصالِ ثواب، نمازوں کے بعد مصافحہ، اَذان کے بعد صلوۃ وسلام اور دیگر جمیع اُمورِ صالحات سے کون سی سنت متروک ہو رہی ہے، بلکہ یہ تو حضور ﷺ کی سنت پر مبنی

اعمال ہیں۔ اب ان تفصیلات سے **بدعت ضلالۃ** کا مفہوم متعین ہو گیا کہ آپ کسی عمل کو اس وقت تک بدعتِ سیئہ، بدعتِ ضلالہ اور بدعتِ شرعیہ نہیں کہہ سکتے جب تک اس کے متقابل کوئی سنت ثابت نہ ہو کہ اس عمل نے اس سنت کو متروک کر دیا ہے یا یہ بدعت اس سنت سے ٹکراتی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نئے کام پر **كل بدعة ضلالة** کا حکم نہیں لگایا جا سکتا لہٰذا اب اگر کوئی یہ کہے کہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہوتا ہے تو اس کے مقابلے میں کہا جائے گا کہ نہیں بلکہ **كل بدعة سيئة ضلالة** یعنی صرف بدعت سیئہ باعث ضلالت ہو گی۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ نے یہ معنی کہاں سے نکال لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے **من ابتدع بدعة ضلالة** میں بدعۃ ضلالۃ کو مضاف، مضاف الیہ کر کے اس معنی کو خود متعین فرما دیا ہے کہ کوئی عمل اس وقت تک بدعت ضلالۃ نہیں ہو گا جب تک وہ کسی خاص سنت کے ترک ہو جانے کا سبب نہ بنے۔

معروف اہلِ حدیث عالم **مولانا صدیق حسن خان بھوپالی** (۱۳۰۷ھ) بھی واضح طور پر لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو اور جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقض نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے شیخ وحید الزماں (۱۳۲۷ھ) اپنی کتاب **هدية المهدى** کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

> **البدعة الضلالة المحرمة هى التى ترفع السنة مثلها والتى لا ترفع شيئا منها فليست هى من البدعة بل هى مباح الاصل۔(۱)**
>
> ''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

گویا بھوپالی صاحب نے ہر اُس نئے عمل کو بدعت ماننے سے اِنکار کر دیا ہے

(۱) وحيد الزمان، ہدية المهدى: ۱۱۷

جس کے مدّ مقابل کوئی خاص سنت ترک نہ ہو۔ اُنکے نزدیک ایسا ہر نیا عمل اپنی اصل میں مباح اور جائز ہے۔

اس حوالے سے ایک بہت اہم دلیل یہ ہے کہ وہ نیا کام جسے اُمت کی اکثریت اچھا سمجھ کر کر رہی ہو اور ان کرنے والوں میں صرف ان پڑھ دیہاتی لوگ اورعوام الناس ہی نہ ہوں بلکہ امت کے اکابر علماء، فقہاء، محققین اور مجتہدین بھی شامل ہوں تو وہ کام کبھی برا یعنی بدعتِ ضلالۃ نہیں ہوسکتا لہٰذا آقا علیہ السلام نے جمہور اُمت کا کسی کام کو کثرت کے ساتھ کرنا اسے دلیل شرعی بنا دیا یعنی جمہور امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ اس کی دلیل مسند احمد بن حنبل کی درج ذیل روایت ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰہَ نَظَرَ فِی قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلبَ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيرَ قُلُوبِ الْعِباد ، فَاصْطَفَاهُ لِنفْسِهِ، فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، يُقَاتِلُوْنَ عَلَى دِيْنِهِ، فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَ مَا رَاَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰہِ سَيِّئٌ ۔(۱)

''اللہ عزوجل نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو قلبِ محمد ﷺ کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا لہٰذا اِسے اپنی ذات کیلئے منتخب فرما لیا۔ پھر رسالت کے ساتھ حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ حضور ﷺ کے دل کے بعد پھر لوگوں کے دلوں

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر ، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۳۔ بزار، المسند، ۵: ۲۱۲، رقم: ۱۸۱۶
۴۔ حاکم ، المستدرک، ۳: ۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۵۔ بیہقی ، المدخل اِلی السنن الکبری ، ۱: ۱۱۴
۶۔ طیالسی ، المسند، ۱: ۳۳، الحدیث رقم: ۲۴۶

کی طرف نظر کی تو حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ کے دلوں کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا تو اُنہیں اپنے نبی کا وزیر بنا دیا جو اُس نبی کے دین کے لیے مقاتلہ کرتے ہیں۔ پس جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو یہ برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے‘‘

زیر بحث موضوع پر مزید دلائل سے قبل مذکورہ حدیث مبارکہ میں ضمناً ایک بات کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد نبوت و رسالت ملی اور پھر نبوت و رسالت کے ذریعے آپ ﷺ کو اَوصافِ حسنہ سے نوازا گیا۔ یہ بات غلط ہے بلکہ ’’**فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرَ قُلُوْبِ العِبَادِ فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ فَابْتَعَثَه بِرِسَالَتِهِ**‘‘ کے الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو سب دلوں سے اچھے دل والا بعثت سے پہلے بنایا گیا یعنی شانِ محبوبیت پہلے دی گئی اور نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث بعد میں فرمایا گیا۔ نفسِ مضمون سے متعلقہ بات مذکورہ حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اعمالِ حسنہ اور اعمالِ قبیحہ کے تعیّن کے لئے یہ دلیل شرعی دے دی کہ مسلمان بالعموم جس کام کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کو یہ برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ **امام طبرانیؒ (۳٦۰ھ)** **المعجم الکبیر** میں اس روایت کو درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ وَ مَارَاٰهُ الْمُوْمِنُوْنِ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ۔(۱)

’’جس کام کو مؤمنین اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۹، رقم: ۳٦۰۰
۳۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۸۳، رقم: ۴۴٦۵
۴۔ بیہقی، المدخل اِلی السنن الکبری، ۱: ۱۱۴
۵۔ طیالسی، المسند، ۱: ۳۳، الحدیث رقم: ۲۴٦

مؤمنین برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔‘‘

اب یہاں پر قرآن و حدیث کی بات نہیں ہو رہی بلکہ ایک نئی دلیل دی جا رہی ہے کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت کبھی قبیح کام پر متفق نہیں ہوسکتی۔ اس لئے فرمایا مسلمان جسے عام طور پر اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور مسلمان جسے برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا کسی چیز کو بالعموم اچھا جاننا شرعاً دلیل ہے۔ اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص عمل جو اپنی ہیئت کذائیہ میں نیا ہے۔ کتاب و سنت کی نصوص، عہدِ رسالتمآب اور عہدِ صحابہ میں ثابت نہیں مگر اُمتِ مسلمہ کی اکثریت اس کو اچھا جانتی ہے تو یہ بھی حسنہ ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ یہ کیسے حسنہ ہو گیا تو اس کا جواب مذکورہ روایت میں ہے کہ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ حسنہ ہے لہٰذا اگر اس کی ہئیت کذائیہ ثابت نہیں تو مذکورہ دلیل کی بنا پر اس کی اصل اور دلیل ثابت ہے جس کی وجہ سے وہ بدعتِ سیئہ نہ رہی۔ اَب میلا د النبی ﷺ کی خوشی منانا اس میں ذکر و اَذکار، صلوۃ و سلام، نعت خوانی ان تمام اعمالِ حسنہ کی اصل مذکورہ روایت ہے۔ یہی روایت **اِمام بزارؒ** (۲۲۹ھ) نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ﷛ قَالَ: فَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ وَ مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ۔(۱)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ روایت کرتے ہیں کہ جس (عمل) کو کوئی مومن اچھا جانے وہ (عمل) اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جسے تمام مومنین برا جانیں وہ خدا کے

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۵:۲۱۲، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹:۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۴۔ حاکم، المستدرک، ۳:۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۵۔ بیہقی، المدخل اِلی السنن الکبری، ۱:۱۱۴
۶۔ طیالسی، المسند، ۱:۳۳، الحدیث رقم: ۲۴۶

نزدیک بھی بُرا ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں بہت ہی اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ ہر وہ نیا کام جو مصلحتِ دینی پر مبنی ہو اور اسے کوئی مردِ مؤمن جو متقی، عالم، فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہدانہ بصیرت کا حامل بھی ہو، وہ اسے اچھا جانے تو وہ مباح اور جائز ہے۔ یعنی دلائلِ شرعیہ پر نظر رکھنے والا مردِ مومن کبھی بھی غیر شرعی اُمور کو جائز نہیں کہتا۔ اس حوالے سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث بھی نفسِ مضمون کو سمجھنے میں مدد دے گی جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَان وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اجر۔(۱)

’’جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کر دے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔‘‘

(۱) ۱۔بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاكم اِذا اجتهد، ۶: ۲۶۷۶، رقم: ۶۹۱۹

۲۔مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیه، باب بیان اجر الحاکم اِذا اجتهد فأصاب او اخطأ، ۳: ۱۳۴۲، رقم: ۱۷۱۶

۳۔ ترمذی، الجا مع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی یُصیب ویخطیٰ، ۳: ۶۱۵، رقم: ۱۳۲۶

۴۔ ابوداؤد،السنن، کتاب القضاء ،باب فی القاضی یُخطِی، ۳: ۲۹۹، رقم: ۳۵۷۴

۵۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاة، باب الاصابة فی الحکم، ۸: ۲۲۳، رقم: ۵۳۸۱

۶۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق، ۲: ۷۷۶، رقم: ۲۳۱۴

یہ صرف مجتہد کی شان ہے کہ اس کا اجتہاد، اجتہادِ صحیح تھا مگر نتیجہ خطاء کی صورت میں نکلا تو اس کے لئے بھی اجر ہے۔ ایسے ہی مجتہد کے متعلق فرمایا گیا کہ **مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ** یعنی جس کو کوئی ایک مردِ مومن جو دلیلِ شرعی، تقوٰی اور صالحیت پر قائم رہنے والا ہو، اچھا جانتا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ لہٰذا کسی کام کو اچھا سمجھ کر قبول کرنے کے لئے تو ایک مردِ مومن کا اچھا سمجھنا بھی کافی ہے۔ لیکن اس کے برعکس کسی کام کو ضلالۃ، گمراہی اور مردود قرار دینے کے لئے فرمایا ''**ما راٰہ المؤمنون قبیحًا فهو عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ**'' یعنی جس کو سارے مومن مل کر برا کہیں تب وہ اللہ کے ہاں برا ہوگا۔ کسی کام کو بدعتِ سیئہ قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُمت کی اکثریت اسے بدعتِ ضلالۃ اور بدعتِ قبیحہ سمجھے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی کام کو اچھا سمجھنے کے لئے صرف ایک مردِ مومن کافی ہے۔ اس پر دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل فرمانِ رسول ''**مَا رَاٰهُ الْمُؤمِنُ حَسَنٌ فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ**'' ہے اور فرمانِ رسول پر دلیل طلب کرنا کفر ہے۔ مگر اس کے باوجود سمجھانے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر کوئی ایک مومن بھی کسی چیز کو حسن کہے تو وہ حسن کیوں ہے؟ اس لئے کہ یہاں مومن سے مراد'' مومنِ مجتہد'' ہے اور ایسے مومن کے لئے فرمایا گیا **اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ** کہ اگر مومنِ مجتہد خطاء بھی کر بیٹھے تو بھی اس کے لئے اجر ہے ۔ چونکہ اس مومنِ مجتہد کا فیصلہ ہر صورت میں باعثِ اجر ہے اس لئے اس کو ''حسن''فرمایا گیا۔ جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اس کو دیا جائے گا کیونکہ مومن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسا عمل ایجاد کرے گا جو سنت فوت ہونے کہ باعث ہو کیونکہ اس کا ٹکراؤ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت سے نہیں ہے کیونکہ وہ خود بھی عامل بالسنۃ ہے۔ اس لئے جب وہ حکم دیتا ہے تو حسن ہوتا ہے لیکن کسی امر کو قبیح اور ضلالۃ کہنا بہت بڑی بات ہے اس لئے فرمایا **مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ** یہاں لفظِ ''مؤمنون'' جمع کا صیغہ استعمال کیا یعنی جس عمل کو کثرت سے مؤمنین قبیح کہیں وہ عند اللہ بھی قبیح ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جمہور اُمت کبھی ضلالت و قباحت پر جمع نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اس کے پیچھے اُمت کی اکثریت اور اللہ کی نصرت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اُمت کی اسی اکثریت کو حدیث مبارکہ میں ''**الجماعة**''

اور ''السواد الاعظم'' کہا گیا ہے۔ جامع ترمذی میں كتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي (أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ۔(۱)

''اللہ تعالیٰ میری اُمت (یا فرمایا: امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔''

اِس حدیثِ مبارکہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سوفی صد افرادِ امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہونگے بلکہ اس سے مراد ہمیشہ اکثریت (Majority) ہوتی ہے کہ اُمت کی اکثریت کبھی ضلالۃ پر مجتمع نہیں ہوگی کیونکہ **يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ** یعنی اللہ کی حفاظت کا ہاتھ ہمیشہ جماعت پر ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ اسی باب میں ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمہور اُمت کے ساتھ رہنے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے فرقوں، مسلکوں اور گروہوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عليكم بالجماعة و اياكم والفرقة فان الشيطان مع الواحد وهو من الاثنين أبعد من اراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة۔(۲)

''تم پر جماعت کے ساتھ ملے رہنا لازم ہے اور علیحدگی سے بچو کیونکہ شیطان

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة، ۴: ۴۶۶، رقم: ۲۱۶۷

۲۔ حاکم، المستدرك، ۱: ۲۰۱، رقم: ۳۹۷

۳۔ مناوی، فيض القدير، ۲: ۲۷۱

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم ←

ایک کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ دو آدمیوں سے دور رہتا ہے (لہٰذا) جو شخص جنت کا وسط (اعلیٰ درجات) چاہتا ہے اس کے لئے جماعت سے وابستگی لازمی ہے۔''

آپ ﷺ نے تلقین فرمائی کہ شیطان سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ فرقوں اور گروہوں کو چھوڑ کر جماعت کے ساتھ وآبستہ ہو جاؤ۔ جماعت اور سوادِ اعظم کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اثنان خير من واحد و ثلاثة خير من اثنين و اربعة خير من ثلاثة فعليكم بالجماعة فان الله لن يجمع امتى الا على هدى۔(۱)

''(کسی مسئلے پر) دو کا ایک کے مقابلے میں جمع ہونا بہتر ہے۔ اسی طرح تین دو کے مقابلے میں بہتر ہیں اور چار تین کے مقابلے میں۔ تم پر (اکثریتی) جماعت کی پیروی لازم ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ میری اُمت کو سوائے ہدایت کے کسی غلط بات پر جمع نہیں ہونے دے گا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے تمثیل سے سمجھایا کہ دو کا اکٹھا ہونا ایک سے بہتر ہے۔ تین کا دو سے بہتر ہے اور چار کا تین سے بہتر ہے۔ یہ مثالیں دینے کے فوراً بعد فرمایا:

.... الجماعة، ۴:۴۶۵، رقم ۲۱۶۵

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۷۰، رقم: ۲۳۱۹۴

۳۔ بيهقى، السنن لكبرى، ۵:۳۸۸، رقم: ۹۲۲۵

۴۔ بيهقى، شعب الايمان، ۷: ۴۸۸، رقم: ۱۱۰۸۵

۵۔ هيثمى، مجمع الزوائد، ۵:۲۱۷

(۱) ۱۔احمد بن حنبل، المسند، ۵:۱۴۵، رقم: ۲۱۱۹۰

۲۔هيثمى، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۷

۳۔ ابن ابى شيبه، المصنف، ۷:۴۵۷، رقم: ۳۷۱۹۲

۴۔ بيهقى، شعب الايمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۷

۵۔ ابن ابى عاصم، السنة، ۱: ۴۲، رقم: ۸۵

علیکم بالجماعة گویا حضور ﷺ نے اکثریت کو جماعت کا درجہ دے دیا اور اُمت کو نصیحت کی کہ وہ سب سے بڑی جماعت کے ساتھ ہو جائیں۔ **امام حاکمؒ** (۴۰۵ھ) نے مستدرکِ اِمام حاکم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَجْمَعُ اللهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ عَلَى الضَّلَالَةِ أَبَدًا وَ قَالَ: يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ ، فاتبعوا السواد الاعظم، فانه من شذّ شذّ فی النار۔(۱)

''اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر اکٹھا نہیں فرمائے گا اور فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے پس تم سوادِ اعظم کی اتباع کرو کیونکہ جو ان سے الگ ہوا گویا وہ آگ میں جا گرا۔''

اس حدیثِ مبارکہ نے بالکل واضح کر دیا اور تخصیص کر دی کہ اللہ کا دستِ حفاظت اس مسلک پر ہوگا جو سب سے بڑا مسلک یعنی سوادِ اعظم ہوگا تو گویا جس مسلک پر امت کی اکثریت قائل اور عامل ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ہاتھ ہوگا۔ اسی حوالے سے سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، ۱:۲۰۰، رقم: ۳۹۱

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح،کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، ۴: ۲۶۶، رقم: ۲۱۶۷

۳۔ نسائی، السنن، کتاب المحاربة، باب قتل من فارق الجماعة، ۷:۹۲، رقم: ۴۰۲۰

۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷:۱۹۳، رقم: ۷۲۴۹

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱:۱۸۶، رقم: ۴۸۹

انّ اُمّتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا رائتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم۔(۱)

''بیشک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی پس جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر سوادِ اعظم (اکثریتی جماعت) کے ساتھ رہنا لازم ہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں بصورتِ اختلاف سوادِ اعظم کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سننِ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الامم میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَ الَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِیُ عَلٰی ثَلَاثٍ وَ سَبْعِیْنَ فِرُقَةً وَاحِدَةً فِی الُجَنَّةِ وَ ثِنُتَانِ وَ سَبُعُوْنَ فِی النَّارِ قِیُلَ یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ مَنُ هُمُ قَالَ الُجَمَاعَةُ۔(۲)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ جن میں سے ایک جنت اور بہتر جہنم میں ہوں گے۔

---

(۱) ۱۔ابن ماجه، السنن، کتاب السنن، باب السوا والاعظم ۲ :۱۳۰۳، رقم: ۳۹۵۰

۲۔ا بن حمید، المسند، ۱: ۳۶۷، رقم: ۱۲۲۰

۳۔دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۴۱۱، رقم: ۱۶۶۲

۴۔ابونعیم اصفهانی، حلیة الاؤلیاء، ۹: ۲۳۸

۵۔ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۲:۱۹۶

(۲) ۱۔اِبنِ ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب اِفتراق الأُ مم ، ۲:۱۳۲۲ ، رقم: ۳۹۹۲

۲۔ابن أبی عاصم، السنه، ۱:۲۳، رقم؛۳۶

۳۔طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸:۷۰، رقم:۱۲۹

۴۔اللالکا ئی،إعتقاد اهل السنة، ۱:۱۰۱، رقم:۱۴۹

صحابہ ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ جنتی کون ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جو جماعت کو پکڑے رہیں گے۔‘‘

سنن ابن ماجہ کی اس روایت میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک پیمانہ (criterion) مقرر فرما دیا کہ اُمت کی اکثریت جن عقائد کو اپنائے گی وہ صحیح ہوں گے۔ لہٰذا بڑے مسلک یعنی سوادِ اعظم کے ساتھ جڑے رہنا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج جو اعمال امت کی اکثریت میں رائج ہیں انہیں بدعتِ ضلالہ اور گمراہی کہا جاتا ہے حالانکہ چند خاص طبقات کو چھوڑ کر پورا عالمِ عرب اہلِ سنت و جماعت کے طریقے پر عامل ہے۔ مراکش، سوڈان، الجزائر، ترکی، یونان، ایران، عراق، فسلطین، اُردن، شام اور مصر کے عوام کی بھاری اکثریت اہلِ سنت کے طور طریقوں، شعائر اور کلچر پر عامل ہے۔ اگرچہ مختلف ممالک میں ادائیگی کے طریقے ذرا مختلف ہیں مگر بنیادی عقائد ایک ہی ہیں۔ المختصر یہ کہ یہ تمام بنیادی عقائد جن کو بعض لوگ تقسیم بدعت کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے بدعتِ ضلالہ، گمراہی اور شرک وغیرہ کہتے ہیں، جمہور اُمت انہیں مباح اور جائز سمجھتی ہے کیونکہ فرمانِ رسول ’’اِنَّ اُمتی لا تجتمع علی الضلالة‘‘ کے مطابق اُمت کی اکثریت کبھی گمراہ نہیں ہوسکتی، لہٰذا ان کے عقائد اُقرب الی الکتاب و سنۃ ہیں اور انہیں ضلالۃ و گمراہی کہنا بذات خود جہالت و گمراہی ہے۔

تقسیمِ بدعت پر معروف کتب کی فہرست

بدعت کی اقسام اور تفصیلات کو متعدد ائمہ حدیث اور فقہاء نے اپنی کتب میں اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے جن میں سے چند معروف کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ **الجامع لأحکام القرآن**، از امام قرطبی (۳۸۰ھ)، ۲:۸۷

۲۔ **شعب الایمان**، از اِمام بیہقی (۴۵۸ھ)، ۳:۱۷۷

۳۔ **المدخل الی السنن الکبری**، از امام بیہقی (۴۵۸ھ)، ۱:۲۰۶

۴۔ **احیاء العلوم الدین**، از امام غزالی (۵۰۵ھ)، ۲:۳

۵۔ **النهاية فی غريب الحديث والأثر**، از ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ)، ۱: ۱۰۶

۶۔ **قواعد الاحکام فی مصالح الانام**، از عزالدین بن عبدالسلام (۶۶۰ھ)، ۲: ۱۷۳

۷۔ **تہذیب الاسماء واللغات**، از امام نووی (۶۷۶ھ)، ۳: ۲۲

۸۔ **انوار البروق فی انوار الفروق**، از امام قرافی (۶۸۴ھ)، ۴: ۲۰۲

۹۔ **لسان العرب**، از ابن منظور افریقی (۷۱۱ھ)، ۸: ۶

۱۰۔ **منہاج السنہ**، از امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)، ۴: ۲۲۴

۱۱۔ **سیر اعلام النبلاء**، از امام ذہبی (۷۴۸ھ)، ۸: ۴۵۸

۱۲۔ **تفسیر القرآن العظیم**، از ابن کثیر (۷۷۴ھ)، ۱: ۱۶۱

۱۳۔ **الاعتصام**، از امام شاطبی (۷۹۰ھ)، ۲: ۱۱۱ - ۱۱۵

۱۴۔ **المنثور فی القواعد**، از امام زرکشی (۷۹۴ھ)، ۱: ۲۱۷

۱۵۔ **جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**، از ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ): ۱۶۰

۱۶۔ **الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری**، از علامہ کرمانی (۷۹۶ھ)، ۹: ۱۵۴

۱۷۔ **اکمال اکمال المعلم**، از علامہ وشتانی مالکی (۸۲۸ھ)، ۳: ۲۳

۱۸۔ **فتح الباری** از ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)، ۴: ۲۵۳

۱۹۔ **عمدة القاری شرح صحیح البخاری** از علامہ عینی (۸۵۵ھ)، ۱۱: ۱۲۶

۲۰۔ **مکمل اکمال المعلم**، از علامہ سنوسی مالکی (۸۹۵ھ)، ۳: ۲۳

۲۱۔ **القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع**، از امام سخاوی (۹۰۲ھ): ۱۹۲

۲۲۔ **فتح المغیث شرح الفیة الحدیث**، از امام سخاوی (۹۰۲ھ)، ۲: ۲۷

۲۳۔ **حسن المقصد فی عمل المولد**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ) : ۵۱

۲۴۔ **الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ)، ۲: ۴۴۵

۲۵۔ **تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ)، ۱: ۱۰۵

۲۶۔ **الحاوی للفتاوی**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ)، ۱: ۱۹۲-۱۹۳

۲۷۔ **سبل الھدیٰ والرشاد**، از علامہ صالحی شامی (۹۱۱ھ)، ۱: ۳۷۰

۲۸۔ **ارشاد الساری لشرح صحیح بخاری** از امام قسطلانی (۹۲۳ھ)، ۳: ۴۲۶

۲۹۔ **الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الأکابر**، از علامہ شعرانی (۹۷۳ھ)، ۲: ۲۸۸

۳۰۔ **فتاویٰ الحدیثیہ**، از ابن حجر مکی (۹۷۴ھ) : ۱۳۰

۳۱۔ **مرقاۃ المفاتیح**، از ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)، ۱: ۲۱۶

۳۲۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**، از علامہ مناوی (۱۰۳۱ھ)، ۱: ۴۳۹

۳۳۔ **سیرت حلبیہ** از علامہ حلبی (۱۰۴۴ھ)، ۱: ۱۳۶

۳۴۔ **أشعۃ اللمعات**، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)، ۱: ۱۲۵

۳۵۔ **درّ مختار علی ہامش الرد**، از علامہ حصکفی (۱۰۸۸ھ)، ۱: ۳۶۲

۳۶۔ **شرح الموطا**، از امام زرقانی (۱۱۲۲ھ)، ۱: ۲۳۸

۳۷۔ **تاج العروس من جواہر القاموس**، از مرتضی زبیدی (۱۲۰۵ھ)، ۱۱: ۹

۳۸۔ **حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح**، از امام طحطاوی (۱۲۳۱ھ) : ۱۱۴

۳۹۔ **ردالمحتار شرح درالمختار**، از علامہ شامی (۱۲۵۲ھ)، ۱: ۵۲۴

۴۰۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**، از علامہ شوکانی (۱۲۵۵ھ)، ۳: ۳۲۵

۴۱۔ **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم**، از علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ)، ۲۷: ۱۹۲

۴۲۔ **هدية المهدي**، از شیخ وحید الزماں (۱۳۲۷ھ) : ۱۱۷

۴۳۔ **عون المعبود شرح سنن أبي داوٗد**، از عظیم آبادی (۱۳۲۹ھ)، ۱۲: ۲۳۵

۴۴۔ **مجمع بحار الانوار**، از علامہ طاہر پٹنی، ۱ : ۸۰

۴۵۔ **حواشي الشرواني**، علامہ شروانی، ۱۰: ۲۳۵

۴۶۔ **تحفة الاحوذي**، علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ)، ۷: ۳۶۶

۴۷۔ **فتح الملهم شرح صحيح مسلم**، از شیخ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)، ۲: ۴۰۶

۴۸۔ **مغني المحتاج إلى معرفة معاني الفاظ المنهاج**، از امام شربینی، ۴: ۴۳۶

۴۹۔ **أوجز المسالك الى موطا مالك**، از علامہ زکریا کاندھلوی (۱۴۰۲ھ)، ۲: ۲۹۷

۵۰۔ **فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء**، از ابن باز (۱۴۲۱ھ)، ۲: ۳۲۵

۵۱۔ **مفاهيم يجب ان تصحح**، از شیخ علوی مالکی (۱۴۲۵ھ)، ۱۰۲-۱۰۶

خلاصۂ بحث

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل کو اس ڈھب پر اور اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا جاتا کہ یہ عمل حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا یا نہیں اور بعد میں کب شروع ہوا بلکہ اس کو پرکھنے کے لئے ہمیں یہ اَمر ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا کہ کسی عمل کی ہیئت کبھی رسم و رواج پر منحصر ہوتی ہے اور کبھی وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں پر مبنی ہوتی ہے۔ کبھی اس کام میں کئی حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں اور کبھی کئی مصلحتیں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

غور و فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس نئے کام کی کوئی اصل قرآن و سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا کوئی ثبوت قرآن و سنت میں موجود ہے؟ یا پھر وہ کام اس لئے بھی قابل مذمت ٹھہرتا ہے کہ اس سے کسی واجب، سنت یا مستحب وغیرہ پر اثر پڑتا ہے یا اس کا ان کے ساتھ اختلاف یا تعارض رونما ہوتا ہے۔

اگر کسی عمل کی اصل قرآن حکیم یا سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ طعن و تشنیع اور گمراہی یا گناہ وغیرہ کا باعث نہیں رہتا اور اگر بفرض محال قرآن و سنت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ثابت نہ بھی ہو لیکن اس سے قرآن و سنت کی مخالفت نہ ہوتی ہو تو پھر بھی وہ کسی قسم کی قباحت کا باعث نہیں بنتا اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع جائز ہے ہاں صرف اس صورت میں کوئی بدعت ناجائز اور قبیح کے زمرے میں شامل ہو کر قابل مذمت ٹھہرے گی جب قرآن و سنت پر پرکھنے کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قرآن و سنت کی فلاں نص کے خلاف ہے یا شریعت کے فلاں حکم کی مخالفت میں ہے۔

بدعت کا معنی و مفہوم واضح کرتے ہوئے اِس پر بار بار زور دیا جا چکا ہے کہ **کوئی بھی نیا کام اس وقت ناجائز اور حرام قرار پاتا ہے جب وہ شریعتِ اسلامیہ کے کسی حکم کی مخالفت کر رہا ہو اور اسے ضروریاتِ دین سمجھ کر قابل تقلید ٹھہرا لیا جائے یا پھر اسے ضروریاتِ دین شمار کرتے ہوئے اس کے نہ کرنے والے کو گناہگار اور کرنے والے کو ہی مسلمان سمجھا جائے، تو اس صورت میں بلاشبہ جائز اور مباح بدعت بھی ناجائز اور قبیح بن جاتی ہے اور اگر جائز اور مستحسن بدعت میں ناجائز امور کو شامل کر دیا جائے جن کی رو سے روحِ اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہو تو بلاشبہ وہ بدعت بھی قابلِ مذمت ہو گی اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اسے ہدفِ تنقید و تنقیص بنانے کا کوئی جواز نہیں۔**

باب: ۱۰

بدعت

ائمہ و محدّثین کی نظر میں

فہرست أئمہ ومحدّثین

۱۵۔ امام عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب الحنبلیؒ (۷۹۵ھ)
۱۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانیؒ (۷۹۶ھ)
۱۷۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی المالکیؒ (۸۲۸ھ)
۱۸۔ امام ابوالفضل احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)
۱۹۔ امام ابومحمد بدرالدین محمود العینیؒ (۸۵۵ھ)
۲۰۔ امام محمد بن عبدالرحمٰن شمس الدین محمود السخاویؒ (۹۰۲ھ)
۲۱۔ امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطیؒ (۹۱۱ھ)
۲۲۔ امام ابو العباس احمد بن محمد شہاب الدین القسطلانیؒ (۹۲۳ھ)
۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یوسف صالحی الشامیؒ (۹۴۲ھ)
۲۴۔ امام عبدالوھاب بن احمد علی الشعرانیؒ (۹۷۳ھ)
۲۵۔ امام احمد شہاب الدین ابن الحجر المکی الہیتمیؒ (۹۷۴ھ)
۲۶۔ الشیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیبؒ (۹۷۷ھ)
۲۷۔ امام ملا علی بن سلطان محمد القاریؒ (۱۰۱۴ھ)
۲۸۔ الشیخ عبدالحمید الشروانیؒ (ھ)
۲۹۔ امام عبدالرؤوف زین الدین المناوی الشافعیؒ (۱۰۳۱ھ)
۳۰۔ اِمام علی بن برہان الدین حلبیؒ (۱۰۴۴ھ)
۳۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)

۳۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفیؒ (۱۰۸۸ھ)

۳۳۔ امام ابوعبداللہ محمد عبدالباقی الزرقانی المالکیؒ (۱۱۲۲ھ)

۳۴۔ علامہ مرتضٰی حسینی الزبیدی الحنفیؒ (۱۲۰۵ھ)

۳۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ)

۳۶۔ شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (۱۲۵۵ھ)

۳۷۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

۳۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)

۳۹۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ)

۴۰۔ مولانا وحید الزمان (۱۳۲۷ھ)

۴۱۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ)

۴۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

۴۳۔ مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۱۴۰۲ھ)

۴۴۔ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (۱۴۲۱ھ)

۴۵۔ الشیخ محمد بن علوی المالکی المکیؒ (۱۴۲۵ھ)

۱۔ اِمام محمد بن اِدریس الشافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ)

اُصولِ دین اور اُصولِ شرعیہ میں بدعت کی تقسیم کو سب سے پہلے متعارف کروانے والے اِمام شافعیؒ ہیں۔ **امام بیہقیؒ** (۴۵۸ ھ) نے اپنی سند کے ساتھ ''**مناقبِ شافعی**'' میں روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ بدعت کی تقسیم اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

المحدثات من الأمور ضربان: أحدهما ما أحدث مما يخالف كتاباً أوسنة أو اثرًا أو إجماعاً فهذه البدعة ضلالة، و الثانية ما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا فهذه محدثة غير مذمومة، قد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قيام رمضان نعمت البدعة هذه(۱) يعنی إِنَّهَا محدثة لم تكن و إِذا كانت ليس فيها ردٌّ لما مضی۔(۲)

''محدثات میں دو قسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت یا آثارِ صحابہ یا اِجماعِ اُمت کے خلاف ہوں وہ بدعتِ ضلالہ

---

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱:۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيہقی، شعب الايمان، ۳:۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱:۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱:۲۶۶
۵۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱:۳۴۰

(۲) ۱۔ بيہقی، المدخل الی السنن الكبریٰ، ۱ : ۲۰۶
۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۸ : ۴۰۸
۳۔ نووی، تہذيب الأسماء واللغات، ۳ : ۲۱

کے زُمرے میں آتے ہیں، اور دوسری قسم میں وہ نئے اُمور ہیں جن کو بھلائی اور خیرخواہی کے لیے انجام دیا جائے درآنحالیکہ کوئی ان میں سے کسی (امرِ شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ اُمور یعنی نئے کام محدثہ غیر مذمومۃ کے ذیل میں آتے ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ ’’یہ کتنی اچھی بدعت ہے‘‘ یعنی یہ ایک ایسا محدثہ ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) اپنی کتاب **جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم** میں تقسیمِ بدعت کے تناظر میں اِمام شافعیؒ کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

وقد روى الحافظ أبو نعيم بإسناد عن إبراهيم ابن الجنيد قال: سمعت الشافعي يقول: البدعة بدعتان: بدعة محمودة و بدعة مذمومة، فما وافق السنة فهو محمود، وما خالف السنة فهو مذموم. واحتجّ بقول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هي.[1] و مراد الشافعي رضی اللہ عنہ ما ذكرناه من قبل أن أصل البدعة المذمومة ما ليس لها أصل في الشريعة ترجع إليه و هي البدعة في إطلاق الشرع. وأما البدعة المحمودة فما وافق السنة: يعني ما كان لها أصل من السنة ترجع إليه، و إنما هي بدعة لغة لا شرعا لموافقتها السنة. وقد روى عن الشافعي كلام آخر يفسر هذا و أنّه قال:

(۱) ۱۔ مالک، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۴۔ ابن خزیمۃ، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

المحدثات ضربان:ما أحدث مما يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا فهذه البدعة الضلالة، وما أحدث فيه من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا و هذه محدثة غير مذمومة، و كثير من الأمور التی أحدثت ولم يكن قد اختلف العلماء فی أنها بدعة حسنة حتى ترجع إلى السنة أم لا. فمنها كتابة الحديث نهى عنه عمر وطائفة من الصحابة و رخص فيها الأكثرون واستدلوا له بأحاديث من السنة. ومنها كتابة تفسير الحديث والقرآن كرهه قوم من العلماء و رخص فيه كثير منهم. وكذلک اختلافهم فی كتابة الرأی فی الحلال والحرام و نحوه. و فی توسعة الكلام فی المعاملات و أعمال القلوب التی لم تنقل عن الصحابة والتابعين.(۱)

''حافظ ابو نعیم نے ابراہیم بن جنید کی سند سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ بدعت محمودہ

۲۔ بدعت مذمومہ

بدعتِ محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے مطابق و موافق ہو اور جو بدعت سنت کے مخالف و متناقض ہو وہ مذموم ہے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول (نعمت البدعة هذه) سے اِستدلال کیا ہے اور امام شافعیؒ کی مراد بھی یہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کی ہے۔ بے شک بدعت مذمومہ وہ ہے جس کی کوئی اصل اور دلیل شریعت میں نہ ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہے۔ اسی پر بدعتِ شرعی کا اِطلاق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بدعتِ محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے موافق ہو یعنی شریعت میں اس کی اَصل ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہو یہی

(۱)ابن رجب حنبلی،جامع العلوم و الحكم : ۲۵۳

بدعت لُغوی ہے شرعی نہیں۔ اس کی وضاحت میں اِمام شافعیؒ سے دوسری دلیل یہ ہے کہ محدثات کی دو اقسام ہیں۔ پہلی وہ بدعت جو کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور اِجماعِ اُمت کے خلاف ہو یہ بدعت ضلالہ ہے اور ایسی ایجاد جس میں خیر ہو اور وہ ان چیزوں (یعنی قرآن و سنت، اثر اور اجماع) میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو ایسی بدعت، بدعتِ غیر مذمومہ ہے اور بہت سارے اُمور ایسے ہیں جو ایجاد ہوئے جو کہ پہلے نہ تھے، ان میں علماء نے اختلاف کیا کہ کیا یہ بدعت حسنہ ہیں یا نہیں اور یہ سنت کی طرف لوٹتے ہیں یا کہ نہیں۔ اور ان اُمور میں سے ایک کتابتِ حدیث ہے جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے ایک گروہ نے منع کیا ہے جبکہ اکثر نے اس کی اجازت دی اور اِستدلال کے لیے انہوں نے کچھ اَحادیث پیش کی ہیں اور بدعاتِ حسنہ میں سے قرآن اور حدیث کی تفسیر وتشریح کرنا بھی ہے جسے قوم کے کچھ علماء نے ناپسند کیا ہے اور ان میں سے کثیر تعداد میں علماء نے اس کی اِجازت دی ہے۔ اسی طرح حلال و حرام اور اس جیسے معاملات میں اپنی رائے سے لکھنے میں علماء کا اِختلاف ہے اور اسی طرح معاملات اور دل کی باتیں جو کہ صحابہ اور تابعین سے صادر نہ ہوئی ہوں ان کے بارے میں گفتگو کرنے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔‘‘

اِن تمام تفصیلات سے یہ اَمر واضح ہوگیا کہ اِمام شافعیؒ نے ’’**کل بدعة ضلالة**‘‘ کے مفہوم کو بعض اُمور سے مختص (Specify) اور مشروط کر دیا۔ اِن کے نزدیک صرف وہ بدعت، بدعتِ ضلالۃ ہوگی جو چار چیزوں یعنی قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ اور اِجماعِ اُمت کی مخالف ہو اور جو اِن چار چیزوں کی اُصولی طور پر مخالف نہ ہو وہ محدثہ غیر مذمومہ یعنی بدعتِ حسنہ ہو گی۔ مزید برآں اِمام شافعیؒ نے بدعت کی اِس تقسیم کی بنیاد حدیثِ بخاری **نعم البدعة هذه**[1] پر رکھی۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

←

۲۔ اِمام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (المتوفی ۳۸۰ھ)

معروف مفسرِ قرآن اِمام ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبیؒ بدعت کی مختلف اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' جسے عرفِ عام میں تفسیر قرطبی کہتے ہیں، میں فرماتے ہیں:

كل بِدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو أن يكون لها أصل فى الشرع أولا؛ فإن كان لها أصل كانت واقعة تحت عموم ما ندب الله إليه و حضّ رسوله عليه؛ فهى فى حيّز المدح. وإن لم يكن مثاله موجودا كنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف؛ فهذا فعله من الأفعال المحمودة، وإن لم يكن الفاعل قد سبق إليه. و يَعْضُدُ هذا قول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هذه؛ لما كانت من أفعال الخير و داخلة فى حيز المدح، وهى وإن كان النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد صلاها إلا أنه تركها ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس عليها؛ فمحافظة عمر رضی اللہ عنہ عليها وجمع الناس لها، وندبهم إليها، بدعة لكنها بدعة محمودة ممدوحة. وإن كانت فى خلاف ما أمرالله به ورسوله فهى فى حيّز الذم والإنكار؛ قال معناه الخطابى و غيره

قلت: وهو معنى قوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فى خطبته: ''وشَرُّ الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة''[1] يريد مالم يوافق كتابا أو سنة، أو عمل

.... ۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقى، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ۱: ۱۸، رقم: ۴۶

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱:۱۸۶، رقم: ۱۰

۳۔ طبرانى، المعجم الكبير، ۹:۹۶، رقم : ۸۵۱۸

۴۔ ابويعلى، المسند، ۴:۸۵، رقم : ۲۱۱۱

۵۔ ديلمى، المسند الفردوس، ۱:۳۸۰، رقم : ۱۵۲۹

الصحابة رضی اللہ عنہم، وقد بين هذا بقوله: "مَنْ سَنّ فِي الإسلام سُنَّةً حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء ومَن سنّ في الإسلام سُنَّةً سيئة كان عليه وزرُها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء".(١) وهذا إشارة إلى ما ابتدع من قبيح و حسن.(٢)

''ہر بدعت جو مخلوق سے صادر ہوتی ہے دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتی وہ یہ کہ اس کی اصل شریعت میں ہوتی ہے یا نہیں اگر اس کی اصل شریعت میں ہو تو پھر وہ لازمی طور پر عموم کے تحت واقع ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو پس یہ بدعت مقامِ مدح میں ہوگی اور اگر ان کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو جیسے جود و سخاء وغیرہ کی اقسام اور معروف کام تو ایسے اُمور کا سرانجام دینا افعال محمودہ میں سے ہے چاہے کسی نے یہ کام پہلے نہ کئے ہوں اور یہ عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول،'' **نعمت البدعة هذه**'' کو تقویت دیتا ہے جو کہ اچھے کاموں میں سے تھی اور وہ محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس

(١) ١۔ مسلم، الصحیح، ٢: ٧٠٥، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ١٠١٧

٢۔ نسائی، السنن، ٥: ٥٥، ٥٦، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ٢٥٥٤

٣۔ ابن ماجه، السنن، ١: ٧۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ٢٠٣

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ٣٥٧۔٣٥٩

٥۔ ابن حبان، الصحيح، ٨: ١٠١، ١٠٢، رقم: ٣٣٠٨

(٢) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ٢: ٨٧

کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا پس (بعد میں مصلحت وقت کے تحت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نمازِ تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعت محمودہ اور ممدوحہ ہے۔ اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَحکام کے خلاف ہو تو وہ مقامِ ذم میں ہوگی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو اِمام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا علیہ السلام کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وشر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة'' اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب وسنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ''جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتدا کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہوگا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی'' اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔''

۳۔ اِمام علی بن اَحمد ابن حزم الأُندلسیؒ (۴۵۶ھ)

اِمام ابن حزم اُندلسیؒ اپنی کتاب ''الأحکام فی اُصول الاحکام'' میں بدعت کی تعریف اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة کل ما قیل أو فعل مما لیس له أصل فیما نسب إلیه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و هو في الدین کل مالم یأت في القرآن ولا عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلا أن منها ما یؤجر علیه صاحبه و یعذر بما قصد إلیه من الخیر و منها ما یؤجر علیه صاحبه و یکون حسنا و هو ماکان أصله

الإباحة كما روي عن عمر رضی اللہ عنہ نعمت البدعة هذه[1] و هو ما كان فعل خير جاء النص بعموم استحبابه و إن لم يقرر عمله في النص و منها ما يكون مذموما ولا يعذر صاحبه و هو ما قامت به الحجة على فساده فتمادى عليه القائل به.[2]

’’بدعت ہر اس قول اور فعل کو کہتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل یا دلیل نہ ہو اور اس کی نسبت حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف کی جائے لہٰذا دین میں ہر وہ بات بدعت ہے جس کی بنیاد کتاب و سنت پر نہ ہو مگر جس نئے کام کی بنیاد خیر پر ہو تو اس کے کرنے والے کو اس کے اِرادۂ خیر کی وجہ سے اَجر دیا جاتا ہے اور یہ بدعتِ حسنہ ہوتی ہے اور یہ ایسی بدعت ہے جس کی اصل اباحت ہے۔ جس طرح کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا **نعمت البدعة هذه** قول ہے۔ اور یہ وہی اچھا عمل تھا جس کے مستحب ہونے پر نص وارد ہوئی اگرچہ پہلے اس فعل پر صراحتاً نص نہیں تھی اور ان (بدعات) میں سے بعض افعال مذموم ہوتے ہیں لہٰذا اس کے عامل کو معذور نہیں سمجھا جاتا اور یہ ایسا فعل ہوتا ہے جس کے ناجائز ہونے پر دلیل قائم ہوتی ہے اور اس کا قائل اس پر سختی سے عامل ہوتا ہے۔‘‘

۴۔ اِمام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ (۴۵۸ ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ اپنی کتاب ’’**المدخل الی السنن الکبریٰ**‘‘ میں ربیع بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ:

---

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲٦٦
(۲) ابن حزم الاندلسی، الاحکام فی أُصول الاحکام، ۱: ۴۷

قال الشافعی رضی اللہ عنہ المحدثات من الأمور ضربان: أحدهما ما أحدث مما يخالف كتاباً أوسنة أو اثرًا أو إجماعاً فهذه البدعة ضلالة، و الثانية ما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا فهذه محدثة غير مذمومة، قد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قيام رمضان نعمت البدعة هذه[1] يعنی إِنَّهَا محدثة لم تكن و إِذا كانت ليس فيها ردٌّ لما مضى۔(۲)

''محدثات میں دو قسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت یا اثر صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ہوں وہ بدعت ضلالہ ہے، اور دوسری قسم میں وہ نئے امور ہیں جن کو بھلائی کے لیے انجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی (امرِ شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ امور محدثہ غیر مذمومۃ ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ ''یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا محدثہ یعنی نیا عمل ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔''

۵۔ اِمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ)

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالیؒ اپنی کتاب ''إحياء علوم الدين'' میں بدعت کے

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲٦٦
۵۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰

(۲) ۱۔ بيهقی، المدخل الی السنن الكبری، ۱ : ۲۰٦
۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۸ : ۴۰۸
۳۔ نووی، تهذيب الاسماء واللغات، ۳ : ۲۱

حوالے سے رقمطراز ہیں:

فليس كل ما أبدع منهيا بل المنهى بدعة تضاد سُنة ثابتة و ترفع أمرا من الشرع مع بقاء علته بل الابداع قد يجب فى بعض الاحوال إذا تغيرت الأسباب وليس فى المائدة إلا رفع الطعام عن الأرض لتيسير الأكل و أمثال ذلک مما لا كراهة فيه. والأربع التى جمعت فى أنها مبدعة ليست متساوية بل الأشنان حسن لما فيه من النظافة فإن الغسل مستحب للنظافة والأشنان أتم فى التنظيف، وكانوا لا يستعملونه لأنه ربما كان لا يعتاد عندهم أو لا يتيسر، أو كانوا مشغولين بأمور أهم من المبالغة فى النظافة فقد كانوا لا يغسلون اليد أيضا، وكانت مناديلهم أخمص أقدامهم وذلک لا يمنع كون الغسل مستحبا. و أما المنخل فالمقصود منه تطييب الطعام وذلک مباح مالم ينته إلى التنعم المفرط. و أما المائدة فتيسير للأكل و هو أيضا مباح مالم ينته إلى الكبر والتعاظم. و أما الشبع فهو أشد هذه الأربعة فإنه يدعو إلى تهييج الشهوات و تحريک الأدواء فى البدن فلتدرک التفرقة بين هذه البدعات. (۱)

''ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف بدعت وہ ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اٹھادے (مزید برآں) بعض احوال میں جب اَسباب متغیر ہوجائیں تو بدعت واجب ہوجاتی ہے اور بلند دسترخوان میں یہی بات تو ہے کہ کھانے کی آسانی کے لیے کھانے کو زمین سے بلند کیا جاتا ہے اور اس قسم کے کاموں میں کراہت نہیں ہوتی۔ جن چار باتوں کو جمع کیا گیا کہ یہ بدعت ہیں تو یہ سب برابر بھی نہیں ہیں بلکہ اُشنان (ایک بوٹی جو صفائی کے کام آتی ہے) اچھی چیز ہے کیونکہ اس میں

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۳

نظافت ہے۔ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل مستحب ہے اور اُشنان اس نظافت کو مکمل کرتی ہے اور اسے لوگ اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ ان کی عادت نہیں تھی یا اِنہیں حاصل نہیں ہوتی تھی۔ یا وہ نظافت سے زیادہ اہمیت کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے۔ اسی طرح چھلنی سے مقصود کھانے کو صاف کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے جب تک حد سے متجاوز عیاشی کی طرف نہ لے جائے۔ اونچے دسترخوان سے چونکہ کھانا کھانے میں آسانی ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے جب تک تکبر اور بڑائی پیدا نہ کرے شکم سیری ان چاروں میں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس سے خواہشات ابھرتی ہیں اور بدن میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو ان چاروں بدعات میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔‘‘

٦۔ اِمام مبارک بن محمد اِبنِ اَثیر الجزریؒ (المتوفی ٦٠٦ھ)

علامہ ابنِ اثیر جزریؒ حدیثِ عمر ’’**نعمت البدعة هذه**‘‘ کے تحت بدعت کی اقسام اور ان کا شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة بدعتان: بدعة هدًى، و بدعة ضلال، فما كان فى خلاف ما أمر الله به و رسوله ﷺ فهو فى حيز الذّم والإنكار، وما كان واقعا تحت عموم ما ندب الله إليه و حضَّ عليه الله أو رسوله فهو فى حيز المدح، وما لم يكن له مثال موجود كنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف فهو من الأفعال المحمودة، ولا يجوز أن يكون ذلك فى خلاف ما ورد الشرع به؛ لأن النبى ﷺ قد جعل له فى ذلك ثوابا فقال من سنّ سُنة حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها وقال فى ضِدّه ومن سنّ سنة سيّئة كان عليه وزرُها ووِزرُ من عمل بها[1] وذلك إذا كان فى خلاف ما أمر

(۱) ا۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

←

الله به ورسوله ﷺ ومن هذا النوع قول عمر رضي الله عنه: نِعمت البدعة هذه[1]. لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة فى حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن النبى ﷺ لم يسُنَّها لهم، و إنما صلّاها ليالى ثم تركها ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس لها، ولا كانت فى زمن أبى بكر، وإنما عمر رضي الله عنه جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهى على الحقيقة سُنَّة، لقوله ﷺ عليكم بِسُنَّتى و سنَّة الخلفاء الراشدين من بعدى[2] وقوله اقتدوا باللذين من بعدى أبى

.... ٢ـ نسائى، السنن، ٥: ٥٥، ٥٦، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ٢٥٥٤

٣ـ ابن ماجه، السنن، ١: ٧٤، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ٢٠٣

٤ـ احمد بن حنبل، المسند، ٤: ٣٥٧ـ٣٥٩

٥ـ دارمى، السنن، ١: ١٤١، رقم: ٥١٤

(١) ١ـ مالك، المؤطا، باب ما جاء فى قيام رمضان، ١/١١٤، رقم: ٢٥٠

٢ـ بيهقى، شعب الايمان، ٣/١٧٧، رقم: ٣٢٦٩

٣ـ سيوطى، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ١/١٠٥، رقم: ٢٥٠

(٢) ١ـ ابوداؤد، السنن، ٤: ٢٠٠، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، رقم: ٤٦٠٧

٢ـ ترمذى، الجامع الصحيح، ٥: ٤٤، كتاب العلم، باب ما جاء فى الأخذ بالسنة، رقم: ٢٦٧٦

٣ـ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ١: ١٥، رقم: ٤٢

٤ـ احمد بن حنبل، المسند، ٤: ١٢٦

بکر و عمر[1] و علی هذا التأویل یحمل الحدیث الآخر (کل مُحدَثة بدعةٌ) إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق السُّنَّة(۲).

''بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اَحکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس حکم پر راغب کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام، وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے برعکس جو برے کام کی ابتداء کرے گا اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہوگا اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو اور اِسی قسم یعنی بدعتِ حسنہ کے بارے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''نعمت البدعة هذه'' ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے لغوی اعتبار سے

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۶۰۹/۵، رقم: ۳۶۶۲
۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۳۷/۱، رقم: ۹۷
۳۔ حاکم، المستدرک، ۷۹/۳، رقم: ۴۴۵۱

(۲) ابن أثیر جزری، النهایة فی غریب الحدیث والأثر ۱ : ۱۰۶

بدعت کہا جائے گا مگر اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے باجماعت نماز تراویح کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر باجماعت پڑھنا ترک کر دیا اور اس پر آپ ﷺ نے نہ محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، بعد میں نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں باجماعت پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (کا دور آیا تو) آپ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور ﷺ کے اس قول "**عليكم بسنّتي و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی**" اور اس قول "**اقتدوا بالذين من بعدی أبی بكر و عمر**" کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث "**كل محدثة بدعة**" کو اُصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔

۷۔ اِمام عزّ الدین عبدالعزیز بن عبد السلامؒ السلمی الشافعی (۶۶۰ھ)

امام عز الدین عبدالعزیز بن عبد السلام السلمی الشافعیؒ بہت بڑے اُصولی، محدّث اور اِمام تھے۔ اھلِ زمانہ اِنہیں "سلطان العلماء" کے نام سے پکارتے تھے[۱] وہ اَپنی کتاب "**قواعد الأحكام فی مصالح الأنام**" میں بدعت کی پانچ اقسام اور ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

البدعة فعل مالم يعهد فی عصر رسول الله ﷺ وهی منقسمة إلی بدعة واجبة و بدعة محرمة و بدعة مندوبة و بدعة مكروهة و بدعة مباحة قال والطريق فی معرفة ذلک أن تعرض البدعة علی

(۱) ۱۔ ابن سبكي، طبقات الشافعية ۸: ۲۰۹
۲۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۱۳: ۲۳۵
۳۔ عبد الحئی احمد العكری، شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، ۵: ۳۰۱

قواعد الشريعة، فان دخلت فى قواعد الايجاب فهى واجبة، و إن دخلت فى قواعد التحريم فهى محرمة، و إن دخلت فى قواعد المندوب فهى مندوبة، و ان دخلت فى قواعد المكروه فهى مكروهة، و ان دخلت فى قواعد المباح فهى مباحة، و للبدع الواجبة أمثلة منها الاشتغال بعلم النحو الذى يفهم به كلام الله تعالٰى و كلام رسول الله ﷺ، و ذٰلک واجب لان حفظ الشريعة واجب، ولايتأتىٰ حفظها الا بمعرفة ذٰلک، وما لايتمُّ الواجبُ الابه فهو واجبٌ، الثانى: حِفُظُ غريبِ الكتاب والسنة من اللغة، الثالث: تدوين اصول الدين و اصول الفقه، الرابع: الكلام فى الجرح والتعديل، لتمييز الصحيح من السقيم، وقد دَلَّت قواعدُ الشريعة على أنَّ حِفُظَ الشريعةِ فرض كفاية فيما زاد على القَدُرِ المُتَعَيّن ولا يتأتٰى حفظ الشريعة الا بما ذكرناه و للبدع المحرمة امثلة منها مذاهب القدرية والجبرية والمُرجِئَة و المُجَسِّمَة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة وللبدع المندوبة أمثلة منها إحداثُ الرُّبُطِ والمدارسِ و بناءُ القناطر و كل احسانٍ لم يُعُهَدُ فى العصر الاول ومنها صلاة التراويح والكلام فى دقائق التصوف و الكلام فى الجَدَل ومنها جمع المحافل للاستدلال فى المسائل اِنُ قُصِدَ بذلک وجه الله تعالٰى: وللبدع المكروهة أمثلة كزخرفة المساجد و تَزُويقُ المصاحف و أما تلحين القرآن بحيث تتغيَّرُ ألفاظُه عن الوضع العربى فالأصحُّ أنه من البدع المُحَرَّمَة وللبدع المباحة امثلةٌ منها المصافحة عقيب الصبح والعصر ومنها التوسع فى اللذيذ من المآكل والمشارب والملابس والمساكن و لبس الطيالسة و توسيع الاكمام وقد يُخُتَلَفُ فى بعض ذٰلک فيجعله بعض العلماء من البدع

المکروهة و یجعله اٰخرون من السنن المفعولة فی عهد رسول الله ﷺ فما بعده و ذلک کالاستعاذة فی الصلاة والبسملة فیها. (۱)

''بدعت سے مراد وہ فعل ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں نہ کیا گیا ہو، بدعت کی حسبِ ذیل اقسام ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراھت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن و حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کیے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ،

---

(۱) ۱۔ عزالدین، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، ۲: ۳۳۷ و أیضاً فی فتاوی العز بن عبدالسلام، ۱۱۶

۲۔ نووی، تهذیب الأسماء واللغات، ۳: ۲۱

۳۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۶

۴۔ ابن حجر مکی، الفتاوی الحدیثیه: ۱۳۰

جبریہ، مرجیۂ اور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں باجماعت) نمازِ تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعاتِ مکروھہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب و زینت، (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کومزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سُر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ درست یہ ہے کہ یہ بدعتِ محرمہ ہے۔ بدعات مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر (کی نماز) کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیص پہننا، ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان امور کو بدعاتِ مکروھۃ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہدِ رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوّذ وتسمیہ جہراً پڑھنے کے سنت ہونے میں یا نہ ہونے کا اختلاف ہے۔‘‘

۸۔ اِمام ابوزکریا محی الدین بن شرف النوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ)

اِمام اَبو زکریا محی الدین بن شرف نوویؒ کا اِعتقاد اور مذہب بھی یہی ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ وہ بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ’’تھذیب الاسماء واللغات‘‘ میں فرماتے ہیں:

البدعة فی الشرع هی إحداث مالم يكن فی عهد رسول الله ﷺ وهی منقسمة الی حسنة و قبيحة وقال الشيخ الامام المجمع علی امامته و جلالته و تمكنه فی انواع العلوم و براعته ابو محمد عبدالعزيز بن عبدالسلام فی آخر ’’كتاب القواعد‘‘ البدعة

منقسمة إلى واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة قال والطريق فى ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة فان دخلت فى قواعد الايجاب فهى واجبة و إن دخلت فى قواعد التحريم فهى محرمة و إن دخلت فى قواعد المندوب فهى مندوبه و ان دخلت فى قواعد المكروه فهى مكروهة و ان دخلت فى قواعد المباح فهى مباحة و للبدع الواجبة أمثلة منها الإشتغال بعلم النحو الذى يفهم به كلام الله تعالٰى و كلام رسول الله ﷺ و ذٰلک واجب لان حفظ الشريعة واجب ولايتاتى حفظها اِلَّا بمعرفة بذٰلک وما لايتم الواجب الا به فهو واجب، الثانى حفظ غريب الكتاب والسنة من اللغة، الثالث تدوين اصول الدين و اصول الفقه، الرابع الكلام فى الجرح والتعديل لتمييز الصحيح من السقيم وقد دلت قواعد الشريعة على أن حفظ الشريعة فرض كفاية فيما زاد على المتعين ولا يتأتى ذٰلک الا بما ذكرناه و للبدع المحرمة أمثلة منها مذاهب القدرية والجبرية والمُرجئة و المُجَسِّمَة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة وللبدع المندوبة أمثلة منها احداث الرُبطِ والمدارس و بناءُ القناطر و كل احسان لم يُعْهَدُ فى العصر الاول ومنها صلاة التراويح والكلام فى دقائق التصوف و الكلام في الجَدَل ومنها جمع المحافل للاستدلال فى المسائل اِنْ قُصِدَ بذلک وجه الله تعالٰى: وللبدع المكروهة امثلة كزخرفة المساجد و تَزْويقُ المصاحف و أما تلحين القرآن بحيث تتغيَّرُ ألفاظُه عن الوضع العربى فالأصحّ أنه من البدع المحرّمة وللبدع المباحة أمثلة منها المصافحة عقيب الصبح والعصر ومنها التوسع فى اللذيذ من المآكل والمشارب والملابس والمساكن و لبس الطيالسة و توسيع الاكمام وقد يختلف فى بعض ذٰلک

فيجعله بعض العلماء من البدع المكروهة و يجعله آخرون من السنن المفعولة فى عهد رسول الله ﷺ فما بعده و ذلك كالاستعاذة فى الصلاة والبسملة فيها۔[۱]

''شریعت میں بدعت سے مراد وہ امور ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھے، بدعت کو بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام ''کتاب القواعد'' میں فرماتے ہیں۔ بدعت کو بدعت واجبۃ، محرمۃ، مندوبۃ، مکروھۃ اور مباحۃ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعدِ شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراہت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کیے بغیر علمِ شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال قرآن و حدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا ہے، تیسری مثال دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا ہے جبکہ چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ

(۱) ۱۔ نووی، تہذیب الأسماء واللغات، ۳:۲۲

۲۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۱ : ۲۸۶

۳۔سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۱

۴۔ صالحی، سبل الھدی والرشاد، ۱: ۳۷۰

ہیں: قدریہ، جبریہ، مرجیۂ اور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند منزلہ عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں) باجماعت تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعات مکروھہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب و زینت، (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت محرمہ ہے۔ بدعات مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیض پہننا، ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان امور کو بدعاتِ مکروھۃ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہدِ رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوّذ وتسمیہ جھراً پڑھنے میں سنت ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔‘‘

اِمام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں بدعت کی اقسام اور پھر ان میں سے ہر قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قوله ﷺ و ’’کل بدعة ضلالة‘‘[(۱)] هذا عام مخصوص

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

والمراد غالب البدع قال أهل اللغة هي كل شيء عمل مثال سابق قال العلماء البدعة خمسة أقسام واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة فمن الواجبة نظم أدلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين و شبه ذلک ومن المندوبة تصنيف کتب العلم و بناء المدارس والربط و غير ذلک و من المباح التبسط في ألوان الأطعمة و غير ذلک والحرام والمكروه ظاهران وقد أوضحت المسألة بأدلتها المبسوطة في تهذيب الأسماء واللغات فإذا عرف ما ذكرته علم أن الحديث من العام المخصوص و كذا ما أشبهه من الأحاديث الواردة و يؤيد ما قلناه قول عمر ابن الخطاب رضي الله عنه في التراويح نعمت البدعة(۱) ولا يمنع من كون الحديث عاما مخصوصا قوله كل بدعة مؤكدا بكل بل يدخله التخصيص مع ذلک كقوله تعالى تدمر كل شيء(۲) (۳)

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ ''ہر بدعت ضلالت ہے'' عام مخصوص ہے۔ عام طور پر اس سے مراد بدعتِ سیّئہ لیا جاتا ہے اہل لغت نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس پر مثالِ سابق کے بغیر عمل کیا جائے وہ بدعت ہے۔ علماء نے بدعت کی پانچ اقسام بدعت واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ بیان کی ہیں۔ بدعت واجبہ کی مثال متکلمین کے دلائل کو ملحدین، مبتدعین اور اس جیسے دیگر اُمور کے رد کے لئے استعمال کرنا ہے اور بدعتِ مستحبہ کی مثال جیسے کتب تصنیف کرنا، مدارس،

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
(۲) الاحقاف، ۴۶:۲۵
(۳) نووی، شرح صحیح مسلم، ۶: ۱۵۴

سرائے اور اس جیسی دیگر چیزیں تعمیر کرنا۔ بدعت مباح کی مثال یہ ہے کہ مختلف انواع کے کھانے اور اس جیسی چیزوں کو اپنانا ہے جبکہ بدعت حرام اور مکروہ واضح ہیں اور اس مسئلہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ میں نے ’’**تھذیب الاسماء واللغات**‘‘ میں واضح کردیا ہے۔ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اگر اس کی پہچان ہوجائے گی تو پھر یہ سمجھنا آسان ہے کہ یہ حدیث اور دیگر ایسی احادیث جو ان سے مشابہت رکھتی ہیں عام مخصوص میں سے تھیں اور جو ہم نے کہا اس کی تائید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ’’**نعمت البدعة**‘‘ کرتا ہے اور یہ بات حدیث کو عام مخصوص کے قاعدے سے خارج نہیں کرتی۔ قول ’’**کل بدعة**‘‘ لفظ ’’**کل**‘‘ کے ساتھ مؤکد ہے لیکن اس کے باوجود اس میں تخصیص شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **تدمر کل شیٔ** (الاحقاف،۴۲: ۵۲) کہ (وہ ہر چیز کو اُکھاڑ پھینکے گی) میں تخصیص شامل ہے۔

۹۔ اِمام شہاب الدین احمد القرافی المالکیؒ (۶۸۴ھ)

معروف مالکی فقیہ اِمام شہاب الدین احمد بن ادریس القرافیؒ تفصیل کے ساتھ بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ’’**انوار البروق فی انوار الفروق**‘‘ میں رقمطراز ہیں:

البدعة خمسة اقسام (القسم الأول) واجب و هو ما تتناوله قواعد الوجوب وادلته من الشرع كتدوين القرآن والشرائع اذا خيف عليها الضياع فان التبليغ لمن بعدنا من القرون واجب اجماعا و أهمال ذلک حرام اجماعا فمثل هذا النوع لا ينبغى ان يختلف في وجوبه (القسم الثانى) محرم و هو بدعة تناولتها قواعد التحريم و ادلته من الشريعة كالمكوس والمحدثات من المظالم المنافية لقواعد الشريعة كتقديم الجهال على العلماء و تولية المناصب الشرعية من لا يصلح لها بطريق التوارث و جعل

المستند لذلک کون المنصب کان لابيه و هو فی نفسه ليس باهل (القسم الثالث) من البدع مندوب اليه و هو ما تناولته قواعد الندب وادلته من الشريعة كصلاة التراويح و اقامة صور الائمة والقضاء وولاة الامور على خلاف ما كان عليه أمر الصحابة بسبب ان المصالح والمقاصد الشرعية لا تحصل الا بعظمة الولاة فی نفوس الناس و كان الناس فی زمن الصحابة معظم تعظيمهم انما هو بالدين و سابق الهجرة ثم اختل النظام و ذهب ذلک القرن وحدث قرن آخر لا يعظمون الا بالصور فيتعين تفخيم الصور حتى تحصل المصالح و قد كان عمر يا كل خبز الشعير والملح و يفرض لعامله نصف شاة كل يوم لعلمه بان الحالة التى هو عليها لوعملها غيره لهان فی نفوس الناس ولم يحترموه و تجاسروا عليه بالمخالفة فاحتاج الى ان يضع غيره فی صورة اخرى لحفظ النظام ولذلک لما قدم الشام ووجد معاوية بن أبی سفيان قد اتخذ الحجاب و أرخي الحجاب واتخذ المراكب النفيسة والثياب الهائلة العلية و سلک ما يسلكه الملوک فسأله عن ذلک فقال انا بأرض نحن فيها محتاجون لهذا فقال له لا أمرک ولا انهاک و معناه أنت اعلم بحالک هل انت محتاج الى هذا فيكون حسنا أو غير محتاج اليه فدل ذلک من عمر وغيره على ان احوال الائمة و ولاة الامور تختلف باختلاف الاعصار والامصار والقرون والاحوال فلذلک يحتاجون الى تجديد زخارف و سياسات لم تكن قديما و ربما وجبت فی بعض الاحوال (القسم الرابع) بدع مكروهة و هي ما تناولته ادلة الكراهة من الشريعة وقواعدها كتخصيص الايام الفاضلة او غيرها بنوع من العبادات و من ذلک فی الصحيح ما خرجه مسلم وغيره ان رسول الله ﷺ نهى عن

تخصيص يوم الجمعة بصيام أوليلته بقيام[1] ومن هذا الباب الزيادة فى المندوبات المحدودات كما ورد فى التسبيح عقيب الصلوات ثلاثة وثلاثين فيفعل مائة وورد صاع في زكاة الفطر فيجعل عشرة آصع بسبب ان الزيادة فيها اظهار الاستظهار على الشارع وقلة ادب معه بل شان العظماء اذا حددوا شيئا وقف عنده والخروج عنه قلة ادب والزيادة فى الواجب أو عليه أشد فى المنع لانه يؤدى الا ان يعتقد ان الواجب هو الاصل والمزيد عليه ولذلک نهي مالک عن ايصال ست من شوال لئلا يعتقد انها من رمضان و خرج ابو داود فى سننه[2] ان رجلا دخل الى مسجد رسول الله ﷺ فصلى الفرض وقام ليصلى ركعتين فقال له عمر بن الخطاب اجلس حتى تفصل بين فرضک و نفلک فبهذا هلک من كان قبلنا فقال له عليه السلام أصاب الله بک يا ابن الخطاب يريد عمر ان من قبلنا و صلوا النوافل بالفرائض فاعتقدوا الجميع واجبا و ذلک تغيير للشرائع و هو حرام اجماعا (القسم الخامس) البدع المباحة و هي ما تناولته ادلة الاباحة وقواعدها من الشريعة كاتخاذ المناخل للدقيق ففى

---

(١) ١ـ مسلم، الصحيح، ٢:١٠٨، رقم: ١١٤٤
٢ـ ابن خزيمه، الصحيح، ٢:١٩٨، رقم: ١١٧٦
٣ـ ابن حبان، الصحيح، ٨: ٣٧٦، رقم:٣٦١٢
٤ـ حاكم، المستدرک على الصحيحين، ١: ٤٥٥ رقم: ١١٧٢
٥ـ بيهقى، السنن الكبرى، ٤:٣٠٢، رقم: ٨٢٧٣
٦ـ احمد بن حنبل، المسند، ٦:٤٤٤ رقم: ٢٧٥٤٧

(٢) ١ـ ابو داؤد، السنن، ١:٢٦٤
٢ـ بيهقى، السنناالكبرى، ٢: ١٩٠، رقم: ٢٨٦٧
٣ـ هيثمى، مجمع الزوائد، ٢:٢٣٤

الاثار اول شيء احدثه الناس بعد رسول الله ﷺ اتخاذ المناخل للدقيق لان تليين العيش و اصلاحه من المباحات فوسائله مباحة. (۱)

''بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم واجب ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد وجوب پر مشتمل ہو اور اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو جیسے ضائع ہونے کے ڈر سے قرآن مجید اور شریعت کی تدوین۔ بے شک ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تبلیغ کرنا اجماعاً واجب ہے اور اسے چھوڑ دینا اجماعًا حرام ہے۔ اس طرح کی چیزوں کے وجوب میں اختلاف کرنا درست نہیں ہے۔ دوسری قسم بدعت محرمہ ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جس کی دلیل شریعت میں حرام کے قواعد کے مطابق ہو۔ جیسے ٹیکس اور ایسے نئے ظالمانہ امور جو کہ قواعد شریعت کے منافی ہوں۔ جیسے جہلا کو علماء پر فوقیت دینا اور شریعت کے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا جو وراثتی طریقے سے اس کے لیے درست نہ ہو اور اس منصب کو اس شخص کے لیے درست قرار دیا جائے جو کہ اس کے باپ کے لیے تھا اور وہ بذات خود اس منصب کا اہل نہ ہو اور تیسری قسم بدعت مستحبہ ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد استحباب پر مشتمل ہو اور شریعت میں اس کی حمایت میں دلائل موجود ہوں جیسا کہ نماز تراویح اور امر صحابہ کے خلاف (مصلحت و خیر کے پیش نظر) حکمرانان وقت، قاضیوں اور اہم منصب داروں کی تصویروں کو آویزاں کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شمار مصالح اور شرعی مقاصد لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت ڈالے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے صحابہ کے زمانے میں صحابہ کے دین اور سابق الھجرہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے پھر نظام درہم برہم ہوگیا اور وہ زمانہ گزر گیا اور نیا زمانہ آ گیا اس زمانہ میں لوگ تصویروں کے بغیر کسی کی عظمت نہیں کرتے تھے لہٰذا تصویروں کی حیثیت کو تسلیم کرلیا گیا۔ یہاں تک کہ متعلقہ مصلحتیں حاصل ہوگئیں اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تو جو کی روٹی اور نمک کھایا کرتے تھے جبکہ اپنے عاملین کے لئے

(۱) القرافي، انوار البروق فی انوار الفروق، ۴: ۲۰۲۔۲۰۵

آدھی بکری روزانہ مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دوسرے عاملین بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے جس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود تھے تو وہ عوام الناس کی نظروں میں گر جاتے اور لوگ ان کا احترام نہ کرتے اور ان کی مخالفت پر اتر آتے لہٰذا یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی دوسرے کو کسی اور شکل میں نظام کی حفاظت کے لیے تیار کیا جائے اور اسی طرح جب آپ شام گئے تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ پردہ کئے ہوئے اور پردہ لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے پاس خوبصورت سواری اور اعلیٰ رعب دار کپڑے تھے اور آپ اس طرح پیش آتے جس طرح بادشاہ پیش آتے تھے پھر اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احوال کو بہتر جانتے ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ضرورت ہے تو یہ بہتر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے نظائر (Precedents) سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ائمہ کے احوال اور اُمورِ سلطنت، زمانے، شہروں، صدیوں کے بدل جانے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس طرح انہیں حسنِ معاملات اور حسن سیاسیات میں تنوع کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ احوال پرانے نہ ہوجائیں اور بعض اوقات یہ مصلحتیں واجب ہوجاتی ہیں اور چوتھی قسم بدعت مکروہ کی ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو شریعت اور اس کے قواعد میں سے دلائلِ کراہت پر مشتمل ہوتی ہے جیسے بعض فضیلت والے اور بابرکت اَیام کو عبادات کے لئے مخصوص کرنا۔اس کی مثال وہ روایت ہے جسے اِمام مسلم اور دیگر نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے اور اسی رات کو قیام کے لئے مختص کرنے سے منع کیا ہے۔ اور اسی طرح اس باب میں محدود مندوبات کو زیادہ کرنا جیسے نمازوں کے بعد تینتیس بار تسبیح کرنا آیا ہے پھر ان کو سو بار کیا جائے، اور اسی طرح زکوٰۃ فطر کے لیے ایک صاع دینا آیا ہے پھر اسے دس صاعات بنادیا جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ ان امور میں زیادتی شارع

پر جرأت اور اس کی بے ادبی ہے۔ پس عظیم لوگوں کی شان یہ ہے کہ اگر انہیں کسی امر سے روکا جائے تو وہ رک جائیں کیونکہ اس حکم سے سرتابی سوءِ ادب ہے لہٰذا واجب میں زیادتی یا واجب پر زیادتی سخت منع ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ اعتقاد پنپتا ہے کہ واجب اور اس پر زیادتی دونوں واجب ہیں۔ جیسا کہ امام مالک نے شوال کے چھ (روزوں کو) ملانے سے منع کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی رمضان میں سے ہیں اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مسجد رسول ﷺ میں داخل ہوا پھر اس نے فرض نماز ادا کی اور ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تا کہ دو رکعتیں (نفل) پڑھے۔ تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ تو اپنے فرض اور نفل میں فرق کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے ہم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر اسے آقا علیہ السلام نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تعالیٰ نے تجھے درست پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ہم سے پہلے لوگوں نے نوافل کو فرائض کے ساتھ ملا دیا انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ یہ تمام واجبات میں سے ہیں اور یہ شریعت میں تغیر ہے جو کہ اجماعاً حرام ہے اور پانچویں قسم بدعت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی دلیل شریعت کے قواعد و ضوابط میں اباحت کے اصولوں کے مطابق ہو جیسا کہ آٹا چھاننے کے لیے چھلنی کا استعمال کرنا اور آثار میں پہلی چیز جو لوگوں نے آپ ﷺ کے بعد ایجاد کی وہ تھی **"اتخاذ المناخل للدقیق"** یعنی آٹا چھاننے کے لئے چھلنی کا استعمال کیونکہ زندگی میں لوگوں کی طبیعت میں نرمی ہونا اور اس کی اصلاح کرنا مباحات میں سے ہے اور اس کے تمام وسائل بھی مباح میں سے ہیں۔"

۱۰۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقیؒ (المتوفی ۷۱۱ھ)

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقیؒ اپنی معروف کتاب **"لسان العرب"** میں علامہ ابن اثیر جزریؒ (۶۰۶ھ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حدیث پاک **"کل محدثة بدعة"** سے مراد صرف وہ کام ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اور وہ بدعت جو

شریعت سے متعارض نہ ہو وہ جائز ہے، لکھتے ہیں:

البدعة: الحدث وما ابتدع من الدين بعد الإكمال. ابن السّكيت: البدعة كل محدثة و فى حديث عمر رضی اللہ عنہ فى قيام رمضان "نعمتِ البدعة هذه"[1] ابن الأثير: البدعة بدعتان: بدعة هدًى، و بدعة ضلال، فما كان فى خلاف ما أمر الله به و رسوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فهو فى حيز الذّم والإنكار، وما كان واقعا تحت عموم ما ندب الله إليه و حضَّ عليه الله أو رسوله فهو فى حيّز المدح، وما لم يكن له مثال موجود كنوع من الجود والسّخاء و فعل المعروف فهو من الأفعال المحمودة، ولا يجوز أن يكون ذلك فى خلاف ما ورد الشرع به؛ لأن النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد جعل له فى ذلك ثوابا فقال: (من سنّ سُنة حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها) وقال فى ضِدّه: (من سنّ سنة سيّئة كان عليه وزرُها ووِزرُ من عمل بها)[2] وذلك إذا كان فى خلاف ما أمر الله به ورسوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ: ومن هذا النوع قول عمر رضی اللہ عنہ: نِعمت البدعة هذه، لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة فى حيز المدح سماها

---

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فى قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیہقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائى، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

بدعة ومدحها لأن النبی ﷺ، لم یَسُنَّها لهم، و إنما صلّاها لیالی ثم ترکها ولم یحافظ علیها ولا جمع الناس لها ولا کانت فی زمن أبی بکر رضی الله عنه، وإنما عمر رضی الله عنه جمع الناس علیها و ندبهم إلیها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقیقة سنَّة، لقوله ﷺ (علیکم بسنَّتی و سنَّة الخلفاء الراشدین من بعدی)[1] وقوله ﷺ: (اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر و عمر)[2] و علی هذا التأویل یحمل الحدیث الآخر (کل محدثة بدعة) إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق السُّنَّة۔[3]

''بدعت سے مراد اِحداث ہے یا ہر وہ کام جو اِکمالِ دین کے بعد کسی دینی مصلحت کے پیشِ نظر شروع کیا گیا ہو۔ ابن سکیت کہتے ہیں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے جیسا کہ قیام رمضان کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/۳۷، رقم: ۹۷

۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/۷۹، رقم: ۴۴۵۱

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۵/۲۱۲، رقم: ۹۸۳۶

(۳) ابن منظور افریقی، لسان العرب، ۸ : ۶

نعمت البدعة ھذہ۔ ابن اثیر کہتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو تو یہ اَمرِ محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام، وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے برعکس یہ بھی فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو۔ اور اِسی قسم یعنی بدعتِ حسنہ میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''**نعمت البدعة ھذہ**'' ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے لغوی اعتبار سے تو بدعت کہا جائے گا مگر اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (باجماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر محافظت نہ فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا بعد ازاں نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور ﷺ کے اس قول ''**علیکم بسنّتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی**'' اور اس قول ''**اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر و عمر**'' کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''**کل محدثة بدعة**'' کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

۱۱۔ علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ)

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "منهاج السنة" میں لغوی بدعت اور شرعی بدعت کو واضح کرتے ہوئے "نعمت البدعة هذه" کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

إنّما سماها بدعة لأن ما فعل ابتداء، بدعة لغة، وليس ذلک بدعة شرعية، فإن البدعة الشرعية التی هی ضلالة ما فعل بغير دليل شرعی[1]

"اِسے بدعت اِس لیے کہا گیا کہ یہ عمل اس سے پہلے اِس انداز میں نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ بدعتِ لغوی ہے بدعتِ شرعی نہیں ہے کیونکہ بدعتِ شرعی وہ گمراہی ہوتی ہے جو دلیل شرعی کے بغیر سرانجام دی جائے۔"

علامہ ابن تیمیہ "بدعت حسنہ" اور "بدعت ضلالۃ" کے مفہوم کو مزید واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن هنا يعرف ضلال من ابتدع طريقاً أو اعتقاداً زعم أن الإيمان لا يتم إلا به مع العلم بأن الرسول ﷺ لم يذكره وما خالف النصوص فهو بدعة باتفاق المسلمين وما لم يعلم أنه خالفها فقد لا يسمى بدعة قال الشافعي رحمه الله البدعة بدعتان بدعة خالفت كتابا و سنة و إجماعا و أثرا عن بعض أصحاب رسول الله ﷺ فهذه بدعه ضلاله و بدعه لم تخالف شيئا من ذلک فهذه قد تكون حسنة لقول عمر نعمت البدعة هذه[2] **هذا**

---

(۱) ابن تيميه، منهاج السنة، ۴: ۲۲۴

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰

الكلام أو نحوه رواه البيهقي بإسناده الصحيح في المدخل(۱)

''اور اس کلام سے لفظ ''ضلال'' کا مفہوم سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ حضور ﷺ نے اسے بیان نہیں کیا کسی طریقے یا عقیدے کی ابتدا اس گمان سے کی کہ بے شک ایمان اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تو یہ ''ضلالة'' ہے اور جو چیز نصوص کے مخالف ہو وہ مسلمانوں کی اِتفاق رائے کے ساتھ بدعت ہے۔ اور جس چیز کے بارے یہ معلوم نہ ہو کہ اس سے کتاب و سنت کی مخالفت ہوتی ہے ایسی چیز کو بدعت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ بدعت جو قرآن و سنت، اجماع اور بعض اصحاب رسول ﷺ کے اقوال کے خلاف ہو تو وہ بدعت ضلالہ ہے۔ اور جو بدعت ان تمام چیزوں (یعنی قرآن و سنت، اجماع اور آثارِ صحابہ) میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہی بدعت حسنہ ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''**نعمت البدعة هذه**'' یہ یا اس جیسا دوسرا بیان اسے امام بیہقی نے اپنی صحیح اسناد کے ساتھ ''**المدخل**'' میں روایت کیا ہے۔''

۱۲۔ اِمام حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن کثیر اپنی تفسیر ''**تفسير القرآن العظيم**'' میں بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

والبدعة على قسمين تارة تكون بدعة شرعية كقوله (فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة) و تارة تكون بدعة لغوية كقول أمير المؤمنين عمر بن الخطاب عن جمعه إيّاهم على صلاة التراويح واستمرارهم: نعمت البدعة هذه۔(۲)

---

(۱) ابن تيمية، كتب ورسائل و فتاوى ابن تيمية في الفقه، ۲۰: ۱۶

(۲) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۱۶۱

’’بدعت کی دو قسمیں ہیں بعض اوقات یہ بدعت شرعیۃ ہوتی ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ’’فإنّ کلّ محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة‘‘ اور بعض اوقات یہ بدعت لغویہ ہوتی ہے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق کا لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کرتے اور دوام کی ترغیب دیتے وقت فرمان ’’نعمت البدعة هذه‘‘ ہے۔‘‘

مذکورہ بحث میں حافظ ابنِ کثیرؒ نے بدعت کو بدعتِ شرعیہ اور بدعت لغویۃ میں تقسیم کر دیا۔ اِس میں بدعتِ ضلالۃ کو بدعتِ شرعیہ کا نام دیا ہے ان کے نزدیک ہر بدعت ضلالت و گمراہی نہیں بلکہ صرف ’’کل بدعة سيئة ضلالة‘‘ ہے۔ بصورت دیگر وہ اُسے بدعت لغویہ کہتے ہیں۔ وہ اِس کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول ’’نعمت البدعة هذه‘‘[(۱)] میں بدعت سے مراد بدعتِ لغوی ہے نہ کہ بدعت ضلالۃ۔

اَہم نکتہ

علامہ اِبن تیمیہؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کے فرمان ’’نعمت البدعة هذه‘‘ میں بدعت کو بدعتِ لغوی شمار کیا ہے حالانکہ سیدنا عمر فاروقؓ نے کہیں نہیں فرمایا کہ هذه بدعة لغوية بلکہ انہوں نے بدعت کے ساتھ لفظ ’’نعم‘‘ اِستعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اُنہوں نے اِسے نعم البدعۃ یا بدعتِ حسنہ کہا ہے۔ اِس مفہوم کی شہادت قرآن میں بھی موجود ہے سورہ ص میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

نِعْمَ الْعَبْدُ ط إِنَّهٗ اَوَّابٌ۔(۲)

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
(۲) القرآن، ص، ۳۸:۳۰

''(حضرت سلیمان علیہ السلام) کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ بڑی کثرت سے توبہ کرنے والا تھا۔''

اس آیت میں لفظ نِعْمَ اِستعمال ہوا ہے اس کا معنی لغوی نہیں ہوتا بلکہ اِس کا معنی ''اَچھا'' یعنی ''حسنہ'' ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جسے نعم البدعة هذه کہا ہے لغت ہی کی رو سے اِس کا معنی بدعت حسنہ بنتا ہے۔ یعنی باعتبارِ لغت بدعتِ لغوی سے مراد بدعتِ حسنہ ہے۔

۱۳۔ اِمام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۰ھ)

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اُصولی، محدّث اور فقیہ ہیں۔ آپ کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے جدید فکر کے حامل فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الباب يُضْطَرُّ إِلى الكلام فيه عند النظر فيما هو بدعة وما ليس ببدعة فإن كثيرًا من الناس عدوا اكثر المصالح المرسلة بدعاً و نسبوها إلى الصحابة و التابعين و جعلوها حجة فيما ذهبوا إليه من اختراع العبادات وقوم جعلوا البدع تنقسم بأقسام أحكام الشرعية، فقالوا: إن منها ما هو واجب و مندوب، وعدوا من الواجب كتب المصحف وغيره، ومن المندوب الإجتماع فى قيام رمضان على قارئ واحد. و أيضا فإن المصالح المرسلة يرجع معناها إلى إعتبار المناسب الذى لا يشهد له أصل معين فليس له على هذا شاهد شرعىّ على الخصوص، ولا كونه قياساً بحيث إذا عرض على العقول تلقته بالقبول. وهٰذا بعينه موجود فى البدع المستحسنة، فإنها راجعة إلى أمور فى الدين مصلحية– فى زعم واضعيها– فى الشرع على الخصوص. وإذا

ثبت هٰذا فإن كان إعتبار المصالح المرسلة حقا فإعتبار البدع المستحسنه حق لأنهما يجريان من واد واحد. وإن لم يكن إعتبار البدع حقا، لم يصح إعتبار المصالح المرسلة.(۱)

''اس باب میں یہ بحث کرنا ضروری ہے کہ کیا چیز بدعت ہے اور کیا چیز بدعت نہیں، کیونکہ زیادہ تر لوگوں نے بہت سی مصالح مرسلہ کو بدعت قرار دیا ہے اور ان بدعات کو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی طرف منسوب کیا ہے اور ان سے اپنی من گھڑت عبادات پر استدلال کیا ہے۔ اور ایک قوم نے بدعات کی احکام شرعیہ کے مطابق تقسیم کی ہے اور انہوں نے کہا کہ بعض بدعات واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں، انہوں نے بدعات واجبہ میں قرآن کریم کی کتابت کو شمار کیا ہے اور بدعات مستحبہ میں ایک امام کے ساتھ تراویح کے اجتماع کو شامل کیا ہے۔ مصالح مرسلہ کا رجوع اس اعتبار مناسب کی طرف ہوتا ہے جس پر کوئی اصل معین شاہد نہیں ہوتی اس لحاظ سے اس پر کوئی دلیل شرعی بالخصوص نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی ایسے قیاس سے ثابت ہے کہ جب اسے عقل پر پیش کیا جائے تو وہ اسے قبول کرے اور یہ چیز بعینہٖ بدعات حسنہ میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ بدعات حسنہ کے ایجاد کرنے والوں کے نزدیک ان کی بنیاد دین اور بالخصوص شریعت کی کسی مصلحت پر ہوتی ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو **مصالح مرسلہ اور بدعات حسنہ دونوں کا مآل ایک ہے اور دونوں برحق ہیں اور اگر بدعات حسنہ کا اعتبار صحیح نہ ہو تو مصالح مرسلہ کا اعتبار بھی صحیح نہیں ہوگا۔**''

علامہ شاطبیؒ ''بدعت حسنہ'' کے جواز پر دلائل دیتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

أن أصحاب رسول الله ﷺ اتفقوا على جمع المصحف وليس ثَمَّ نص على جمعه وكتبه أيضاً...... بل قد قال بعضهم: كيف نفعل شيئاً لم يفعله رسول الله ﷺ؟ فروى عن زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۱) شاطبی، الإعتصام، ۲: ۱۱۱

قال: أرسل إِلىَّ أَبوبكر ﷺ مقتلَ (أَهل) اليمامة، و إِذا عنده عمر ﷺ، قال أبوبكر: (إن عمر أَتانى فقال): إِن القتل قد استحرّ بقراءِ القرآن يوم اليمامة، و إِنى أَخشى أَن يستحرّ القتل بالقراءِ فى المواطن كلها فيذهب قرآن كثير، و إِنى أَرى أَن تأْمر بجمع القرآن. (قال): فقلت له: كيف أَفعل شيئًا لم يفعله رسول الله ﷺ؟ فقال لى: هو والله خير. فلم يزل عمر يراجعنى فى ذلک حتى شرح الله صدرى له، ورأَيت فيه الذى رأَى عمر. قال زيد: فقال أبوبكر: إنک رجل شاب عاقل لا نتهمک، قد كنت تكتب الوحى لرسول الله ﷺ، فتتبع القرآن فاجمعه. قال زيد: فوالله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ما كان أَثقل علىَّ من ذلک. فقلت: كيف تفعلون شيئًا لم يفعله رسول الله ﷺ؟ فقال أَبوبكر: هو والله خير[1]، فلم يزل يراجعنى فى ذلک أَبوبكر حتى شرح الله صدرى للذى شرح له صدورهما فتتبعت القرآن أَجمعه من الرقاع والعسب واللخاف، ومن صدور الرجال، فهذا عمل لم ينقل فيه خلاف عن أَحد من الصحابة. ...... حتى اذا

(١) ١۔ بخارى، الصحيح، ٤: ١٧٢٠، كتاب التفسير، **باب قوله لقد جاء كم رسول**، رقم: ٤٤٠٢

٢۔ بخارى، الصحيح، ٦: ٢٦٢٩، كتاب الأَحكام، باب يستحب **للكاتب أن يكون اميناً عاقلاً**، رقم: ٦٧٦٨

٣۔ ترمذى، الجامع الصحيح، ٥: ٢٨٣، كتاب التفسير، باب من سورة التوبة رقم: ٣١٠٣

٤۔ نسائى، السنن الكبرىٰ، ٥: ٧، رقم: ٢٢٠٢

٥۔ احمد بن حنبل، المسند، ١: ١٣، رقم:٧٦

٦۔ ابن حبان، الصحيح، ١٠: ٣٦٠، رقم: ٤٥٠٦

نسخوا الصحف فی المصاحف، بعث عثمان فی کل افق بمصحف من تلک المصاحف التی نسخوها، ثم امر بما سوی ذٰلک من القراء ة فی کل صحیفة أو مصحف أن یحرق ...... ولم یرد نص عن النبی ﷺ بما صنعوا من ذلک، ولکنهم رأوه مصلحة تناسب تصرفات الشرع قطعا فإن ذلک راجع إلی حفظ الشریعة، والأمر بحفظها معلوم، وإلی منع الذریعة للاختلاف فی أصلها الذی هوالقرآن، وقد علم النهی عن الإختلاف فی ذلک بما لا مزید علیه. واذا استقام هذا الأصل فاحمل علیه کتب العلم من السنن و غیرها إذا خیف علیها الإندراس، زیادة علی ما جاء فی الأحادیث من الأمر بکتب العلم.(۱)

’’رسول اللہ ﷺ کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا...... لیکن بعض نے کہا کہ ہم اس کام کو کس طرح کریں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا جبکہ یمامہ والوں سے لڑائی ہو رہی تھی اور اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے کتنے ہی قاری شہید ہوگئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ قراء کے مختلف جگہوں پر شہید ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کا اکثر حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے کا حکم دیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں وہ کام کس طرح کرسکتا ہوں جسے رسول

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو انہوں نے مجھے کہا خدا کی قسم یہ اچھا ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں مجھ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں میرا سینہ کھول دیا۔ میں نے بھی وہ کچھ دیکھ لیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا حضرت زید کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے مجھے فرمایا آپ نوجوان آدمی اور صاحب عقل و دانش ہیں اور آپ کی قرآن فہمی پر کسی کو اعتراض بھی نہیں اور آپ آقا علیہ السلام کو وحی بھی لکھ کر دیا کرتے تھے۔ آپ قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کر دیں تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم اگر آپ مجھے پہاڑوں میں کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم دیں تو وہ میرے لیے اس کام سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس کام کو کیوں کر رہے ہیں جسے آقا علیہ السلام نے نہیں کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم اس میں بہتری ہے۔ تو میں برابر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بحث کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پھر میں نے قرآن مجید کو کھجور کے پتوں، کپڑے کے ٹکڑوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کر دیا۔ یہ وہ عمل ہے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا گیا...... حتیٰ کہ جب انہوں نے (لغت قریش پر) صحائف لکھ لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں میں ان مصاحف کو بھیجا اور یہ حکم دیا کہ اس لغت کے سوا باقی تمام لغات پر لکھے ہوئے مصاحف کو جلا دیا جائے...... حالانکہ اس معاملہ میں ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم نہیں تھا لیکن انہوں نے اس اقدام میں ایسی مصلحت دیکھی جو تصرفات شرعیہ کے بالکل مناسب تھی کیونکہ قرآن کریم کو مصحف واحد میں جمع کرنا شریعت کے تحفظ کی خاطر تھا اور یہ بات مسلّم اور طے شدہ ہے کہ ہمیں شریعت کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور ایک لغت پر قرآن کریم کو جمع کرنا اس لیے تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کی قرأت کی تکذیب نہ کریں اور ان میں اختلاف نہ پیدا ہو اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ ہمیں اختلاف

سے منع کیا گیا ہے اور جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو جان لو کہ احادیث اور کتب فقہ کو مدون کرنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ شریعت محفوظ رہے، علاوہ ازیں احادیث میں علم کی باتوں کو لکھنے کا بھی حکم ثابت ہے۔‘‘

۱۴۔ اِمام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشیؒ (۷۹۴ھ)

علامہ بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشیؒ اپنی کتاب ’’المنثور فی القواعد‘‘ میں بدعت لغویہ اور بدعت شرعیہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فأما فی الشرع فموضوعة للحادث المذموم، و إذا أُرید الممدوح قُيِّدَتْ و يكون ذالک مجازًا شرعياً حقيقة لغوية[1]

’’شرع میں عام طور پر لفظ بدعت، محدثہ مذمومہ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن جب بدعت ممدوحہ مراد ہو تو اسے مقید کیا جائے گا لہٰذا یہ بدعت مجازاً شرعی ہوگی اور حقیقتاً لغوی ہوگی۔‘‘

۱۵۔ اِمام عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب الحنبلیؒ (۷۹۵ھ)

علامہ ابن رجب حنبلی بغدادی اپنی کتاب ’’جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم‘‘ میں بدعت کی اقسام اور اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له فی الشريعة يدلّ عليه، وأما ما كان له أصل من الشرع يدلّ عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغة۔[2]

---

(۱) زرکشی، المنثور فی القواعد، ۱: ۲۱۷

(۲) ۱۔ ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حديثا من جوامع الكلم، ۱: ۲۵۲

۲۔ محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن أبی داؤد، ۱۲: ۲۳۵

۳۔ عبد الرحمن مبارکپوری، تحفة الأحوذی، ۷: ۳۶۶

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہو گا۔''

حدیث نبوی ﷺ مَنْ أَحْدَثَ فِی أَمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ مِنْهَ فَهُوَ رَدٌّ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

من أحدث فی أمرنا هَذا ما ليس منه فهو رد[1] فكلّ من أحدث شيئا و نسبه إلى الدين ولم يكن له أصل من الدين يرجع إليه فهو ضلالة والدين بریء منه، و سواء فی ذلک مسائل الاعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظاهرة والباطنة. و أما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فإنما ذلک فی البدع اللغوية لا الشرعية.[2]

''حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (چیز) مردود ہے۔ پس جس کسی نے بھی کوئی نئی چیز ایجاد کی اور پھر اس کی نسبت دین کی طرف کر دی اور وہ چیز دین کی اصل میں سے نہ ہو تو وہ چیز اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور وہی گمراہی ہو گی اور

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸
۲۔ ابن ماجه، السنن،المقدمه الکتاب، ۱: ۷، باب تعظیم حدیث رسول اللہ، رقم: ۱۴
۳۔ احمد بن حنبل، المسند:۶:۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶
۵۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

(۲) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم: ۲۵۲

دین اس چیز سے بری ہو گا اور اس میں اعتقادی، عملی، قولی، ظاہری و باطنی تمام مسائل برابر ہیں۔ اور بعض اچھی چیزوں میں سے جو کچھ اسلاف کے کلام میں گزر چکا ہے پس وہ بدعت لغویہ میں سے ہے، بدعت شرعیہ میں سے نہیں ہے۔''

علامہ ابن رجب بدعاتِ حسنہ کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمن ذلک قول عمر رضی الله عنه لما جمع الناس فی قیام رمضان علی إمام واحد فی المسجد و خرج ورآهم یصلون کذلک فقال: نعمت البدعة هذه.(١) وروی عنه أنه قال: إن کانت هذه بدعة فنعمت البدعة. وروی عن أبیّ بن کعب قال له: إن هذا لم یکن، فقال عمر: قد علمت ولکنه حسن، ومراده أن هذا الفعل لم یکن علی هذا الوجه قبل هذا الوقت، ولکن له أصل فی الشریعة یرجع إلیها. فمنها أن النبی صلی الله علیه وآله وسلم کان یحثّ علی قیام رمضان و یرغب فیه، وکان الناس فی زمنه یقومون فی المسجد جماعات متفرقة ووحدانا، وهو صلی الله علیه وآله وسلم صلی بأصحابه فی رمضان غیر لیلة ثم امتنع من ذلک معللا بأنه خشی أن یکتب علیهم فیعجزوا عن القیام به و هذا قد أمن بعده صلی الله علیه وآله وسلم. وروی عنه صلی الله علیه وآله وسلم أنه کان یقوم بأصحابه لیالی الإفراد فی العشر الأواخر. ومنها أنه صلی الله علیه وآله وسلم أمر باتباع سنة خلفائه الراشدین، و هذا قد صار من سنة خلفائه الراشدین، فإن

(١) ١۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ١:١١۴، رقم: ٢۵٠
٢۔ بیہقی، شعب الایمان، ٣:١٧٧، رقم: ٣٢٦٩
٣۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح موطا مالك، ١:١٠۵، رقم: ٢۵٠
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ١:٢٦٦
۵۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی موطا الامام مالك، ١:٣۴٠

الناس اجتمعوا عليه فى زمن عمر و عثمان و على رضی اللہ عنہم . ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه[1]، و أقرّه علىٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروى عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة[2]، ولعله أراد ما أراد أبوه فى قيام شهر رمضان. ومن ذلك جمع الصحف فى كتاب واحد توقف فيه زيد بن ثابت وقال لأبى بكر و عمررضى الله عنهما : كيف تفعلان مالم يفعله النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟[3] ثم علم أنه مصلحة فوافق على جمعه، وقد كان النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يأمر بكتابة الوحى، ولا فرق بين أن يكتب مفرقا أو مجموعا بل جمعه صار أصلح. وكذلك جمع عثمان الأمة على مصحف و إعلامه لما خالفه خشية تفرّق الأمة، وقد استحسنه علىّ و أكثر الصحابة رضی اللہ عنہم و كان ذلك عين

---

(۱) ۱۔ بخارى، الصحيح، كتاب الجمعه، باب الجلوس على المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق،عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ وادياشى، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوكانى، نيل الاوطار، ۳:۳۲۳

(۲) ۱۔ ابن ابى شيبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷

(۳) ۱۔ بخارى، الصحيح، ۴: ۱۷۲۰، كتاب التفسير، باب قوله لقد جاء كم رسول، رقم: ۴۴۰۲
۲۔ ترمذى، الجامع الصحيح، ۵: ۲۸۳، كتاب التفسير، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳
۳۔ نسائى، السنن الكبرىٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم:۷۶
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶
۶۔ طبرانى، المعجم الكبير، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱
۷۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

المصلحة. و كذلک قال من منع الزكاة توقف فيه عمر و غيره حتى بينه له أبوبكر أصله الذى يرجع إليه من الشريعة فوافقه الناس على ذلک.(۱)

''بدعتِ حسنہ کے اثبات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے لیے تمام لوگوں کومسجد میں ایک امام کی اقتداء میں جمع کیا اور پھر جب انہیں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ ''**نعمت البدعة هذه**'' یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے کچھ اس طرح بھی مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة**'' اگر یہ بدعت ہے تو پھر یہ اچھی بدعت ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگرچہ یہ اس طرح نہ بھی ہو، تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ اچھی بدعت ہے اور اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ عمل اس سے پہلے اس صورت میں نہیں تھا۔ لیکن اس کی اصل شریعت میں موجود تھی جو کہ اس فعل کی طرف لوٹتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آقا علیہ السلام قیامِ رمضان پر اُبھارتے اور اس کی ترغیب دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی لوگ متفرق صورت میں قیام کیا کرتے تھے اور اکیلے اکیلے بھی قیام کیا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ ایک رات سے زیادہ راتوں میں رمضان میں نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی علت کے باعث اس سے منع فرمادیا اور وہ اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوف ہونے لگا کہ کہیں یہ ان پر فرض نہ کردی جائے اور وہ لوگ اس قیام سے عاجز آجائیں گے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق بھی کردی، اور آقا علیہ السلام سے روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری عشرہ

---

(۱) ابن رجب حنبلی،جامع العلوم و الحكم فى شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم: ۲۵۲

کی طاق راتوں میں اپنے بعض صحابہ کرام کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ کام (یعنی قیام رمضان تراویح کی صورت) خلفاء راشدین کی سنت میں سے ہوگیا۔ اور اسی طرح لوگ حضرت عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہی اس چیز پر مجتمع ہوگئے تھے اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کا اِضافہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کردیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی۔ اور اسی میں سے مصحف کو ایک کتاب میں جمع کرنا ہے۔ اس پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے توقف کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ اس کام کو کیسے کر رہے ہیں جسے خود آقا علیہ السلام نے نہیں کیا؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ اس میں مصلحت ہے۔ تو پھر آپ اس کو جمع کرنے پر راضی ہوگئے۔ اور حضور علیہ السلام نے وحی کو لکھنے کا حکم دیا تھا اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اسے متفرق یا مجموعہ کی صورت میں لکھا جائے۔ لیکن اس کو جمع کرنا زیادہ مبنی بر مصلحت ہے۔ اور اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُمتِ مسلمہ کو ایک مصحف پر جمع کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو پالیا جس کے لوگ مخالف تھے اور جو اُمت میں تفرقہ ڈالنے والی تھی اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے درست جانا ہے اور یہ مصلحت کے عین مطابق تھا۔ اور اسی طرح زکوٰۃ نہ دینے والوں کے بارے میں (حضرت ابوبکر کا) فیصلہ اس میں عمر اور دیگر صحابہ نے توقف اختیار کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس اصل کا بتا دیا جو کہ شریعت میں سے اس کی طرف لوٹتی ہے پھر اس پر لوگ آپ سے متفق ہوگئے۔‘‘

۱۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانیؒ (المتوفی ۷۹۶ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانیؒ تصور بدعت اور اس کی تقسیم بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری'' میں لکھتے ہیں:

البدعة كل شئ عمل على غير مثال سابق و هی خمسة أقسام واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة و حديث كل بدعة ضلالة[۱] من العام المخصوص....... لأن رسول الله ﷺ لم يسنها ولا كانت فی زمن أبی بكر ورغب فيها بقوله نعم ليدل على فضلها ولئلا يمنع هذا اللقب من فعلها و يقال نعم كلمة تجمع المحاسن كلها و بئس كلمة تجمع المساوىء كلها و قيام رمضان فی حق التسمية سنة غير بدعة لقوله عليه الصلاة والسلام (اقتدوا باللذين من بعدی أبی بكر و عمر رضی الله عنهما)[۲]

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/۳۷، رقم: ۹۷

۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/۷۹، رقم: ۴۴۵۱

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵/۳۸۲، رقم: ۲۳۲۹۳

قوله (ينامون عنها) أى فارغين عنها أى الصلاة أول الليل أفضل من الصلاة فى آخر الليل و بعضهم عكسوا و بعضهم فصلوا بين من يستوثق بالانتباه من النوم و غيره. فان قلت هذه الصلاة ليست بدعة لما ثبت من فعله ﷺ لها. قلت لم يثبت كونها أول الليل أو كل ليلة أو بهذه الصفة.[1]

''ہر وہ چیز جس پر مثال سابق کے بغیر عمل کیا جائے وہ ''بدعت'' کہلاتی ہے اور اس کی پانچ اقسام بدعت واجبہ، بدعت مندوبۃ، بدعت محرمہ، بدعت مکروھہ اور بدعت مباحہ ہیں اور ''**كل بدعة ضلالة**'' والی حدیث عام مخصوص کے قاعدے کے تحت ہے ...... کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس چیز کو مسنون نہیں کیا اور نہ ہی یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا اسی وجہ سے اس کو ''بدعت'' کا نام دیا گیا ہے اور لفظ ''نعم'' کے ذریعے ایسے (احسن) اُمور کی ترغیب دی گئی تاکہ یہ لفظ ان امور کی فضیلت پر دلالت کرے تاکہ محض لفظ بدعت کی وجہ سے ایسے احسن امور کے کرنے سے منع نہ کیا جائے اور جب کسی امر کے ساتھ کلمہ ''**نعم**''لگا دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ امر تمام محاسن کا جامع ہے اور اگر لفظ ''بئس'' لگا دیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ امر تمام برائیوں کا جامع ہے۔'' اور قیام رمضان حقیقت میں سنت کا ہی نام ہے نہ کہ بدعت کا جس طرح آقا علیہ السلام نے اپنے ایک قول میں ارشاد فرمایا ''**اقتدوا بالذين من بعدى أبى بكر و عمر**'' میرے بعد میں آنے والے یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول ''**ينا مون عنها**'' کا

---

(۱) **الكرمانى، الكواكب الدرارى فى شرح صحيح البخارى، ۹:۵-۱۵۴**

مطلب یہ ہے کہ وہ اس نماز سے محروم رہتے ہیں یعنی وہ اس نماز سے خالی ہیں یعنی اول وقت میں نماز پڑھنا اخر وقت میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے اور بعض نے اس کے برعکس کہا اور بعض نے فرق کیا ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ نماز بدعت نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے حضور ﷺ کا فعل ثابت ہے تو میں کہتا ہوں کہ اول رات میں ہر رات میں یا اس صفت کے ساتھ اس کام کا ہونا ثابت نہیں ہے۔''

۱۷۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی المالکیؒ (المتوفی ۸۲۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکیؒ صحیح مسلم کی شرح ''اکمال اکمال المعلم'' میں حدیث شریف ''من سن فی الاسلام سنة حسنة'' کی شرح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

التعبير بلفظ السنة فى الشر مجاز من مجاز المقابلة كقوله تعالى و مكروا و مكر الله والله خير الماكرين[1] و يدخل فى السنة الحسنة البدع المستحسنة كقيام رمضان والتحضير فى المنار أثر فراغ الأذان و عند أبواب الجامع و عند دخول الإمام وكالتصبيح عند طلوع الفجر كل ذلك من الإعانة على العبادة التى يشهد الشرع باعتبارها وقد كان عليٌّ و عمر رضی اللہ عنہما **يوقظان الناس لصلاة الصبح بعد طلوع الفجر واتفق أن إمام الجامع الأعظم بتونس وأظنه البرجينى حين أتى ليدخل الجامع سألته إمرأة أن يدعو لابنها الأسير و كان المؤذنون حينئذ يحضرون فى المنار فقال لها ما أصاب**

(۱) القرآن، آل عمران، ۳:۵۴

الناس فى هذا يعنى التحضير أشد من أمر ابنک فکان الشيخ ينكر ذلک عليه و يقول ليس انكاره بصحيح بل التحضير من البدع المستحسنة التى شهد الشرع باعتبارها و مصلحتها ظاهرة قال وهو اجماع من الشيوخ اذ لم ينكروه كقيام رمضان والاجماع على التلاوة ولاشک أنه لا وجه لإنكاره اِلَّا كونه بدعة ولكنها مستحسنة و يشهد لاعتبارها الأذان والإقامة فإن الأذان للأعلام بدخول الوقت والإقامة بحضور الصلاة و كذلک التحضير هو اعلام بقرب حضور الصلاة (قوله ومن سن فى الإسلام سنة سيئه)[1] (قلت) هذه لا يشترط فيها أن ينوى الاقتداء به بدليل حديث ابن آدم القاتل لأخيه ان عليه كفلا من كل نفس قتلت لأنه أول من سن القتل.(٢)

''لفظ سنت کی تعبیر کچھ اس طرح ہے کہ سنت کا لفظ جو ''شرٌّ'' کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہ مجازی طور پر استعمال ہوا ہے جو کہ مجاز کے مقابلہ میں ہے

(١) ١۔ مسلم، الصحيح، ٢: ٧٠٥، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ١٠١٧

٢۔ نسائى، السنن، ٥: ٥٥، ٥٦، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ٢٥٥٤

٣۔ ابن ماجه، السنن، ١ : ٧٤، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ٢٠٣

٤۔ احمد بن حنبل، المسند، ٤: ٣٥٧۔٣٥٩

٥۔ ابن حبان، الصحيح، ٨: ١٠١، ١٠٢، رقم: ٣٣٠٨

(٢) وشتانى، إكمال إكمال المعلم، ٧: ١٠٩

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ومکروا و مکر اللہ واللہ خیر الما کرین'' (آل عمران، ۳:۵۴) اور اسی طرح بدعت حسنہ سنت مستحسنہ میں داخل ہے جیسے رمضان المبارک میں قیام کرنا اَذان کے لئے منار اور مساجد کے دروازوں پر جانا اور اِمام کے آنے پر کھڑا ہونا اور اسی طرح صبح کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرنا یہ اور اس جیسے دوسرے اُمور عبادت پر مددگار ہیں اور شرع ان کی تائید کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ طلوع فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتے تھے اور اس امر پر اتفاق ہے کہ تیونس کے عظیم امام (شارع کہتا ہے کہ) میرے گمان میں وہ شیخ البرجینی تھے جب وہ جامع مسجد کی طرف آئے تو ایک عورت نے ان سے استدعا کی کہ وہ اس کے قیدی بیٹے کے لئے دعا کریں اس زمانے میں مؤذن مینار میں حاضر ہوکر اذان دیتے تھے تو انہوں نے کہا کہ اس مسئلہ میں لوگ کتنا عجیب معاملہ کرتے ہیں یعنی مینار پر حاضر ہونا تیرے بیٹے کے معاملے سے بھی زیادہ عجیب تر ہے شیخ نے اس چیز کا انکار کر دیا انہوں نے کہا کہ اُن کا انکار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ تحضیر بدعت مستحسنۃ میں سے ہے شرع نے اس کے اعتبار اور ظاہری مصلحت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے مزید کہا کہ جب انہیں انکار نہیں ہے تو پھر اس پر شیوخ کا اجماع ہے جیسے قیام رمضان اور تلاوت کے لئے مجتمع ہونا اور بلاشبہ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ یہ بدعت ہے لیکن یہ بدعت مستحسنۃ ہے اور اذان و اقامت کا اعتبار اس کے بدعت حسنہ ہونے کی گواہی ہے کیونکہ اذان دخولِ وقت کا اِعلان ہے اور اِقامت نماز میں حاضر ہونے کا اعلان ہے۔ اسی طرح تحضیر نماز کے قریب آنے کا اعلان ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''ومن سن فی

الاسلام سنة سیئة'' میں ''بدعت سیئہ'' کی اِقتدا شرط نہیں ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کا اپنے بھائی کو قتل کرنا تو اس قاتل پر ہر اس قتل کا بوجھ بھی ہوگا جو بعد میں ہو گا کیونکہ یہ وہ شخص ہے جس نے قتل کا آغاز کیا۔''

۱۸۔ اِمام ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی، ۸۵۲ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی مشہور و معروف تصنیف ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں بدعت کی تعریف اور تقسیم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

والبدعة أصلها ما أحدث علی غير مثال سابق، و تطلق فی الشرع فی مقابل السنة فتكون مذمومة، والتحقيق أنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی حسنة، و إن كانت مما تندرج مستقبح فی الشرع فهی مستقبحة، و إلَّا فهی من قسم المباح وقد تنقسم إلی الأحكام الخمسة۔(۱)

''بدعت سے مراد ایسے نئے اُمور کا پیدا کیا جانا ہے جن کی مثال سابقہ دور میں نہ ملے اور ان اُمور کا اطلاق شریعت میں سنت کے خلاف ہو پس یہ ناپسندیدہ عمل ہے، اور بالتحقیق اگر وہ بدعت شریعت میں مستحسن ہو تو وہ **بدعت حسنہ** ہے اور اگر وہ بدعت شریعت میں ناپسندیدہ ہو تو وہ **بدعت مستقبحہ** یعنی بری بدعت کہلائے گی اور اگر ایسی نہ ہو تو اس کا شمار **بدعت مباحہ** میں ہو گا۔ **بدعت** کو شریعت میں پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے (واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ)۔''

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۴: ۲۵۳

۱۹۔ اِمام ابو محمد بدر الدین محمود العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ)

اِمام بدر الدین عینیؒ بدعت کی تعریف اور اس کی تقسیم بیان کرتے ہوئے "عمدة القاری شرح صحیح البخاری" میں رقمطراز ہیں:

البدعة فی الأصل إحداث أمر لم یکن فی زمن رسول الله ﷺ. ثم البدعة علی نوعین اِن کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی بدعة حسنة و اِن کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی بدعة مستقبحة. (۱)

"بدعت اصل میں اُس نئے کام کو بجا لانا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا ہو پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر یہ بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو یہ "بدعتِ حسنہ" ہے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آجائے تو یہ "بدعتِ مستقبحة" ہے۔"

۲۰۔ اِمام محمد بن عبدالرحمٰن شمس الدین محمود السخاویؒ (۹۰۲ھ)

علامہ شمس الدین سخاویؒ اذان کے بعد صلوۃ وسلام پڑھنے کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب "القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع" کے صفحہ ۱۹۳ پر رقمطراز ہیں:

وقد اختلف فی ذٰلک هل هو مستحب أو مکروه أو بدعة أو مشروع واستدل للأول بقوله تعالٰی و افعلوا الخیر(۲)، و معلوم ان الصلٰوة و السلام من أجل القرب لا سیما وقد تواردت الاخبار علی الحث علی ذلک مع ماجاء فی فصل الدعا عقب

---

(۱) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱: ۱۲۶

(۲) القرآن، الحج، ۲۲:۷۷

الأذان والثلث الاخير من الليل و قرب الفجر والصواب انه بدعة حسنة يؤجر فاعله بحسن نية.(۱)

''اَذان کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے مستحب، مکروہ، بدعت یا جائز ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کے اِستحباب پر اللہ تعالیٰ کے اس قول **وافعلوا الخير** سے استدلال کیا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ صلوٰۃ و سلام (حضور اکرم ﷺ کے) قُرب کے قصد سے پڑھا جاتا ہے خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب میں کثیر احادیث وارد ہیں، علاوہ ازیں اذان کے بعد دعا میں فصل کرنے اور تہائی رات کے اَخیر میں دعا کرنے کی فضیلت میں بھی اَحادیث وارد ہوئی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کے فاعل کو حسن نیت کی وجہ سے اَجر ملے گا۔''

۲۱۔ اِمام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر السیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ)

امام جلال الدین سیوطیؒ اپنے فتاویٰ ''الحاوی للفتاوی'' میں علامہ نوویؒ کے حوالے سے بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن البدعة لم تنحصر في الحرام و المكروه، بل قد تكون أيضاً مباحة و مندوبة و واجبة. قال النوويؒ في تهذيب الأسماء واللُّغات، البدعة في الشرع هي إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله ﷺ وهي منقسمة إلى حسنة و قبيحة، وقال الشيخ عز الدين بن عبدالسلامؒ في القواعد: البدعة منقسمة إلى واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة قال: والطريق فى ذلك أن نعرض البدعة على قواعد الشريعة فإذا دخلت فى قواعد

---

(۱) ۱۔ سخاوی، القول البديع فی الصلاة علی الحبيب الشفيع: ۱۹۳
۲۔ سخاوی، فتح المغيث شرح الفية الحديث، ۲:۳۲۷

الإيجاب فهى واجبة أوفى قواعد التحريم فهى محرمة أو الندب فمندوبة أو المكروه فمكروهة أو المباح فمباحة، وذكر لكل قسم من هذه الخمسة أمثلة إلى أن قال: و للبدع المندوبة أمثلة، منها أحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد فى العصر الأول، ومنها التراويح والكلام فى دقائق التصوف وفى الجدل، ومنها جمع المحافل للإستدلال فى المسائل إن قصد بذلك وجه الله تعالى. (۱)

''بدعت حرام اور مکروہ تک ہی محصور نہیں ہے بلکہ اسی طرح یہ مباح، مندوب اور واجب بھی ہوتی ہے جیسے کہ امام نووی اپنی کتاب **"تهذيب الاسماء و اللغات"** میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو اور یہ بدعت، بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم ہوتی ہے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام اپنی کتاب **قواعدالاحکام فی مصالح الانام** میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بدعت کی تقسیم واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم بدعت کو شریعت کے قواعد پر پیش کریں اگر وہ بدعت قواعدِ ایجاب کے تحت داخل ہو تو واجب ہے اور اگر قواعد تحریم کے تحت داخل ہو تو حرام ہے اور اگر قواعدِ اِستحباب کے تحت داخل ہو تو مستحب ہے اور اگر کراہت کے قاعدہ کے تحت داخل ہو تو مکروہ اور اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے اور انہوں نے ان پانچ اقسام کی مثالیں بیان کی ہیں جیسے کہ بدعت مندوبہ کی مثال سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا

(۱) ۱۔ سیوطی، الحاوی للفتاویٰ، ۱: ۱۹۲
۲۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱:۶
۳۔ سیوطی، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، ۲:۴۴۵

اور ہر وہ اچھا کام جو پہلے زمانے میں نہیں ہوا جیسے کہ نماز تراویح اور علم التصوف کے متعلق گہری معلومات اور مجادلہ سے متعلق معلومات وغیرہ اور اسی میں سے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے مسائل میں استدلال کے لئے محافل کا انعقاد کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔‘‘

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول ’’نعمت البدعة هذه‘‘ کے ذیل میں نماز تراویح کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

عن عمر أنه قال فى التراويح: نعمت البدعة هذه(۱) والتى ينامون عنها أفضل فسماها بدعة- يعنى بدعة حسنة- و ذلک صريح فى أنهالم تكن فى عهد رسول الله ﷺ، و قد نص على ذلک الإمام الشافعى و صرح به جماعات من الأئمة منهم الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قسم البدعة إلى خمسة أقسام و قال: ومثال المندوبة صلاة التراويح و نقله عنه النووى فى تهذيب الأسماء و اللغات، ثم قال و روى البيهقى بإسناده فى مناقب الشافعى عن الشافعى قال: المحدثات فى الأمور ضربان، أحدهما ما أحدث مما خالف كتابا أو سنة أو أثرا أو اجماعا فهذه البدعة الضلالة. والثانى ما أحدث من الخير و هذه محدثة غير مذمومة و قد قال عمر فى قيام شهر رمضان: نعمت البدعة هذه- يعنى أنها محدثة لم تكن-(۲)

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فى قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بيهقى، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ ابن رجب حنبلى، جامع العلوم والحكم، ۱/۲۶۶

۴۔ زرقانى، شرح الزرقانى على مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰

(۲) سيوطى، الحاوى للفتاوى، ۱/۳۴۸

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بارے میں فرمایا یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں یہ حصہ اس سے بہتر ہے آپ نے اسی وجہ سے اسے بدعت یعنی بدعت حسنہ کا نام دیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ چیز آقا علیہ السلام کے زمانے میں نہیں تھی اور اس پر امام شافعیؒ نے نص پیش کی ہے اور پھر ائمہ کی جماعتوں نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ ان میں سے ایک شیخ عزالدین بن عبد السلام ہیں جنہوں نے بدعت کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے اور انہوں نے مندوب کی مثال نمازِ تراویح سے بیان کی ہے اور ان سے امام نوویؒ نے اپنی کتاب ’’تهذيب الاسماء و اللغات‘‘ میں نقل کیا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا ہے۔ امام شافعی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا محدثات الامور کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک احداث ایسا ہے جو کہ کتاب، سنت، اثر صحابہ (یعنی قول صحابہ) اور اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسرا احداث جو کہ خیر میں سے ہے اور یہ احداث غیر مذموم ہے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماہ رمضان میں قیام (یعنی نماز تراویح) کے بارے میں کہا ’’نعمتِ البدعَةُ هَذِهِ‘‘ یہ کتنی اچھی بدعت ہے، یعنی یہ ایسا محدثہ ہے جو پہلے نہیں تھا۔‘‘

۲۲۔ اِمام ابوالعباس أحمد بن محمد شہاب الدین القسطلانیؒ (۹۱۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان ’’نعم البدعة هذه‘‘ کے ضمن میں بدعت کی تعریف اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نعم البدعة هذه(۱) سماها بدعة لأنه ﷺ لم يسن لهم الاجتماع

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۲: ۷۰۷، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

لها ولا كانت فی زمن الصديق ولا أول الليل ولا كل ليلة ولا هذا العدد. و هی خمسة واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة و حديث ”كل بدعة ضلالة“(۱) من العام المخصوص و قد رغب فيها عمر بقوله نعم البدعة و هی كلمة تجمع المحاسن كلها كما أن بئس تجمع المساوی كلها و قيام رمضان ليس بدعة لأنه ﷺ قال اقتدوا باللذين من بعدی ابی بكر و عمر(۲) (رضی الله عنهما) و إذا أجمع الصحابة مع عمر رضی اللہ عنہ علی ذلک زال عنه اسم البدعة.(۳)

”نعم البدعة هذه“ کے تحت نمازِ تراویح کو بدعت کا نام دیا گیا کیونکہ آقا علیہ السلام نے تراویح کے لئے اجتماع کو مسنون قرار نہیں دیا اور نہ ہی اس طریقے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (پابندی کے ساتھ) رات کے اِبتدائی حصے میں تھی اور نہ ہی مستقلاً ہر رات پڑھی جاتی تھی اور نہ ہی (تراویح

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/۳۷، رقم: ۹۷

۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/۷۹، رقم: ۴۴۵۱

(۳) قسطلانی، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ۳: ۴۲۶

کی رکعات کا) یہ عدد متعین تھا اور بدعت کی درج ذیل پانچ اقسام واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروھہ، اور مُبَاحہ ہیں اور جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ''کل بدعة ضلالہ'' یعنی ہر بدعت گمراہی ہے یہ حکم عام ہے مگر اس سے مراد مخصوص قسم کی بدعات ہیں اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے قول ''نعم البدعة هذه'' سے اس (بدعت حسنہ) کی ترغیب دی ہے اور یہ کلمہ (یعنی لفظ نعم) اپنے اندر تمام محاسن سموئے ہوئے ہے جس طرح کہ لفظ بئس اپنے اندر تمام برائیاں سموئے ہوئے ہے۔ رمضان المبارک میں (نماز تراویح) کا قیام بدعت (یعنی بدعت سیئہ) نہیں ہے کیونکہ آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیام رمضان پر اتفاق کیا تو اس طرح قیام رمضان سے بدعت کا اطلاق ختم ہو گیا۔''

۲۳۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن یوسف صالحی الشامیؒ (۹۴۲ھ)

امام محمد بن یوسف صالحی شامیؒ اپنی معروف کتاب ''سبل الهدى والرشاد'' میں علامہ تاج الدین فاکہانی کے اس مؤقف ''أن الابتداع فى الدين ليس مباحًا'' کا محاکمہ کرتے ہیں اور اس ضمن میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أن البدعة لم تنحصر في الحرام والمكروه، بل قد تكون أيضاً مباحة و مندوبة و واجبة. قال النوويؒ في تهذيب الأسماء واللُّغات: البدعة في الشرع: هي ما لم يكن في عهد رسول الله ﷺ وهي منقسمة إلى حسنة و قبيحة. وقال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام رحمة الله تعالى في القواعد: البدعة منقسمة إلى واجبة و إلى محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة.(۱)

(۱) صالحی، سبل الهدى والرشاد، ۱:۳۷۰

’’بدعت کا انحصار صرف حرام اور مکروہ پر نہیں ہے بلکہ بدعت اسی طرح مباح مندوب اور واجب بھی ہوتی ہے۔ امام نوویؒ اپنی کتاب ’’تھذیب الأسماء واللُّغات‘‘ میں فرماتے ہیں شریعت میں بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو عہد رسالت مآب ﷺ میں نہ ہوا ہو اور یہ بدعتِ حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کی جاتی ہے شیخ عزالدین بن عبدالسلام اپنی کتاب قواعد الاحکام میں فرماتے ہیں بدعت واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح میں تقسیم ہوتی ہے۔‘‘

۲۴۔ اِمام عبد الوھاب بن احمد علی الشعرانیؒ (۹۷۳ھ)

اِمام عبد الوھاب بن احمد علی الشعرانیؒ اپنی کتاب ’’الیواقیت و الجواھر فی بیان عقائد الأکابر‘‘ میں ایک اِستفتاء کے جواب میں بدعتِ حسنہ کے شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(فإن قلت): فهل يلحق بالسنة الصحيحة في وجوب الإذعان لها ما ابتدعه المسلمون من البدع الحسنة؟ (فالجواب): كما قاله الشيخ في الباب الثاني و الستين و مائتين: إنه يندب الإذعان لها ولا يجب كما أشار إليه قوله تعالى: وَرَهْبَانِيَّةً أبْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِم(١) وكما أشار إليها قوله ﷺ: (من سن سنة حسنة،(٢)

(١) القرآن، الحديد، ۲۷:۵۷

(٢) ١۔ مسلم، الصحيح، ٢: ٧٠٥، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ١٠١٧

٢۔ نسائى، السنن، ٥: ٥٥، ٥٦، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ٢٥٥٤

٣۔ ابن ماجه، السنن، ١: ٧٤، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ٢٠٣

٤۔ احمد بن حنبل، المسند، ٤: ٣٥٧۔٣٥٩ ←

فقد أجاز لنا ابتداع کل ما کان حسناً وجعل فيه الأجر لمن ابتدعه ولمن عمل به مالم يشق ذلک علی الناس). (۱)

''اگر تو اعتراض کرے کہ بدعت حسنہ میں سے جو نئی چیز مسلمانوں نے اختیار کی ہے کیا وہ وجوب اِقرار میں سنت صحیحہ کے ساتھ (درجہ میں) مل جاتی ہے؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس نئی چیز یعنی بدعت حسنہ کا اقرار کرنا مندوب ہے نہ کہ واجب جیسا کہ اس چیز کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے ''**ورهبانية ابتدعوها ما کتبنٰها عليهم**'' (الحدید، ۵۷:۲۷) ''انہوں نے اس رہبانیت کو از خود شروع کر لیا تھا یہ ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی'' اور جیسا کہ اسی چیز کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اشارہ کرتا ہے (**من سن سنة حسنة**) ''جس نے کوئی اچھا طریقہ شروع کیا اور ہر وہ چیز جو اچھی ہو اسے شروع کرنا ہمارے لیے جائز ہے اور اس میں شروع کرنے والے کے لئے اور اس پر عمل کرنے والے کے لئے اجر رکھ دیا گیا ہے جب تک اس اچھی چیز پر عمل کرنا لوگوں کو مشقت میں نہ ڈالے۔''

۲۵۔ اِمام احمد شہاب الدین ابن الحجر المکی الہیتمیؒ (۹۷۴ھ)

علامہ ملا علی قاریؒ کے اُستاد اِمام ابن حجر مکیؒ ''**الفتاویٰ الحدیثیه**'' میں ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

و قول السائل نفع الله به وهل الاجتماع للبدع المباحة جائز جوابه نعم هو جائز قال العزالدين بن عبدالسلام رحمه الله تعالی البدعة فعل مالم يعهد فی عهد النبی ﷺ و تنقسم إلی خمسه

.... ۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۴

(۱) شعرانی، الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الأکابر، ۲:۲۸۸

أحكام يعنى الوجوب والندب الخ وطريق معرفة ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشرع فأى حكم دخلت فيه فهى منه فمن البدع الواجبة تعلم النحو الذى يفهم به القرآن والسنة ومن البدع المحرمة مذهب نحو القدرية ومن البدع المندوبة احداث نحو المدارس والاجتماع لصلاة التراويح ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة ومن البدع المكروهة زخرفة المساجد والمصاحف أى بغير الذهب والا فهى محرمة وفى الحديث ''كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار''(١) وهو محمول على المحرمة لا غير.(٢)

''اور سائل کا یہ قول (اللہ تعالیٰ اس سائل کو نفع دے) کہ کیا بدعت مباحہ کے لئے اجتماع جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ایسا کرنا جائز ہے، شیخ عز الدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں: بدعت ایسا فعل ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھا اور بدعت کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی واجب اور ندب ...... الخ، اور اس کی پہچان کا طریقہ کار یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شرعیہ پر پرکھا جائے گا پس جس حکم میں وہ بدعت داخل ہوگی تو وہ حکم اس پر لاگو ہوگا

(١) ١۔ ابوداؤد، السنن، ٤:٢٠٠، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، رقم: ٤٦٠٧

٢۔ ترمذى، الجامع الصحيح، ٥:٤٤، كتاب العلم، باب ما جاء فى الأخذ بالسنة، رقم: ٢٦٧٦

٣۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ١:١٥، رقم: ٤٢

٤۔ احمد بن حنبل، المسند، ٤:١٢٦

٥۔ ابن حبان، الصحيح، ١:١٧٨، رقم: ٥

(٢) ابن حجر مكى، الفتاوىٰ الحديثية: ١٣٠

الغرض بدعت واجبہ میں سے نحو کا علم سیکھنا ہے جس سے قرآن اور سنت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور بدعت محرمہ میں سے نئے مذہب کا اِیجاد کرنا جیسے قدریہ، اور بدعت مندوبہ میں سے قیام مدارس اور نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنا، اور بدعت مباحہ میں نماز کے بعد مصافحہ کرنا، اور بدعت مکروہہ میں سے مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا یعنی سونا استعمال کئے بغیر بصورت دیگر یہ بدعت محرمہ ہوگی اور حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ''كل بدعة ضلالة'' اور ''كل ضلالة فى النار'' اس سے مراد بدعت محرمہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں ہے۔''

۲۶۔ شیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیبؒ (۹۷۷ھ)

دسویں صدی ہجری کے معروف شافعی عالم دین الشیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیبؒ اپنی کتاب ''مغنى المحتاج الى معرفة معانى ألفاظ المنهاج'' میں لفظ ''وَتُقْبَلُ شَهَادَة مُبْتَدِعٍ لاَ نُكَفِّرُه'' کے ذیل میں شیخ عزالدین بن عبد السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

البدعة منقسمة إلي واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة. قال و الطريق فى ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة، فان دخلت فى قواعد الإيجاب فهى واجبة كالاشتغال بعلم النحو أو فى قواعد التحريم فمحرمة كمذهب القدرية و المرجئة و المجسمة و الرافضة. قال والرد على هؤلاء من البدع الواجبة: أى لأن المبتدع من أحدث فى الشريعة مالم يكن فى عهده صلى الله عليه وسلم، أو فى قواعد المندوب فمندوبة كبناء الربط و المدارس و كل إحسان لم يحدث فى العصر الأول كصلاة التراويح، أو فى قواعد المكروه فمكروه كزخرفة المساجد و تزويق المصاحف، أو فى قواعد المباح فمباحة

كالمصافحة عقب الصبح و العصر و التوسع فى المآكل والملابس، و روى البيهقى بإسناده فى مناقب الشافعى رضى الله تعالى عنه: أنه قال: المحدثات ضربان: أحدهما ما خالف كتابا أو سنة أو إجماعا فهو بدعة و ضلالة: و الثانى ما أحدث من الخير فهو غير مذموم.(۱)

''بدعت کی تقسیم واجبہ، محرمہ، مندوبہ، مکروھۃ اور محرمہ میں ہوتی ہے اور انہوں نے کہا اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو قواعدِ شریعت کے مطابق پرکھا جائے گا۔ اگر وہ وجوب کے قواعد میں داخل ہوئی تو وہ بدعت واجبہ ہو گی جیسے علم النحو کے حصول میں مشغول ہونا یا وہ بدعت قواعد تحریم میں داخل ہو گی تو پھر وہ بدعت محرمہ ہو گی جیسے مذہب قدریہ، مرجئہ، مجسمہ اور رافضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان تمام (باطل مذاہب) کا رد کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ مبتدع (بدعتی) نے شریعت میں ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھی یا پھر وہ مستحب کے قواعد میں داخل ہو گئی تو وہ بدعت مستحبہ ہو گی جیسے سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا اور ہر وہ اچھی چیز جو پہلے زمانے میں ایجاد نہ ہوئی ہو جیسے نماز تراویح وغیرہ۔ یا پھر وہ قواعد مکروہ میں داخل ہو گی تو وہ بدعت مکروہ ہو گی جیسے مسجدوں کی تزئین اور مصاحف پر نقش نگار کرنا یا وہ قواعد مباح میں داخل ہو گی تو وہ مباح کہلائے گی جیسے (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے اور پینے میں وسعت (اختیار) کرنا اور اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ محدثات کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ جو کتاب و سنت یا اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسری وہ جو خیر میں سے ایجاد کی گئی ہو پس وہی بدعت غیر مذموم ہے۔''

(۱) شربينى، مغنى المحتاج الى معرفة معانى ألفاظ المنهاج، ۴:۴۳۶

۲۷۔ اِمام ملا علی بن سلطان محمد القاریؒ (۱۰۱۴ھ)

اِمام ملا علی قاریؒ اپنی کتاب مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح میں بدعت کی اَقسام اور ان کی تفصیلات کے باب میں فرماتے ہیں:

قال الشيخ عزالدين بن عبدالسلام فى آخر كتاب القواعد البدعة أما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله و رسوله و كتدوين أُصول الفقه و الكلام فى الجرح و التعديل، وأما محرمة كمذهب الجبرية والقدرية والمرجئة والمجسمة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة لأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية، و أما مندوبة كاحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد فى الصدر الأول و كالتراويح أى بالجماعة العامة و الكلام فى دقائق الصوفية. و أما مكروهة كزخرفة المساجد و تزويق المصاحف يعنى عند الشافعية و أما عند الحنفية فمباح، وأما مباحة كالمصافحة عقيب الصبح والعصر أى عند الشافعية ايضًا وإلا فعند الحنفية مكروه والتوسع فى لذائذ الماكل والمشارب والمساكن وتوسيع الاكمام۔(۱)

''شیخ عزالدین بن عبد السلام'' ''القواعد البدعة'' کے آخر میں فرماتے ہیں۔ بدعت واجبہ میں قرآن اور حضور ﷺ کے کلام کو سمجھنے کے لیے نحو کا سیکھنا، اصول فقہ کی تدوین کرنا اورعلم جرح و تعدیل کا حاصل کرنا ہے، جبکہ بدعت محرمہ میں نئے مذاہب کا وجود ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ اور مجسمہ اور ان تمام کا رد بدعت واجبہ سے کیا جائے گا کیونکہ اسی بدعت سے شریعت کی حفاظت کرنا فرض کفایہ ہے، جبکہ بدعت مندوبہ میں سرائے اور مدارس کا قیام

(۱) ا۔ ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ۱: ۲۱٦

اور ہر قسم کی نیکی کا فروغ جو اسلام کے ابتدائی دور میں نہ تھی جیسے باجماعت نماز تراویح اور تصوف کے پیچیدہ نکات و رموز پر گفتگو کرنا شامل ہیں۔ بدعت مکروھہ میں شوافع کے ہاں مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا ہے جبکہ احناف کے ہاں یہ مباح ہے، اور بدعت مباحہ میں شوافع کے ہاں فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور احناف کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور اسی طرح لذیذ کھانے، پینے اور گھروں اور آستینوں کو وسیع کرنا (بھی بدعت مباحہ) میں شامل ہے۔‘‘

کل بدعة ضلالة کی شرح

۱۔ اِمام ملا علی قاریؒ حدیث مبارکہ ’’کل بدعة ضلالة‘‘ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی کل بدعة سیئة ضلالة، لقوله علیه الصلوة والسلام ’’من سنّ فی الاسلام سنّة حسنة فله اجرها و أجر من عمل بها‘‘[۱] و جمع أبوبکر و عمر القرآن و کتبه زید فی المصحف و جدد فی عهد عثمان رضی اللہ عنہم۔(۲)

’’یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ’’جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس عمل کا اور اس پر عمل کرنے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

(۲) ۱۔ ملا علی قاری، مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ۱: ۲۱۶

والے کا اجر ملے گا۔‘‘ اور یہ کہ حضرت شیخین ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کیا اور حصرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کو صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمانی میں اس کی تجدید کی گئی۔‘‘

۲۔ اِمام ابن حجر مکیؒ (متوفی، ۹۷۶ھ) اِسی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و فی الحدیث کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار(۱) و هو محمول علی المحرمة لا غیر۔(۲)

’’اور جو حدیث میں ہے کہ ’’ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی‘‘ اس حدیث کو بدعت محرمہ پر محمول کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔‘‘

۲۸۔ الشیخ عبد الحمید الشروانیؒ (ھ)

علامہ شیخ عبد الحمید الشروانی اپنی کتاب ’’حواشی الشروانی‘‘ میں بدعت کا حکم اور اس کی تفصیلات نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴:۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱:۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۱: ۴۴۶، رقم: ۷۸۶

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

(۲) ابن حجر مکی، الفتاوی الحدیثیه: ۱۳۰

(قوله لا نكفره ببدعته) قال الزركشى و لا نفسقه بها (فائدة) قال ابن عبد السلام البدعة منقسمة إلى واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة قال والطريق فى ذلك أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة فان دخلت فى قواعد الإيجاب فهى واجبة كالاشتغال بعلم النحو أو فى قواعد التحريم فمحرمة كمذهب القدرية والمرجئة والمجسمة والرافضة قال والرد على هؤلاء من البدع الواجبة أى لان المبتدع من أحدث فى الشريعة ما لم يكن فى عهده صلى الله عليه وسلم أو فى قواعد المندوب فمندوبة كبناء الربط والمدارس و كل إحسان لم يحدث فى العصر الأول كصلاة التراويح أو فى قواعد المكروه فمكروهة كزخرفة المساجد و تزويق المصاحف أو فى قواعد المباح فمباحة كالمصافحة عقب الصبح و العصر والتوسع فى المأكل و الملابس وروى البيهقى بإسناده فى مناقب الشافعى أنه قال المحدثات ضربان أحدهما ما خالف كتابا أوسنة أو اجماعا فهو بدعة و ضلالة و الثانى ما أحدث من الخير فهو غير مذموم.(۱)

''شارح علامہ عبدالحمید الشروانی مبتدع کے بارے میں مؤلف کی عبارت ''لا نکفرہ ببدعہ'' اور امام زرکشی کے الفاظ ''ولا نفسقه بها'' کے حوالے سے بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا ہے کہ بدعت واجبہ، محرمہ، مندوبہ، مکروھۃ اور محرمہ کے تحت تقسیم ہوتی ہے اور انہوں نے کہا اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شریعت کے مطابق پرکھا جائے گا۔ اگر وہ وجوب کے قواعد میں داخل ہوئی تو وہ بدعت واجبہ ہو گی جیسے علم النحو کے حصول میں مشغول ہونا یا وہ بدعت قواعد تحریم میں داخل ہو گی تو پھر وہ بدعت محرمہ ہو گی جیسے مذہب قدریہ، مرجئہ، مجسمہ اور رافضہ (کو رواج دینا بدعت محرمہ) ہے۔ انہوں

(۱) شروانی، حواشی الشروانی، ۱۰:۲۳۵

نے کہا کہ ان تمام (باطل مذاہب) کا رد کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ مبتدع (بدعتی) نے شریعت میں ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھی یا پھر وہ مستحب کے قواعد میں داخل ہوگئی تو وہ بدعت مستحبہ ہوگی جیسے سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا اور ہر وہ اچھی چیز جو پہلے زمانے میں ایجاد نہیں ہوئی ہو جیسے نماز تراویح وغیرہ یا پھر وہ قواعد مکروہ میں داخل ہوگی تو وہ بدعت مکروہہ ہوگی جیسے مسجدوں کی تزئین اور مصاحف پر نقش نگار کرنا یا وہ قواعد مباح میں داخل ہوگی تو وہ چیز مباح کہلائے گی جیسے (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے میں وسعت (اختیار) کرنا اور اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ محدثات کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ جو کتاب و سنت یا اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسری وہ جو خیر میں سے ہو پس وہی پسندیدہ ہے۔''

۲۹۔ اِمام محمد عبدالرؤوف زین الدین المناوی الشافعیؒ (۱۰۳۱ھ)

امام محمد عبدالرؤوف المناوی اپنی کتاب ''فیض القدیر شرح الجامع الصغیر'' میں بدعت کی تقسیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة هنا اعتقاد مذهب القدرية أو الجبريه أو المرجئه أو المجسمة و نحوهم فإن البدعة خمسة أنواع وهي هذه واجبة و هي نصب أدلة المتكلمين للرد على هؤلاء و تعلم النحو الذي به يفهم الكتاب والسنة و نحو ذلک و مندوبة كإحداث نحو رباط و مدرسة وكل إحسان لم يعهد في الصدر الأول و مكروهة كزخرفة مسجد و تزويق مصحف و مباحة كالمصافحة عقب صبح و عصر و توسع في لذيذ مأكل و مشرب و ملبس و مسكن و لبس طيلسان و توسيع أكمام ذكره النووي في تهذيبه.(۱)

(۱) مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۱:۴۳۹

''بدعت سے مراد مذہب قدریہ، جبریہ، مرجئہ، مجسمہ اور دیگر مذاہب باطلہ کے عقائد ہیں۔ بے شک بدعت کی پانچ اقسام ہیں اور وہ یہ ہیں پہلی بدعت واجبہ ہے اور وہ یہ کہ ان تمام مذاہب کو رد کرنے کے لئے متکلمین کے دلائل پیش کرنا اور اسی طرح علم نحو کا سیکھنا تاکہ قرآن و سنت کو سمجھا جا سکے اور اس جیسے دیگر علوم کا حاصل کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے اور اسی طرح سرائے اور مدارس وغیرہ بنانا اور ہر اچھا کام جو کہ زمانہ اول میں نہ تھا اسے کرنا بدعت مستحبہ میں شامل ہے اور اسی طرح مسجد کی تزئین اور قرآن مجید کے اوراق کو منقش کرنا بدعت مکروھہ میں شامل ہے اور اسی طرح (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور لذیذ کھانے، پینے، پہننے، رہنے اور سبز چادر استعمال کرنے میں توسیع کرنا اور آستینوں کا کھلا رکھنا بدعت مباحہ میں سے ہے۔ اس کو امام نووی نے اپنی ''تھذیب'' میں بیان کیا ہے۔''

۳۰۔ اِمام علی بن برھان الدین حلبیؒ (۱۰۴۴ھ)

علامہ حلبیؒ قیامِ تعظیمی اور انعقادِ محفلِ میلاد کی بحث میں بدعتِ حسنہ اور بدعتِ مذمومہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و هذا القيام بدعة لا أصل لها أى لكن هى بدعة حسنة لانه ليس كل بدعة مذمومة و قد قال سيدنا عمر رضی اللہ عنہ فى اجتماع الناس لصلاة التراويح نعمت البدعة(١) و قد قال العز بن عبدالسلام ان البدعة تعتريها الاحكام الخمسة و ذكر من أمثلة كل ما يطول

(١) ١۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فى قيام رمضان، ١/١١٤، رقم: ٢٥٠
٢۔ بيهقى، شعب الايمان، ٣/١٧٧، رقم: ٣٢٦٩
٣۔ سيوطى، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ١/١٠٥، رقم: ٢٥٠
٤۔ ابن رجب حنبلى، جامع العلوم والحكم، ١/٢٦٦
٥۔ زرقانى، شرح الزرقانى على مؤطا الامام مالك، ١/٣٤٠

ذكره ولا ينافى ذلك قوله ﷺ إياكم و محدثات الأُمور فان كل بدعة ضلالة(١) و قوله ﷺ من أحدث فى أمرنا(٢) أى شرعنا ما ليس منه فهو رد عليه لأن هذا عام أريد به خاص فقد قال إمامنا الشافعى قدس الله سره ما أحدث و خالف كتابا أو سنة أو اجماعا أو أثرا فهو البدعة الضلالة وما أحدث من الخير ولم يخالف شيأ من ذلك فهو البدعة المحمودة و قد وجد القيام عند ذكر اسمه ﷺ من عالم الامة و مقتدى الائمة دينا و ورعا الامام تقى الدين السبكى و تابعه على ذلك مشايخ الاسلام فى عصره فقد حكى بعضهم ان الامام السبكى اجتمع عنده جمع كثير من علماء عصره فانشد منشد قول الصرصرى فى مدحه ﷺ !

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب
على ورق من خط أحسن من كتب

---

(١) ١ـ ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ١٨/١، رقم: ۴٦
٢ـ ابن حبان، الصحيح، ١٨٦/١، رقم: ١٠
٣ـ طبرانى، المعجم الكبير، ٩٦/٩، رقم: ٨٥١٨
۴ـ ابويعلى، المسند، ٨٥/۴، رقم: ٢١١١
٥ـ ديلمى، المسند الفردوس، ٣٨٠/١، رقم: ١٥٢٩

(٢) ١ـ مسلم، الصحيح، ٣: ١٣۴٣، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، رقم: ١٧١٨
٢ـ ابن ماجه، السنن،المقدمه الكتاب، ١: ٧، باب تعظيم حديث رسول الله، رقم: ١۴
٣ـ احمد بن حنبل، المسند:٦:٢٧٠، رقم: ٢٦٣٧٢
۴ـ ابن حبان، الصحيح، ١: ٢٠٧، رقم: ٢٦
٥ـ دار قطنى، السنن، ۴: ٢٢۴، رقم: ٧٨

و ان تنهض الاشراف عند سماعه
قياما صفوفا أو جثياء على الركب

فعند ذلک قام الامام السبکی رحمہ اللہ **و جميع من فی المجلس فحصل انس کبير بذلک المجلس و يکفی مثل ذلک فی الاقتداء و قد قال ابن حجر الهيثمی والحاصل أن البدعة الحسنة متفق علی ندبها و عمل المولد و اجتماع الناس له کذلک أی بدعة حسنة.**(۱)

’’یہ قیام بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ ہر بدعت مذموم نہیں ہوتی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے نماز تراویح کے لیے جمع ہونے کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ عز بن عبدالسلام بیان کرتے ہیں کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں اور پھر انہوں نے ہر ایک کی مختلف مثالیں بھی بیان کی ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث بنے گا۔ یہ چیز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ’’**ایاکم و محدثات الأمور فإن کل بدعة ضلالة**‘‘ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ’’**من أحدث في أمرنا (ای شرعنا) ماليس منه فهورد** ‘‘ کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ وہ عام ہے جس سے مراد خاص ہے۔ پس ہمارے امام شافعی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ جس نے کوئی احداث کیا اور کتاب، سنت اور اجماع یا اثر کی مخالفت کی تو اس کا یہ عمل ’’بدعت ضلالہ‘‘ قرار پائے گا اور جس نے کسی نیک کام کی پہل کی اور کتاب، سنت اور اجماع یا اثر کی مخالفت نہ کی تو اس کا یہ عمل ’’بدعت محمودہ‘‘ کے زمرے میں آئے گا۔ تحقیق آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے نام نامی کے ذکر جمیل کے وقت اس اُمت کے ایک جید عالم اور دین و ورع میں ائمہ کے امام امام تقی الدین سبکیؒ سے قیام ثابت ہے اور آپ کے زمانہ میں مشائخِ اسلام نے

(۱) حلبی، السيرة الحلبية، ۱: ۸۳

اس عمل میں آپ کی اتباع کی ہے۔ اور بعض نے یہ حکایت بھی بیان کی ہے کہ امام سبکیؒ کے ہاں آپ کے زمانہ کے علماء کا ایک جمع غفیر جمع تھا پس پڑھنے والے نے حضور نبی اکرم ﷺ کی مدح میں صرصری کے یہ اشعار پڑھے۔

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب
على ورق من خط أحسن من كتب
و ان تنهض الاشراف عند سماعه
قياما صفوفا أو جثياء على الركب

''حضور نبی اکرم ﷺ کی مدح میں ورق پر سونے کے خط کے ساتھ نہایت خوبصورت انداز میں لکھنا بھی کم ہے اور یہ بھی کم ہے کہ آپ ﷺ کے ذکر جمیل کے وقت سردار صفیں بنا کر کھڑے ہوجائیں یا گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں۔''

یہ سن کر امام سبکی علیہ الرحمۃ کھڑے ہوگئے اور وہ تمام لوگ بھی کھڑے ہوگئے جو اس مجلس میں موجود تھے۔ پس اس مجلس میں ایک اُنس و محبت کی فضا پیدا ہوگئی اور اس طرح کی مثال اقتداء و پیروی کے لئے کافی ہے اور ابن حجر ہیثمی بیان کرتے ہیں کہ بدعتِ حسنہ کے مندوب ہونے پر اتفاق ہے۔اور مولد منانے کا عمل اور لوگوں کا اس کے لئے اکٹھا ہونا بدعت حسنہ ہے''۔

۳۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''أشعة اللمعات'' میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

بعض بدعتها ست كه واجب است چنانچه تعلم و تعليم صرف و نحو كه بداں معرفت آيات و احاديث حاصل گردد و حفظ غرائب كتاب و سنت و ديگر چيز هائيكه حفظ دين وملت برآں موقوف بود، و بعض مستحسن و

مستحب مثل بنائے رباطہا و مدرسہا، وبعض مکروہ مانند نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض و بعض مباح مثل فراخی در طعامهائے لذیذه و لباسہائے فاخره بشرطیکه حلال باشند و باعث طغیان و تکبر و مفاخرت نشوند، و مباحات دیگر که در زمان آنحضرت ﷺ نبودند چنانکه بیری و غربال و مانند آن، و بعض حرام چنانکه مذاہب اہل بدع و اہو ابر خلاف سنت و جماعت و انچه خلفائے راشدین کرده باشند۔(۱)

’’بعض بدعتیں ایسی ہیں جو کہ واجب ہیں مثلاً علمِ صرف ونحو کا سیکھنا اور سکھانا کہ ان کے ذریعے آیات و احادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے، اسی طرح کتاب و سنت کے غرائب اور دوسری بہت سی چیزوں کو حفظ کرنا جن پر دین و ملت کی حفاظت موقوف ہے۔ اور کچھ بدعات مستحسن اور مستحب ہیں جیسے سرائے اور دینی مدرسے تعمیر کرنا، اور بعض بدعات بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہیں جیسے مساجد اورقرآن حکیم کی آرائش و زیبائش کرنا۔ بعض بدعات مباح ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور لباس فاخرہ کی فراوانی کا حسبِ ضرورت اِستعمال، لیکن شرط یہ ہے کہ حلال ہوں اور سرکشی، تکبر و رعونت اورفخر کا باعث نہ ہوں، اور دوسری ایسی مباحات جوکہ حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھیں جیسے کہ آٹے کو چھلنی سے چھاننا وغیرہ۔ بعض بدعات حرام ہیں ان میں اہل بدعت کے نفسانی خواہشات کی اتباع میں نئے مذاہب ہیں جو سنت مصطفٰی ﷺ، جماعت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقوں کے خلاف ہیں۔

(۱) عبدالحق محدث دہلوی، أشعة اللمعات، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ۱: ۱۲۵

۳۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفیؒ (۱۰۸۸ھ)

علامہ علاؤ الدین محمد الحصکفیؒ بھی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئۃ میں کرتے ہیں لہٰذا اذان کے بعد سلام پڑھنے کو بدعتِ حسنہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

التسليم بعد الأذان حدث فی ربيع الاخر سنة سبعمائة واحدی و ثمانين فی عشاء ليلة الإثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فی الكل الا المغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة.(۱)

’’اذان کے بعد سلام پڑھنے کی ابتداء سات سو اکیاسی ہجری (۷۸۱ھ) کے ربیع الآخر میں پیر کی شب عشاء کی اذان سے ہوئی، اس کے بعد جمعہ کے دن اذان کے بعد سلام پڑھا گیا اس کے دس سال بعد مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو مرتبہ سلام پڑھا جانے لگا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔‘‘

۳۳۔ اِمام ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکیؒ (۱۱۲۲ھ)

اِمام محمد عبدالباقی زرقانیؒ بہت بڑے محدث اور شارح گزرے ہیں وہ حدیث ’’نعمت البدعة هذه‘‘(۲) کے ذیل میں بدعت کا مفہوم اور اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سماها بدعة لانه ﷺ لم يسن الإجتماع لها، و هو لغة ما أحدث علی غير مثال سبق، و تطلق شرعاً علی مقابل السنة و هی مالم يكن فی عهده ﷺ ثم تنقسم إلی الأحكام الخمسة و حديث كل

(۱) حصکفی، در مختار علی هامش الرد، ۱ : ۳۶۲

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲۶۶

۴۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰

بدعة ضلالة[1] عام مخصوص وقد رغب فيها عمر. (۲)

”باجماعت نماز تراویح کو بدعت سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے لئے اجتماع سنت قرار نہیں دیا اور لغوی اعتبار سے بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا گیا ہو اور شرعی طور پر بدعتِ سیّئہ کو سنت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ عمل ہوتا ہے جسے عہدِ رسالت ﷺ میں نہ کیا گیا ہو پھر بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں اور حدیث ”کل بدعة ضلالة“ عام مخصوص ہے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس (نماز تراویح) کی ترغیب دی ہے۔“

۳۴۔ علامہ مرتضیٰ حسینی الزبیدی الحنفیؒ (۱۲۰۵ھ)

علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفیؒ معروف ماہر لغت ہیں وہ اپنی شہرہ آفاق لغت ”تاج العروس من جواهر القاموس“ میں بدعت کی تعریف اور تقسیم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و قال ابن السكيت: البدعَةُ: كُلُّ محدثةٍ و فی حديثِ قِيَامِ رَمَضَانَ نعمت البدعة هذِه[3] و قال ابن الأثير البدعة بدعتان:

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) زرقانی، شرح المؤطا، ۱: ۲۳۸

(۳) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱: ۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱: ۱۰۵، رقم: ۲۵۰

بدعة هدًى، و بدعة ضلال، فما كان فی خلاف ما أمر الله به فهو فی حيز الذّم والإنكار، وما كان واقعا تحت عموم ما ندب الله إليه و حضَّ عليه أو رسوله فهو فی حيز المدح، وما لم يكن له مثال موجود كنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف فهو من الأفعال المحمودة، ولا يجوز أن يكون ذلک فی خلاف ما ورد الشرع به؛ لأن النبی ﷺ قد جعل له فی ذٰلک ثوابا فقال من سنّ سُنة حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها وقال فی ضِدّه ومن سنّ سنة سيّئة كان عليه وزرُها ووِزرُ من عمل بها(۱) و ذٰلک إذا كان فی خلاف ما أمر الله به ورسوله ﷺ قال: ومن هٰذا النوع قول عمر رضی الله عنه: نِعمت البدعة هذه. لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة فی حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن النبی ﷺ لم يَسُنَّها لهم، و إنما صلّاها ليالی ثم تركها، ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس لها، ولا كانت فی زمن أبی بكر رضی الله عنه، وإنما عمر رضی الله عنه جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقيقة سنَّة، لقوله ﷺ (عليكم

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، كتاب الزكوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، كتاب الزكاة، باب التحريض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

۵۔ ابن ابی شيبه، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۶۔ بيہقی، السنن الكبریٰ، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۱

بسنّتی و سنّة الخلفاء الراشدين من بعدی)[۱] وقوله ﷺ (اقتدوا باللذين من بعدی أبی بکر و عمر)[۲] و علی هذا التأويل يحمل الحديث الآخر (کل محدثة بدعة) إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق السُّنَّة. (۳)

''ابن سِکّیت نے کہا ہے کہ بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں اور جیسا کہ حدیث قیام رمضان میں ''**نعمتِ البدعة هذه**'' ہے اور ابن اثیر نے کہا ہے بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت ھدی اور بدعت ضلال جو کام اللہ ﷻ کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو اور اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے جود و سخاء کی اقسام اور دوسرے نیک کام، پس وہ اچھے کاموں میں سے ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/۳۷، رقم: ۹۷

۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/۷۹، رقم: ۴۴۵۱

(۳) مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۱۱:۹

ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا جو برے کام کی ابتداء کرے گا اس کے بارے میں فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو۔ اور اِسی قسم (یعنی بدعتِ حسنہ) میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''**نعمت البدعة هذه**'' ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے (لغوی اعتبار سے) بدعت کہا جائے گا مگر ایسے کام کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (با جماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر محافظت نہ فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور بعد میں نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (با جماعت) پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور ﷺ کے اس قول ''**عليكم بسنّتی و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی**'' اور اس قول''**اقتدوا باللذين من بعدی أبی بكر و عمر**'' کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''**كل محدثة بدعة**''، کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

۳۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامیؒ اپنی کتاب **رد المحتار علی درالمختار** میں لفظ ''**صاحب بدعة**''، کا مفہوم و مراد واضح کرتے اور بدعت کی متعدد اقسام بیان

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قوله أى صاحب بدعة) أى محرمة وإلّا فقد تکون واجبة کنصب الأدلة للرد علی أهل الفرق الضالة و تعلم النحو المفهم للکتاب والسنة و مندوبة کإحداث نحو رباط و مدرسة و کل إحسان لم يکن فی الصدر الأول و مکروهة کزخرفة المساجد و مباحة کالتوسع بلذيذ المآکل والمشارب و الثياب کما فی شرح الجامع الصغير للمناوی عن تهذيب النووی و مثله فی الطريقة المحمدية للبرکلی.(۱)

’’(قوله أى صاحب بدعة) ان کے قول صاحب بدعت سے مراد بدعت محرمہ ہے اور اگر یہ مراد نہ ہوتو پھر بدعت واجبہ مراد ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رد میں دلائل قائم کرنا اورعلم النحو کا سیکھنا جو کہ کتاب وسنت کوسمجھانے کا باعث ہے اور اسی طرح بدعت مندوبہ ہوتی ہے جیسے سرحدی چوکیوں، مدارس کی تعمیر اور وہ اچھے کام جو پہلے زمانہ میں نہ تھے ان کا ایجاد کرنا وغیرہ اور اسی طرح مساجد کی تزئین کرنا بدعت مکروہ ہے۔ اور اسی طرح لذیذ کھانے، مشروبات اور ملبوسات وغیرہ میں وسعت اختیار کرنا بدعت مباحہ ہے اور اسی طرح امام مناوی کی ’’جامع الصغير‘‘ میں، امام نووی کی ’’تهذيب‘‘ میں اور امام برکلی کی ’’الطريقه المحمديه‘‘ میں بھی ایسے ہی درج ہے۔

۳٦۔ شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۵ھ)

یمن کے معروف غیر مقلد عالم شیخ شوکانی جنہیں اہلِ حدیث اور سلفی اپنا اِمام مانتے ہیں ،وہ حدیثِ عمر ’’نعمت البدعة هذه‘‘ کے ذیل میں فتح الباری کے حوالے سے بدعت کی پانچ اُقسام بیان کرتے ہیں:

(۱) ابن عابدين شامی، رد المحتار علی درالمختار، ۱:۴۱۴

البدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق و تطلق فی الشرع على مقابلة السنة فتكون مذمومة والتحقيق إنها إن كانت مما يندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی حسنة وإن كانت مما يندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی مستقبحة و إلّا فهی من قسم المباح و قد تنقسم إلى الأحكام الخمسة. (۱)

''لغت میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور اصطلاح شرع میں سنت کے مقابلہ میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے یہ مذموم ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے ورنہ بدعت مباحہ ہے اور بلا شبہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔''

۳۷۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ)

ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی اپنی تفسیر ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظيم والسبع المثانی'' میں علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و تفصيل الكلام فی البدعة ما ذكره الإمام محي الدين النووی فی شرح صحيح مسلم. قال العلماء: البدعة خمسة أقسام واجبة، و مندوبة، و محرمة، و مكروهة، ومباحة فمن الواجبة تعلم أدلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين و شبه ذلک، ومن المندوبة تصنيف كتب العلم وبناء المدارس والربط و غير ذلک، ومن المباحة التبسط فی ألوان الأطعمة و

(۱) شوکانی، نيل الاوطار شرح منتقى الأخبار، ۳: ۶۳

غیر ذلک، والحرام والمکروه ظاهران، فعلم أن قوله ﷺ (کل بدعة ضلالة)[1] من العام المخصوص.

و قال صاحب جامع الاصول: الابتداع من المخلوقین إن کان فی خلاف من أمر الله تعالی به و رسوله ﷺ فهو فی حیز الذم والانکار وإن کان واقعاً تحت عموم ما ندب الله تعالی إلیه و حض علیه أو رسوله ﷺ فهو فی حیز المدح وإن لم یکن مثاله موجوداً کنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف، و یعضد ذلک قول عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی صلاة التراویح: نعمت البدعة هذه[2].(۳)

''بدعت کی تفصیلی بحث امام محی الدین النوویؒ نے اپنی کتاب شرح صحیح مسلم میں

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴٦۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲٦۷٦

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲٦

۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ٦: ٦۷، رقم: ۷۵۱٦

٦۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

(۲) ۱۔ مالک، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲٦۹

۳۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱/۲٦٦

۴۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک، ۱/۳۴۰

(۳) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱۴: ۱۹۲

کی ہے اور دیگر علماء نے کہا ہے بدعت کی پانچ اقسام بدعتِ واجبہ، بدعتِ مستحبۃ، بدعتِ محرمۃ، بدعتِ مکروھۃ اور بدعتِ مباحۃ ہیں۔ بدعتِ واجب میں سے یہ ہے کہ ملحدین، مبتدعین اور ان جیسے دیگر طبقات کے شبہات کو رد کرنے کے لیے علم الکلام کا حاصل کرنا۔ اور بدعت مستحب کی دلیل یہ ہے کہ کوئی علمی کتاب تصنیف کرنا، مدرسے بنانا، سرائے یا اس جیسی دیگر چیزیں بنانا اس میں شامل ہے اور بدعتِ مباحۃ جیسے رنگ برنگے کھانے اور اس طرح کی چیزوں میں اضافہ وغیرہ جبکہ حرام اور مکروہ دونوں واضح ہیں۔ پس یہ جان لینا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کے قول ''کل بدعة ضلالة'' میں عام سے خاص مراد ہے۔ اور صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ بدعات کی چند اقسام ہیں جو کام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور اگر کسی (کام) کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے جود و سخا کی اقسام اور دوسرے نیک کام اور جس طرح صلاۃ التراویح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے تقویت ملتی ہے کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔''

۳۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)

مولانا احمد علی سہارنپوری صحیح بخاری کے حاشیہ میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق و يطلق فى الشرع فى مقابلة السنة فتكون مذمومة والتحقيق إنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن فى الشرع فهى حسنة و إن كانت مما تندرج تحت مستقبح فى الشرع فهى مستقبحة وإلّا فهى من قسم المباح و قد تنقسم الى احكام خمسة قاله فى الفتح اى

واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة كذا فى الكرمانى قال محمد فى المؤطا لا باس فى شهر رمضان ان يصلى الناس تطوعا و قد روى عن النبى ﷺ ما راه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن وما راه المسلمون قبيحا فهو عندالله قبيح[۱]. و فى الفتح قال ابن التين وغيره استنبط عمر ذلک من تقرير النبى ﷺ من صلى معه فى تلک الليالى و ان كان كره ذلک لهم فانما كرهه خشية ان يفرض عليهم و كان هذا هوا السر فى ايراد البخارى لحديث عائشة عقب حديث عمر فلما مات ﷺ حصل الامن من ذلک.[۲]

’’بدعت سے مراد وہ عمل ہے جو مثال سابق کے بغیر کیا جائے شریعت میں عام طور پر اسے سنت کے مقابلے میں بیان کیا جاتا ہے لہٰذا اس صورت میں یہ مذموم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو اسے بدعت حسنہ کہیں گے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آ جائے تو اسے بدعت مستقبحة کہیں گے اور اگر یہ دونوں کے تحت نہ آئے تو اسے بدعت مباحہ میں شمار کیا جائے گا اور بے شک یہ پانچ اقسام میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ صاحب فتح الباری نے کہا کہ یہ واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ ہیں اور اسی طرح شرح کرمانی میں ہے امام محمد نے موطا میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں کے ماہ رمضان میں نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۵: ۲۱۳، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ طيالسى، المسند، ۱: ۳۳، رقم: ۲۴۶
۳۔ طبرانى، المعجم الكبير، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۴۔ ابن رجب، جامع العلوم والحكم، ۱: ۲۵۴
۵۔ بيهقى، الاعتقاد، ۱: ۳۲۲

(۲) سهارنپورى، حاشيه بخارى، ۱: ۲۶۹

آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کام مسلمانوں کی نظر میں اچھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جو کام مسلمانوں کی نظر میں قبیح ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی برا ہے۔ فتح الباری میں مذکور ہے کہ ابن متین اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور علیہ السلام کی تقریر سے اسی طرح کا استنباط کرتے ہوئے کہا کہ جس نے بھی ان راتوں میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور اگر اس میں ان کے لئے کراہت تھی تو وہ اس ڈر سے کراہت تھی کہ کہیں وہ (نماز) ان پر فرض نہ ہوجائے اور یہ وہ راز تھا جسے امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد حضرت عائشہ کی حدیث سے مراد لیا ہے، جب حضور ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو اس (نماز کی فرضیت) کا خوف جاتا رہا۔''

۳۹۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (المتوفی ۱۳۰۷ھ)

غیر مقلدین کے نامور عالم دین نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت ترک ہو رہی ہو اور جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ھدیۃ المھدی کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها والتی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل.(۱)

''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

(۱) وحید الزمان، ہدیۃ المہدی: ۱۱۷

۴۰۔ مولانا وحید الزمان (المتوفی ۱۳۲۷ھ)

مشہور غیر مقلد عالم دین مولانا وحید الزمان بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما البدعة اللغوية فهی تنقسم إلى مباحة ومكروهة و حسنة و سيئة قال الشيخ ولی الله من أصحابنا من البدعة بدعة حسنة كالأخذ بالنواجذ لما حث عليه النبی ﷺ من غير عزم كالتراويح ومنها مباحة كعادات الناس فی الأكل والشرب واللباس وهی هنيئة قلت تدخل فی البدعات المباحة استعمال الورد والرياحين والأزهار للعروس ومن الناس من منع عنها لاجل التشبه بالهنود الكفار قلنا إذا لم ينو التشبه أوجرى الأمر المرسوم بين الكفار فی جماعة المسلمين من غير نكير فلا يضر التشبه ككثير من الاقبية والالبسة التی جاء ت من قبل الكفار ثم شاعت بين المسلمين وقد لبس النبی ﷺ جبة رومية ضيقة الكمين و قسم الا قبية التی جاء ت من بلاد الكفار على أصحابه و منها ما هی ترك المسنون و تحريف المشروع وهی الضلالة وقال السيد البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها والتی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الأصل.(۱)

''باعتبار لغت بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں: بدعت مباحہ، بدعت مکروھہ، بدعت حسنۂ اور بدعت سیئہ۔ ہمارے اصحاب میں سے شیخ ولی اللہ نے کہا کہ بدعات میں سے بدعت حسنہ کو دانتوں سے پکڑ لینا چاہیے (یعنی اس پر جم جانا چاہیے) کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو واجب کیے بغیر اس پر برانگیختہ کیا ہے جیسے تراویح۔ بدعات میں سے ایک بدعت مباحہ ہے جیسے لوگوں کے کھانے پینے

(۱) وحید الزمان، ہدیۃ المہدی: ۱۱۷

اور پہننے کے معمولات ہیں اور یہ آسان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دولہا، دلہن کے لئے کلیوں اور پھولوں کا استعمال (جیسے ہار اور سہرا) بھی بدعات مباحہ میں داخل ہے بعض لوگوں نے ہندوؤں سے مشابہت کے سبب اس سے منع کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص تشبّہ کی نیت نہ کرے یا کفار کی کوئی رسم مسلمانوں میں بغیر انکار کے جاری ہو تو اس میں مشابہت سے کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ قباء اور دوسرے لباس کفار کی طرف سے آئے اور مسلمانوں میں رائج ہو گئے اور خود نبی اکرم ﷺ نے تنگ آستینوں والا رومی جبّہ پہنا ہے اور کفار کی طرف سے جو قبائیں آئی تھیں ان کو صحابہ میں تقسیم فرما دیا تھا اور بدعات میں سے ایک وہ بدعت ہے جس سے کوئی سنت ترک ہو رہی ہو اور حکم شرعی میں تبدیلی آئے اور یہی بدعت ضلالہ (سیئہ) ہے۔ نواب صاحب (نواب صدیق حسن بھوپالی) نے کہا ہے کہ بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

۴۱۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم بیان کرتے ہوئے تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں لکھتے ہیں:

بقوله كل بدعة ضلالة(۱) والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

له فی الشريعة يدل عليه واما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا و إن كان بدعة لغة فقوله ﷺ كل بدعة ضلالة من جوامع الكلم لا يخرج عنه شئ وهو أصل عظيم من أصول الدين واما ما وقع فی كلام السلف من استحسان بعض البدع فإنّما ذلک فی البدع اللغوية لا الشرعية فمن ذلک قول عمر رضی الله عنه فی التراويح (نعمت البدعة هذه)(۱) و روی عنه أنه قال إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة ومن ذٰلک أذان الجمعة الأول زاده عثمان رضی الله عنه(۲) لحاجة الناس إليه و اقره عليٌّ واستمر عمل المسلمين عليه و روی عن ابن عمر أنه قال هو بدعة و لعله اَراد ما أراد ابوه فی التراويح. (۳)

''حضور ﷺ کے قول ''کل بدعة ضلالة'' (ہر بدعت گمراہی ہے) میں بدعت سے مراد ایسی نئی چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے اور وہ چیز جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے اسے شرعاً بدعت نہیں کہا جا سکتا اگرچہ وہ لغتاً بدعت ہو گی کیونکہ

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲٦٦

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ وادياشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰٦، رقم: ٦۲۴
۴۔ شوكانی، نيل الاوطار، ۳:۳۲۳

(۳) مباركپوری، جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی، ۳:۳۷۸

حضور علیہ السلام کا قول ''کل بدعة ضلالة'' جوامع الکلم میں سے ہے اس سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ یہ دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور اُسلاف کے کلام میں جو بعض بدعات کو مستحسنہ قرار دیا گیا ہے تو یہ بدعت لغویہ ہے، شرعیۃ نہیں ہے۔ اور اسی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نماز تراویح کے بارے میں فرمان ''نعمت البدعة هذه'' ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ان کانت هذه بدعة فنعمت البدعة'' (اگر یہ بدعت ہے تو یہ اچھی بدعت ہے) اور جمعہ کی پہلی اذان بھی اسی میں سے ہے جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر شروع کیا تھا اور اسے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے قائم رکھا اور اسی پر مسلمانوں نے مداومت اختیار کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ بدعت ہے کا شاید ان کا ارادہ بھی اس سے وہی تھا جو ان کے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا نماز تراویح میں تھا (کہ باجماعت نماز تراویح ''نعمت البدعة'' ہے)۔''

۴۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ)

مولانا شبیر احمد عثمانی ''فتح الملهم شرح صحيح مسلم'' میں حدیث ''کل بدعة ضلالة'' کی شرح کرتے ہوئے اقسام بدعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال علی القاری قال فی الازهار أی کل بدعة سيئة ضلالة لقوله عليه الصلوة والسلام (من سن فی الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها)(1) و جمع ابوبکر و عمر

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحريض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

←

القرآن(۱) و کتبه زید فی المصحف و جُدد فی عهد عثمان رضی اللہ عنہ قال النووی البدعة کل شئ عمل علی غیر مثال سبق و فی الشرع إحداث مالم یکن فی عهد رسول اللہ ﷺ و قوله کل بدعة ضلالة(۲) عام مخصوص. (۳)

’’ملا علی قاری الازهار میں بیان کرتے ہیں کہ ’’کل بدعة ضلالة‘‘ سے ہر بدعت سیّئَہ کا گمراہی ہونا مراد ہے اس پر حضور ﷺ کا یہ قول دلیل ہے کہ ’’من سن فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها‘‘ جیسا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن کو جمع کیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

.... ۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۲۶۲۹، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، رقم: ۶۷۶۸

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

(۳) عثمانی، فتح الملهم شرح صحیح مسلم، ۲: ۴۰۶

نے اسے مصحف میں لکھا اور عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں اس کی تجدید کی گئی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بدعت ہر اُس عمل کو کہتے ہیں جس کو مثالِ سابق کے بغیر عمل میں لایا جائے اور اِصطلاحِ شرع میں ہر وہ نیا کام جو عہدِ نبوی میں نہ ہوا ہو بدعت کہلاتا ہے اور حدیث کل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے۔''

ائمہ ومحدّثین کی طرف سے بدعت کی اس تقسیم کے بعد معلوم ہوا کہ اگر بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر مستقبحات کے تحت آ جائے (یعنی مخالف دلیل ہو) تو بدعت سیئہ ہے اور اگر ان دونوں میں نہ آئے تو وہ بدعت مباحہ ہے۔

۴۳۔ مولانا محمد زکریا کاندھلوی (المتوفی ۱۴۰۲ھ)

مولانا محمد زکریا کاندھلوی ''أوجز المسالک اِلی موطا مالک'' میں ''نعمت البدعة هذه'' کے ذیل میں بدعت کا معنی ومفہوم اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة الممنوعة تكون خلاف السنة، و هذا تصريح منه بأنه أول من جمع الناس فى قيام رمضان على إمام واحد بالجماعة الكبرى، لأن البدعة ما ابتدأ بفعلها المبتدع، ولم يتقدمه غيره، و أراد بالبدعة: اجتماعهم على إمام واحد لا أصل التراويح أو الجماعة، فإنهم كانوا قبل ذلک يصلون أوزاعا لنفسه ومع الرهط.(۱)

''بدعتِ ممنوعہ خلافِ سنت ہوتی ہے۔ اور یہ اس کی وضاحت میں سے ہے کیونکہ یہ (یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ) پہلے شخص تھے جنہوں نے قیام رمضان کے سلسلے میں بڑی جماعت کے لئے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا۔

(۱) کاندهلوی، أوجز المسالك الى مؤطا مالك، ۲: ۲۹۷

کیونکہ بدعت وہ ہوتی ہے جس کی ابتدا کسی بدعتی نے کی ہو اور اس سے پہلے اس کے علاوہ کسی اور نے اس کا اجراء نہ کیا ہو پس اس حدیث میں بدعت سے مراد ایک امام کے پیچھے لوگوں کو مجتمع کرنا ہے نہ کہ نفس تراویح یا نفس جماعت کا آغاز کرنا کیونکہ صحابہ اس سے قبل الگ الگ یا گروہ کی شکل میں نماز پڑھا کرتے تھے۔''

۴۴۔ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (۱۴۲۱ھ)

عصرِ قریب میں مملکت سعودی عرب کے معروف مفتی شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز نے سعودی حکومت کے شعبہ ''الافتاء والدعوہ والارشاد'' کے زیر اہتمام چھپنے والے اپنے فتاویٰ کے مجموعہ ''فتاوی اللجنة الدائمة للبحُوث العلمية والافتاء'' میں بدعت حسنہ اور بدعت سیہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

أولاً: قسم العلماء البدعة إلى بدعة دينية و بدعة دنيوية، فالبدعة في الدين هي: إحداث عبادة لم يشرعها الله سبحانه و تعالى وهي التي تراد في الحديث الذي ذكر وما في معناه من الأحاديث. و أما الدنيوية: فما غلب فيها جانب المصلحة على جانب المفسدة فهي جائزة وإلا فهي ممنوعة ومن أمثلة ذلک ما أحدث من أنواع السلاح والمراكب و نحو ذلک.

ثالثاً: طبع القرآن و كتابته من وسائل حفظه و تعلمه و تعليمه و الوسائل لها حكم الغايات فيكون ذلک مشروعاً و ليس من البدع المنهي عنها؛ لأن الله سبحانه ضمن حفظ القرآن الكريم و هذا من وسائل حفظه.(۱)

''علماء کرام نے بدعت کو بدعت دینیہ اور بدعت دنیویہ میں تقسیم کیا ہے،

---

(۱) ابن باز، فتاوی اللجنة الدائمة للبحُوث العلمية والافتاء، ۳۲۵:۲

بدعت دینیہ یہ ہے کہ ایسی عبادت کو شروع کرنا جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشروع نہ کیا ہو اور یہی اس حدیث سے مراد ہے جو ذکر کی جا چکی ہے اور اس طرح کی دیگر احادیث سے بھی یہی مراد ہے اور دوسری بدعت دنیوی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس میں مصلحت والا پہلو فساد والے پہلو پر غالب ہو اور وہ جائز ہے اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی مصلحت والا پہلو فساد والے پہلو پر غالب نہ ہو) تو وہ ممنوع ہے۔ اس کی مثالوں میں مختلف اقسام کا اسلحہ سواریاں اور اس جیسی دیگر چیزیں بنانا اسی طرح قرآن پاک کی طباعت و کتابت اس کو حفظ کرنے، اسے سیکھنے اور سکھانے کے وسائل اور وہ وسائل جن کے لیے غایات (اھداف) کا حکم ہے پس یہ ساری چیزیں مشروع ہیں اور ممنوعہ بدعات میں سے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک کے حفظ کی ضمانت دی ہے اور یہ (سب اس کے) وسائل حفظ میں سے ہے۔''

ایک اور سوال کے جواب میں ابن باز بدعت دینیۃ اور بدعت عادیۃ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة تنقسم إلى بدعة دينية و بدعة عادية، فالعادية مثل كل ما جد من الصناعات والاختراعات والأصل فيها الجواز إلا ما دل دليل شرعي على منعه.

أما البدعة الدينية فهي كل ما أحدث في الدين مضاهاة لتشريع الله. (۱)

''بدعت کو بدعت دینیہ اور بدعت عادیہ میں تقسیم کیا جاتا ہے پس بدعت عادیہ سے مراد ہر وہ نئی چیز جو کہ مصنوعات یا ایجادات میں سے ہو اور اصل میں اس پر جواز کا حکم ہے سوائے اس چیز کے کہ جس کے منع پر کوئی شرعی دلیل آ چکی ہو

(۱) ابن باز،فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، ۲:۳۲۹

اور پھر بدعت دینی یہ ہے کہ ہر نئی چیز جو دین میں ایجاد کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شرع کے متشابہ ہو (یہ ناجائز ہے)۔''

بدعت کی لغوی تعریف کے بعد بدعت خیر اور بدعت شرّ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے علامہ ابن باز لکھتے ہیں:

البدعة هي كل ما أحدث على غير مثال سابق، ثم منها ما يتعلق بالمعاملات و شؤون الدنيا كإختراع آلات النقل من طائرات و سيارات و قاطرات وأجهزة الكهرباء وأدوات الطهي والمكيفات التي تستعمل للتدفئة والتبريد وآلات الحرب من قنابل وغواصات و دبابات إلى غير ذلك مما يرجع إلى مصالح العباد في دنياهم فهذه في نفسها لا حرج فيها ولا إثم في إختراعها، أما بالنسبة للمقصد من اختراعها وما تستعمل فيه فإن قصد بها خير واستعين بها فيه فهي خير، وإن قصد بها شر من تخريب و تدمير وإفساد في الأرض واستعين بها في ذلك فهي شر و بلاء.(۱)

''ہر وہ چیز جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کی جائے بدعت کہلاتی ہے۔ پھر ان میں سے جو چیزیں معاملات اور دنیاوی کاموں میں سے ہوں جیسے نقل وحمل کے آلات میں سے جہاز، گاڑیاں، ریلوے انجن، بجلی کا سامان، صنعتی آلات اور ایئرکنڈیشنرز جو کہ ٹھنڈک اورحرارت کے لئے استعمال ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اور اسی طرح جنگی آلات میں سے ایٹم بم، آبدوزیں اور ٹینک یا اس جیسی دیگر چیزیں جن کو لوگ اپنے دنیاوی فائدہ کے پیش نظر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ فی نفسہ ان کی ایجادات میں نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کا حرج ہے مگر ان چیزوں کے مقصد ایجاد کے پیش نظر کہا جا سکتا

(۱) ابن باز، فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، ۲: ۳۲۱

ہے کہ اگر تو ان چیزوں کے استعمال کا مقصد خیر و سلامتی ہے تو ان چیزوں سے خیر کے معاملے میں مدد حاصل کی جا سکتی ہے تو یہ ایک بھلائی ہے اور اگر ان چیزوں کا مقصدِ ایجاد زمین میں شر، فساد، تخریب کاری اور تباہی ہے تو پھر ان سے مدد حاصل کرنا تباہی و بربادی ہے اور یہ ایک شر اور بلاء ہے۔‘‘

۴۵۔ الشیخ محمد بن علوی المالکی المکیؒ (۱۴۲۵ھ)

مکہ مکرمۃ کے معروف عالم دین الشیخ السید محمد بن علوی المالکی الحسنیؒ بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کو لازمی قرار دیتے ہیں، لہٰذا وہ اپنی کتاب ’’مفاهيم يجب أن تصحح‘‘ میں بدعت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن روح الشريعة الإسلامية توجب علينا أن نميز بين أنواع البدعة و أن نقول: إن منها البدعة الحسنة و منها البدعة السيئة، وهذا ما يقتضيه العقل النير والنظر الثاقب.

وهذا ما حققه علماء الأصول من سلف هذه الأمة رضي الله عنهم كالإمام العز بن عبد السلام والنووی والسيوطی والمحلی وابن حجر.

ومن أمثلة ذلک هذا الحديث: كل بدعة ضلالة ...... فلا بد من القول: أن المراد بذلک البدعة السيئة التی لا تدخل تحت أصل شرعی. وهذا التقييد وارد فی غير هذا الحديث كحديث: (لا صلاة لجار المسجد إلّا في المسجد)[1] فهذا الحديث مع أنه يفيد الحصر فی نفی صلاة جار المسجد إلّا أن عمومات

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱:۴۹۷، رقم: ۱۹۱۵
۲۔ ازدی، مسند الربیع، ۱:۱۰۸، رقم: ۲۵۶
۳۔ حاکم، المستدرک، ۱:۳۷۳، رقم: ۸۹۸
۴۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۱:۳۹۴

الأحاديث تفيد تقييده بأن لا صلاة كاملة و كحديث: (لا صلاة بحضرة الطعام)[1] قالوا: أى صلاة كاملة وكحديث: (لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه)[2] قالوا: أى إيمانا كاملا وكحديث: (والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن، قيل: من يا رسول الله؟ قال: من لم يأمن جاره بوائقه)[3] وكحديث: (لا يدخل الجنة قتات)[4] (ولا يدخل الجنة قاطع

---

(١) ١۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد، باب كراهة الصلاة، ١:٣٩٣، رقم: ٥٦٠

٢۔ ابن خزيمه، الصحيح، ٢:٦٦، رقم: ٩٣٣

٣۔ بيهقى، السنن الكبرى، ٣:٧٣، رقم: ٤٨١٦

٤۔ عسقلانى، تهذيب التهذيب، ٦:٦

(٢) ١۔ بخارى، الصحيح، كتاب الايمان، باب من الايمان، ١:١٤، رقم: ١٣

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الايمان، باب الدليل على ان من خصال الايمان، ١:٦٨، رقم: ٤٥

٣۔ نسائى، السنن، كتاب الايمان، باب علامة الايمان، ٨:١٥٥، رقم: ٥٠١٦

٤۔ ابن ماجه، السنن، باب فى الايمان، ١:٢٦، رقم: ٦٦

(٣) ١۔ بخارى، الصحيح، كتاب الادب، باب اثم من لايامن جاره، ٥:٢٢٤٠، رقم: ٥٦٧٠

٢۔ حاكم، المستدرك، ١:٥٣، رقم: ٢١

٣۔ هيثمى، مجمع الزوائد، ٨:١٦٩

٤۔ احمد بن حنبل، المسند، ٢:٣٣٦، رقم: ٨٤١٣

(٤) ١۔ بخارى، الصحيح كتاب الادب، باب ما يكره من النميمة، ٥:٢٢٥٠، رقم: ٥٧٠٩

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، ١:١٠١، رقم: ١٠٥

←

رحم)[1] (و عاق لوالديه)[2] فالعلماء قالوا: إنه لا يدخل دخولا أوليا أو لا يدخل إذا كان مستحلا لذلك الفعل.

الحاصل أنهم لم يجروه على ظاهره و إنما أولوه بأنواع التأويل.

وحديث البدعة هذا من هذا الباب فعمومات الأحاديث وأحوال الصحابة تفيد أن المقصود به البدعة السيئة التى لا تندرج تحت أصل كلى. وفى الحديث: (من سن سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة)[3] وفى الحديث: (عليكم

.... ۳۔ ترمذی، الجامع الصحیه، كتاب البر والصلة، ۴:۳۷۵، رقم: ۲۰۲٦

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۲۸، رقم: ۲۳۲۹۵

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب اثم القاطع، ۵:۲۲۳۱، رقم: ۵٦۳۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، ۴:۱۹۸۱، رقم: ۲۵۵٦

۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴:۳۲، رقم: ۳۵۳۷

(۲) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۷:۴۵۴، رقم: ۱۳۸۵۹

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۳:۱۹، رقم: ۲۳۳۵

۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ٦:۱۹۱، رقم: ۷۸۷۳

۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵:۷۵

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵٦، کتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين)[1] و يقول عمر فی صلاة التراويح: نعمت البدعة هذه.[2] [3]

’’شریعت اسلامیہ کی تعلیمات نے ہم پر لازم کیا ہے کہ ہم انواعِ بدعت میں تمیز وفرق سے کام لیں اور یہ کہیں کہ بعض بدعتِ حسنہ ہیں اور بعض بدعتِ سیئہ ہیں، عقل اور نظرِ ثاقب بھی اسی کو چاہتی ہے۔ اس اُمت کے علماء سلف میں سے علماء اُصول نے اسی کو ثابت کیا ہے جیسا کہ امام عزالدین بن عبدالسلامؒ و علامہ نووی و سیوطی و محلی و ابنِ حجر رحمہم اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس کی ایک مثال حدیث وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس سے مراد وہ بدعتِ سیئہ ہے جو اصلِ شرعی کے تحت داخل نہ ہو۔ یہ قید اور اس طرح کی دیگر قیودات دیگر اَحادیث میں بھی بکثرت وارد ہوئی ہیں جیسا کہ یہ حدیث مبارکہ لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلاَ فِی الْمَسْجِدِ مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ اس حدیث پاک میں حصر کے ساتھ مسجد

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، كتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱: ۱۱۶، رقم: ۲۵۰

۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱: ۱۰۵، رقم: ۲۵۰

۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم الحكم، ۱: ۲۶۶

(۳) علوی المالكی، مفاهيم يجب ان تصحح: ۱۰۲

کے پڑوسی کی نماز کی نفی وارد ہوئی مگر اَحادیثِ کثیرہ کے عموم سے یہ قید اس کے ساتھ مستفاد ہوتی ہے کہ لَا صَلٰوۃَ کَاملَۃً نفی کمال کی ہے نہ اصل نماز کی ،اور جیسا کہ حدیثِ پاک ہے ''لاصلوۃ بحضرۃ طعَامٍ'' علماء کرام نے فرمایا اس میں بھی نفی کمال کی ہے بمعنیٰ لَا صَلٰوۃَ کَاملَۃَ اور تیسری حدیث پاک لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ اس میں بھی علماء کرام نے فرمایا کہ مراد لا یؤمنُ ایمانًا کاملاً نفی کمال کی ہے اور چوتھی روایت:واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن، قیل: من یا رسول اللہ؟ قال: من لم یأمن جارہ بوائقہ. خدا کی قسم مومن نہیں خدا کی قسم مومن نہیں، خدا کی قسم مؤمن نہیں،عرض کیا گیا کہ کون یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے مامون نہ ہو۔اس میں بھی نفی کمال کی ہے اور پانچویں حدیث:لا یدخل الجنۃ قتات ...... ولا یدخل الجنۃ قاطع رحم ...... و عاق لوالدیہ ......جنت میں چغل خوری کرنے والا داخل نہ ہوگا اور جنت میں قطع رحمی کرنے والا اور ماں باپ کا نافرمان داخل نہ ہوگا۔

علماء کرام نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لا یدخل دخولاً اوّلیا یعنی دخول اولی کی نفی ہے۔ یاپھر یہ ہے کہ بالکل جنت میں داخل نہ ہوگا اگر ان افعال کو حلال سمجھ کر کرے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علماء کرام نے ان احادیث کوظاہر پرمحمول نہیں کیا اور کسی نہ کسی قسم کی تاویل کی ہے اور کل بدعۃٍ ضلالۃٌ والی حدیث بھی اسی قبیل سے ہے۔ احادیث شریفہ کے عموم اور احوالِ صحابہ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس بدعت سے مراد بدعتِ سیئہ ہے جوکسی حاصلِ کلی کے تحت مندرج نہ ہو۔ اور ایک حدیث پاک میں تو یہ ارشاد فرمایا:من سن سنۃ حسنۃ کان لہ أجرھا وأجر من عمل بھا إلی یوم القیامۃ ولا ینقص من اجرھا شیءٌ۔''جوشخص کوئی بھی اچھا طریقہ جاری کردے تو اس کو اس کا اجروثواب اور ان لوگوں کا

اجر وثواب ملے گا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔'' اور دوسری حدیثِ پاک میں ہے: **علیکم بسنتی وسنة الخلفآءِ الرَّاشدینَ**۔ لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفاء راشدین ث کی سنت کو۔ اور صلاۃ التراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **نعمت البدعة هذهِ** یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے''

شیخ محمد بن علوی مالکیؒ بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ینتقد بعضهم تقسیم البدعة إلی حسنة و سیئة، و ینکر علی من یقول ذلک اشد الإنکار، بل ومنهم من یرمیه بالفسق والضلال، و ذلک لمخالفة صریح قول الرسول ﷺ: کل بدعة ضلالة (۱) و هذا اللفظ صریح فی العموم و صریح فی وصف البدعة بالضلالة، ومن هنا تراه یقول: فهل یصح بعد قول المشرع صاحب الرسالة: أن کل بدعة ضلالة یأتی مجتهد أو فقیه مهما کانت رتبته فیقول: لا—لا— لیست کل بدعة ضلالة، بل بعضها ضلالة و بعضها حسنه و بعضها سیئة، و بهذا المدخل یغترّ کثیر من الناس فیصیح مع الصّائحین و ینکر مع المنکرین و یکثر سواد هؤلاء الذین لم یفهموا مقاصد الشریعة، ولم یذوقوا روح

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

الدّين الإسلامي.

ثم لا يلبث إلا يسيرا حتى يضطر إلى إيجاد مخرج يحل له المشاكل التى تصادمه، و يفسّر له الواقع الذى يعيشه، إنه يضطر إلى اللجوء إلى اختراع وسيلة أخرى، لولاها لما يستطيع أن يأكل ولا يشرب ولا يسكن، بل ولا يلبس ولا يتنفس ولا يتزوج ولا يتعامل مع نفسه ولا أهله ولا إخوانه ولا مجتمعه، هذه الوسيلة هى أن يقول باللفظ الصريح: إن البدعة تنقسم إلى بدعة دينية ودنيوية، يا سبحان الله لقد أجاز هذا المتلاعب لنفسه أن يخترع هذا التقسيم أو على الأقل أن يخترع هذه التسمية ولو سلّمنا أن هذا المعنى كان موجودا منذ عهد النبوة لكن هذا التسمية: دينية ودنيوية لم تكن موجودة قطعا فى عهد التشريع النبوي فمن أين جاء هذا التقسيم؟ ومن أين جاء ت هذه التسمية المبتدعة؟ فمن قال: إن تقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة لم يأت من الشارع نقول له: وكذا تقسيم البدعة إلى دينية غير مقبولة، و دنيوية مقبولة هو عين الابتداع والاختراع. فالشارع يقول: (كل بدعة ضلالة) هكذا بالاطلاق، وهذا يقول: لا. لا ليست كل بدعة ضلالة بالاطلاق، بل إن البدعة تنقسم إلى قسمين: دينيه وهى الضلالة، ودنيوية وهى التى لا شئى فيها. (۱)

بعض لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کرنے پر تنقید کرتے ہیں اور جو لوگ اس کی تقسیم کے قائل ہیں ان کا بہت شدت سے رد کرتے ہیں بلکہ بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو ان پر فسق اور گمراہی کے فتوے لگاتے ہیں اور یہ رد اس لئے کرتے ہیں کہ اس تقسیم سے رسول اللہ ﷺ کے صریح قول اور واضح ارشاد وَكُلُّ

---

(۱) علوى المالكى، مفاهيم يجب ان تصحح: ۱۰۴

بِدْعَةٍ ضَلاَلَۃٌ کی مخالفت ہوتی ہے جبکہ یہ قول صراحۃً ہر بدعت کو شامل ہے اور اس کی گمراہی پر بھی صریح ہے۔ اسی وجہ سے تم ان کو یہ کہتا دیکھو گے کیا صاحبِ شریعت صاحب رسالت ﷺ کے اس فرمان کے بعد ہر بدعت گمراہی ہے کسی مجتہد یا فقیہ یا جو بھی اس کا رتبہ ہو یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے کہ ''نہیں نہیں ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ بعض بدعتیں گمراہی ہیں، بعض اچھی اور بعض بری ہیں۔''

اور اس طرح کے اعتراضات کی وجہ سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آ جاتے ہیں اور وہ بھی ان معترضین کے ساتھ چیخ اٹھتے ہیں اور منکرین کے ساتھ وہ بھی انکار کر بیٹھتے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے جنہوں نے نہ مقاصدِ شرعیہ کو سمجھا اور نہ وہ دینِ اسلام کی روح سے آشنا ہوئے۔

پھر چند روز ہی گزرتے ہیں کہ یہی معترضین ایسی مشکل میں پڑ جاتے ہیں جس سے بچنے کی راہ نکالنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے اور ان کی روز مرہ کی معیشت اس کی واضح دلیل ہے۔ لازماً وہ ایسے حیلہ کی پناہ لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ جس کے بغیر ان کے لئے کھانا پینا اور رہنا سہنا بلکہ لباس پہننا اور سانس لینا تک مشکل ہوجائے اور جس حیلہ کے بغیر نہ تو وہ ذاتی اور خانگی معاملات طے کر سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں سے کوئی معاملہ کر سکتے ہیں۔ اور وہ حیلہ یہ ہے کہ وہ واضح لفظوں میں کہہ اُٹھتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعتِ دینیہ اور بدعتِ دنیویہ۔

افسوس صد افسوس: ان کھلاڑیوں نے کیسے اپنے نفس کے لئے یہ تقسیم گھڑ لی یا کم از کم یہ نام کس طرح گھڑ لیا۔ اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ چیزیں عہدِ رسالت میں موجود تھیں تو یہ بدعت کی تقسیم دینیہ اور دنیویہ کی تو عہد رسالت میں ہرگز موجود نہ تھی، تو پھر یہ تقسیم کہاں سے آ گئی؟ اور یہ نو ایجاد بدعتی نام کہاں سے آ گیا؟

لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدعت کو حسنہ اور سیئہ کی طرف منقسم کرنا شارع

کی طرف سے نہیں ہے اس لئے غلط ہے تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ بالکل اسی طرح بدعت کو ناپسندیدہ بدعت دینیہ اور پسندیدہ بدعتِ دنیویہ کی طرف منقسم کرنا بھی اختراع اور بدعت ہے۔ اس لئے کہ شارع علیہ السلام تو علی الاطلاق فرماتے ہیں کہ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ جبکہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں نہیں، ہر بدعت مطلقاً گمراہی نہیں بلکہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعتِ دینیہ اور وہ گمراہی ہے اور بدعتِ دنیویہ جس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

شیخ مالکیؒ بدعت کی تقسیم اور اس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ولذا لا بد أن نوضح هنا مسألة مهمة وبها ينجلى كثير من الإشكال، ويزول اللبس إن شاء الله.

وهو أن المتكلم هنا هو الشارع الحكيم، فلسانه هو لسان الشرع، فلا بد من فهم كلامه على الميزان الشرعى الذى جاء به، وإذا علمت أن البدعة فى الأصل هى: كل ما أحدث واخترع على غير مثال فلا يغيب عن ذهنك أن الزيادة أو الإختراع المذموم هنا هو الزيادة فى أمر الدين ليصير من أمر الدين، والزيادة فى الشريعة ليأخذ صبغة الشريعة، فيصير شريعة متبعة منسوبة لصاحب الشريعة، وهذا هو الذى حذر منه سيدنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بقوله: (من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد)(1)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن،المقدمه الکتاب، ۱: ۷، باب تعظیم حدیث رسول اللہ، رقم: ۱۴

۳۔ احمد بن حنبل، المسند:۶:۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

فالحد الفاصل فى الموضوع هو قوله: (فى أمرنا هذا).

ولذلك فإن تقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة فى مفهومنا ليس إلا للبدعة اللغوية التى هى مجرد الاختراع والاحداث، ولا نشك جميعا فى أن البدعة بالمعنى الشرعى ليست إلا ضلالة وفتنة مذمومة مردودة مبغوضة، ولو فهم أولئك المنكرون هذا المعنى لظهر لهم أن محل الاجتماع قريب موطن النزاع بعيد.

وزيادة فى التقريب بين الأفهام أرى أن منكرى التقسيم إنما ينكرون تقسيم البدعة الشرعية بدليل تقسيمهم البدعة إلى دينية ودنيويه، وإعتبارهم ذلك ضرورة.

وأن القائلين بالتقسيم إلى حسنة وسيئة يرون أن هذا إنما هو بالنسبة للبدعة اللغوية لأنهم يقولون: إن الزيادة فى الدين والشريعة ضلالة وسيئة كبيرة، ولا شك فى ذلك عندهم فالخلاف شكلى، غير أنى أرى أن إخواننا المنكرين لتقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة، والقائلين بتقسيمها إلى دينية ودنيوية لم يحالفهم الحظ فى دقة التعبير

وذلك لأنهم لما حكموا بأن البدعة الدينية ضلالة. وهذا حق. وحكموا بأن البدعة الدنيوية لا شيىء فيها قد أساؤا الحكم لأنهم بهذا قد حكموا على كل بدعة دنيوية بالإباحة، وفى هذا خطر عظيم، وتقع به فتنة ومصيبة، ولا بد حينئذ من تفصيل واجب و ضرورى للقضية، وهو أن يقولوا: إن هذا البدعة الدنيوية منها ما هو خير و منها ما هو شر كما هو الواقع المشاهد الذى لا ينكره إلَّا أعمى جاهل، وهذه الزيادة لا بد منها، ويكفى فى تحقيق هذا المعنى بدقة قول من قال: بأن البدعة تنقسم إلى

حسنة وسيئة، و معلوم أن المراد بها اللغوية كما تقدم، وهى التى عبر عنها المنكرون بالدنيوية، وهذا القول فى غاية الدقة والإحتياط، وهو ينادى على كل جديد بالانضباط والإنصياع لحكم الشرع وقواعد الدين، ويُلزم المسلمين أن يعرضوا كل ما جدّ لهم و أحدث من أمورهم الدنيوية العامة والخاصة على الشريعة الإسلاميه ليرى حكم الإسلام فيها مهما كانت تلک البدعة، وهذه لا يتحقق إلا بالتقسيم الرائع المعتبر عن أئمة الأصول. (۱)

''یہاں ضروری ہے کہ ہم ایک اہم مسئلہ کی وضاحت کردیں جس کی روشنی میں بہت سے اشکالات حل ہوجائیں گے اور بہت سے شبہات دور ہوجائیں گے۔ **ان شاء اللہ تعالیٰ.**

وہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہاں **کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ** کے قول کے متکلم شارع حکیم ہیں۔ان کا فرمان شرعی فرمان ہے اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے فرمان کو انہی کے لائے ہوئے شرعی میزان میں پرکھا جائے۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ بدعت اصلاً ہر نو پیداوار اور نو ایجاد چیز کو کہا جاتا ہے تو تمہارے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ زیادتی اور نئی ایجاد وہ ممنوع ہے جو دین میں کی جائے اور دینی چیز قرار دینے کے لئے ہو اور شریعت میں شرعی رنگ دینے کے لئے کی جائے۔ تاکہ وہ زیادتی قابل اتباع شرعی چیز بن کر صاحبِ شریعت ﷺ کی طرف منسوب ہوجائے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے ہمارے آقا اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قول کے ذریعہ ڈرایا ہے کہ: **من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد** جو ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو درحقیقت دین سے نہ ہو وہ مردود ہے۔اس لئے اس موضوع

(۲) علوی المالکی، مفاهیم یجب ان تصحح : ۱۰۲۔۱۰۶

میں حدِ فاصل آپ کا یہ فرمان ''فی امرنا ھذا'' ہے اور اسی لئے ہمارے نزدیک بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرنا صرف اور صرف لغوی اعتبار سے ہے (اور بدعتِ لغوی کا مفہوم نو پیداور نو ایجاد ہے)

بلاشبہ ہم بدعت کے شرعی مفہوم کے اعتبار سے معترضین کے ساتھ متفق ہیں کہ وہ بدعت گمراہی اور فتنہ ہے، جو مذموم، مردود اور انتہائی ناپسندیدہ ہے اور اگر معترضین اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو ان پر خود روشن ہوجاتا کہ ہمارا آپس میں تقریباً اتفاق ہی ہے اور جھگڑنے والی کوئی بات نہیں۔

اور میرے ذہن میں ایک اور بات بھی ہے جس سے دونوں قسم کے خیالات ایک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ بدعت کی تقسیم کے منکر ہیں وہ صرف بدعتِ شرعیہ کی تقسیم کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی بدعت کو دینیہ اور دنیویہ کی طرف منقسم کردیا ہے اور اس پر اعتبار کرنا ان کی ضرورت ہے۔

اور جو لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرتے ہیں وہ بدعت لغویہ کے اعتبار کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ بھی تو کہنا ہے کہ دین اور شریعت میں زیادتی کرنا گمراہی اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ بات ان کے نزدیک بلاشبہ ثابت ہے اس لئے یہ ایک صوری اختلاف ہے (حقیقۃً نہیں)۔

اگرچہ میرے خیال میں ہمارے بھائی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کرنے کے منکر ہیں اور بدعت کو دینیہ اور دنیویہ پر تقسیم کرتے ہیں ان کی بات زیادہ باریک بینی اور احتیاط پر مبنی نہیں، کیونکہ جب انہوں نے بدعتِ دینیہ کو گمراہی کہا (اور یہ بات حق بھی ہے) اور بدعتِ دنیویہ پر یہ حکم لگایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں تو ان کی یہ بات کوئی اچھی نہیں کیونکہ اس طرح تو انہوں نے ہر بدعت دنیویہ کو مباح کہہ دیا جب کہ اس میں بہت عظیم خطرہ ہے اور اس سے تو بڑا فتنہ اور مصیبت واقع ہوسکتی ہے جس کی بناء پر بہت ضروری ہوا کہ اس قضیہ کے ساتھ یہ تفصیل بھی وہ بیان کریں کہ ''بدعتِ دنیویہ میں بھی بعض

امور خیر ہیں اور بعض امور شر ہیں۔ کوئی اندھا اور جاہل ہی ہوگا جو ان امور شر کا نظارہ نہ کرتا ہو اس لئے اس تفصیل کا بیان بہت ضروری ہے۔
اور جو لوگ بدعت کو حسنہ اور سیئہ پر منقسم کرتے ہیں اور یہ بات متحقق ہے کہ ان کی مراد اس سے بدعتِ لغویہ ہے جیسا کہ پہلے (کلام) گزر چکا ہے (اور اس تقسیم کے منکرین اسی کو بدعتِ دنیویہ سے تعبیر کرتے ہیں) ان لوگوں نے اس مفہوم کو بہت مختصراً اور دقیق انداز میں بیان کیا ہے اور ان کا یہ قول انتہائی باریک بینی اور احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ قول ہر نو ایجاد چیز کو شرعی احکام اور دینی قواعد کا پابند کررہا ہے اور تمام مسلمین پر یہ لازم کررہا ہے کہ ان کے سامنے جب بھی کوئی بدعت آئے اور کسی بھی نو ایجاد چیز سے ان کو واسطہ پڑے عموماً دنیاوی اُمور میں اور خصوصاً شرعی اُمور میں تو وہ اس میں شرعی حکم معلوم کریں اور یہ مفہوم جبھی ہو گا کہ بدعت کو ائمہ اصول کے قول کے مطابق عمدہ اور معتبر طور پر تقسیم کیا جائے۔‘‘

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آجرّی،** ابو بکر محمد بن حسین بن عبداللہ (م ۳۶۰ھ)۔**کتاب الشریعۃ۔** ریاض، سعودی عرب: دار الوطن، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۳۔ **آلوسی،** ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (۱۲۷۰ھ)۔**روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی۔** بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۴۔ **ابن ابی حاتم رازی،** ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰۔۳۶۷/۸۵۴۔۹۳۸)**الجرح والتعدیل۔**، حیدرآباد دکن، بھارت، مجلس دائرہ معارف عثمانیہ۔

۵۔ **ابن ابی دنیا،** عبداللہ بن محمد ابوبکر القریشی (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ **مکارم الاخلاق۔** قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۶۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۷۔ **ابن ابی عاصم،** ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔ ۹۰۰ء)۔ **السنہ۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ۔

۸۔ **ابن اَثیر،** ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ۶۳۰ھ/۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ **الکامل فی التاریخ۔** بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

۹۔ **ابن اَثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبدالواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **النہایہ فی غریب**

الحديث و الأثر۔ قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۱۰۔ ابن باز، عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز، (۱۴۲۱ھ)۔ **فتاوی اللّجنه الدائمة للبحوث العلميه و الإفتاء**۔ الرياض، سعودی عرب: مكتبة المعارف، ۱۴۱۲ھ۔

۱۱۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **منهاج السنة**۔ مصر: مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق۔

۱۲۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **كتب و رسائل و فتاوى ابن تيميه فى الفقه**۔ مكتبة ابن تیمیہ۔

۱۳۔ ابن جارود، ابو محمد عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)۔ **المنتقى من السنن المسندة**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الكتاب الثقافية، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۴۔ ابن جعد، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **المنتظم فى تاريخ الملوك و االأمم**۔ بیروت، لبنان: دار الكتب العلميه، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۶۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **تلبيس اِبليس**۔ قاهره، مصر: منشورات مكتبة التحرير۔

۱۷۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ

(۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **التحقيق في أحاديث الخلاف**۔بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ،۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **طبقات المحدثين باصبهان و الوردين عليها**۔ بیروت، لبنان: موسسہ الرسالۃ ،۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۹۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۲۰۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **السيرة النبوية واخبار الخلفاء**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء ۔

۲۱۔ **ابن حجر مکی**، الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الہیتمی المکی (۹۰۹/۹۷۴ھ)۔ **فتاوى حديثية**۔ القاہرہ، مصر: مکتبہ مصطفیٰ البانی الحلبی ، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء۔

۲۲۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **الاحكام في أُصول الاحكام**۔ فیصل آباد، پاکستان: ضیاء السنہ ادارۃ الترجمۃ والتعریف،۱۴۰۴ھ۔

۲۳۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلى بلآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

۲۴۔ **ابن حمید**، عبد بن حمید بن نصر ابو محمد الكسي (۲۴۹ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنۃ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء

۲۵۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۲۶۔ **ابن خلدون**، عبدالرحمٰن بن خلدون (۷۳۲۔۸۰۸ھ)۔ **تاریخ ابن خلدون**۔ ازہر، مصر: المطبعۃ البھیۃ المصریۃ۔

۲۷۔ **ابن راہویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبداللہ (۱۶۱۔ ۲۳۷ھ/ ۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۸۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ **جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۲۹۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ **التخویف من النار**۔ دمشق: مکتبہ دار البیان، ۱۳۹۹ھ۔

۳۰۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/ ۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۱۔ **ابن سلام**، ابی عبدالقاسم بن سلام (۲۲۴ھ)۔ **کتاب الأموال**۔ قاہرہ، مصر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

۳۲۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔ ۱۳۰۶ھ)۔ **رد المحتار علی درالمختار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۳۳۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۳۴۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **التمهيد**۔ مغرب (مراکش): وزارت

عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۳۵۔ ابن عبدالسلام، امام عزالدین بن عبدالسلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔ **قواعدالأحکام فی مصالح الأنام۔** بیروت، لبنان: ناشر دارالکتب العلمیۃ۔

۳۶۔ ابن عبدالسلام، امام عزالدین بن عبدالسلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔**فتاوی العز بن عبد السلام۔** بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۶ھ

۳۷۔ ابن فارس(۱۰۰۴ھ)، تحقیق عبدالسلام ہارون، **معجم مقاییس اللغۃ،** بیروت، لبنان دارالکتب العلمیۃ

۳۸۔ ابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم الدینوری (۲۱۳۔۲۷۶ھ)۔**المعارف**۔ قاہرۃ، دارالمعارف

۳۹۔ ابن قدامہ، ابومحمد عبداللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی۔** بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۴۰۔ ابن قیم، محمد ابی بکر، ایوب الزرعی، ابو عبداللہ، (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔**أعلام الموقعین عن رب العالمین۔** مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۷۴ھ

۴۱۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایہ و النہایہ۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۲۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تحفۃ الطالب۔** مکہ مکرمۃ، دارحراء، ۱۴۰۶ھ۔

۴۳۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم۔** بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۴۴۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔

السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۵۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر

۴۶۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابرہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (۹۷۰ھ)، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**۔مصر: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ

۴۷۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ) ۔**فتح القدیر**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ

۴۸۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ) **شرح فتح القدیر**۔مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری۔

۴۹۔ **ابو احمد الجرجانی**، عبداللہ بن عدی الجرجانی (۳۶۵ھ) ۔**الکامل فی الضعفاء الرجال**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ،۱۴۱۲ھ۔

۵۰۔ **ابو الحسن الأشعری**، امام ابو الحسن علی الأشعری(۳۲۴ھ/ ۹۳۶ء)۔ **مقالات الاسلامیین و إختلاف المصلین**۔مصر: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ۔

۵۱۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۵۲۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۵۳۔ **ابو طالب القاضی** ( )۔ **علل الترمذی الکبیر**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، مکتبہ النھضہ العربیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۵۴۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ،

۱۹۹۸ء۔

۵۵۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **حلية الاولياء و طبقات الاصفياء۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۵۶۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **المسند المستخرج علی صحيح مسلم۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۵۷۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **مسند الامام ابی حنیفہ۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۵۸۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند۔** دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۵۹۔ **ابویعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المعجم۔** فیصل آباد، پاکستان: ادارۃ العلوم والاثریہ، ۱۴۰۷ھ۔

۶۰۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **فضائل الصحابہ۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۶۱۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۶۲۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **الرّد علیٰ الجهمية و الزّنادقة**۔ الریاض، سعودی عرب: اِدارات البحوث العلمیۃ و

الإفتاء والدعوة والإرشاد۔

۶۳۔ **أزدی**، ربیع بن حبیب بن عمر بصری۔ **الجامع الصحیح مسند الامام الربیع بن حبیب**۔ بیروت، لبنان: دارالحکمة، ۱۴۱۵ھ۔

۶۴۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ اِسماعیل حقی حنفیؒ (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۶۵۔ **باقری**، الشیخ جعفر محمد علی الباقری۔ البدعة۔ قم، ایران: رابطة الثقافة والعلاقات الإسلامیة، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء

۶۶۔ **بخاری**، ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۶۷۔ **برکتی**، محمد بن عمیم الاحسان المجد دی( )۔**قواعد الفقه**۔ کراچی، پاکستان، الصدف پبلشرز، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء

۶۸۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۶۹۔ **بلاذری**، احمد بن یحی بن جابر البلازری (۲۷۹ھ) ۔**فتوح البلدان**۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۷۰۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۷۱۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **کتاب الاعتقاد**۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدید، ۱۴۰۱ھ۔

۷۲۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **المدخل اِلٰی السنن الکبریٰ۔** الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۳۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **شُعَبُ الایمان۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۷۴۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح۔** بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۵۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۶۔ ثعالبی، ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل الثعالبی (۳۵۰۔۴۲۹ھ)۔ **ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب۔** القاہرہ، دار المعارف، ۱۹۶۵ء

۷۷۔ جرجانی، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ **التعریفات۔** کراچی، پاکستان: مکتبہ حمادیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۷۸۔ جصاص، أحمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ **أحکام القرآن۔** بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۷۹۔ جوہری، اسماعیل بن حماد الجوہری ۔**الصحاح فی اللغۃ والعلوم۔** بیروت، دار الحضارۃ العربیۃ۔

۸۰۔ جوینی، ابو المعالی عبد الملک بن عبداللہ بن یوسف (۴۷۸ھ)۔ **البرہان فی أصول الفقہ۔** المنصورہ، مصر: مطبع الوفاء، ۱۴۱۸ھ

۸۱۔ **حارث**، الحارث بن أبي أسامة/ الحافظ نور الدين الہيثمی (۱۸۶۔۲۸۳ھ) ۔**مسند الحارث (زوائد الهيثمى)**۔ المدينة المنورة، مركز خدمة السنة والسيرة النبويه، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۸۲۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ **بیروت**، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۸۳۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۸۴۔ **حسینی**، ابراہیم بن محمد (۱۰۵۴۔۱۱۲۰ھ)۔ **البيان و التعريف**۔ **بیروت**، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۱ھ۔

۸۵۔ **حصکفی**، علامہ الشیخ علاء الدین الحصکفی (۱۰۸۸ھ۔۱۶۷۷ء)۔ **در مختار علی هامش الرد**۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۸۶۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ **السيرة الحلبية/ انسان العيون**۔ **بیروت**، لبنان، دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۸۷۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ **غنية المستملى شرح منية المصلى**۔ دہلی، انڈیا، مطبع مجتبائی۔

۸۸۔ **حموی**، ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ (متوفی: ۶۲۶ھ)۔ **المعجم البلدان**۔ **بیروت**، لبنان: دار الفکر۔

۸۹۔ **حمیدی**، ابو بکر عبد اللہ بن زبیر (م۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ **المسند**۔ **بیروت**، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۹۰۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت

(۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **تاریخ بغداد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۱۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **موضع اوہام الجمع والتفریق**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۲۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۹۳۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۹۴۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **علل دار قطنی**۔ الریاض، سعودی عرب، دار الطیبہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۵۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۹۶۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **تاریخ الاسلام**۔ القاہرۃ، مصر: مطبعۃ المدنی۔

۹۷۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۹۸۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **میزان الإعتدال فی نقد الرجال**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۹۹۔ ذھبی، شمس الدین محمد بن احمد الذھبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔**العبر فی خبر من غبر**۔ مکۃ المکرّمۃ، سعودی عرب: دار الباز للنشر والتوزیع، ۱۴۰۵ھ

۱۰۰۔ **رازی،** محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر**۔ تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۱۰۱۔ **رامہر مزی،** ابوالحسن حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامهر مزی (۲۶۰۔۳۶۰ھ)۔ **المحدث الفاصل بین الراوی والواعی**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۴ھ۔

۱۰۲۔ **رامہر مزی،** ابوالحسن حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامهر مزی (۲۶۰۔۳۶۰ھ)۔ **امثال الحدیث**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۳۔ **رحیلی**، الدکتور ابراہیم بن عامر الرحیلی۔ **موقف أهل السنة والجماعة من أهل الاهواء و البدع**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۲۲ھ

۱۰۴۔ **رویانی**، ابوبکر فی بن ہارون (م ۳۰۷ھ)۔**المسند**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۰۵۔ **زبیدی**، امام محبّ الدین ابوفیض السید محمد مرتضی الحسینی الواسطی الزبیدی الحنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ **تاج العروس من جواهر القاموس**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۹۹۴ء/۱۴۱۴ھ۔

۱۰۶۔ **زرقانی**، ابوعبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح الزرقانی علی مؤطا الإمام مالک**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ۔

۱۰۷۔ **زرکشی**، علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی (۷۹۴ھ)۔**المنثور فی القواعد** ۔کویت: وزارۃ الاوقاف، ۱۴۰۵ھ

۱۰۸۔ **زمخشری**، امام جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۲۷۔۵۳۸ھ)۔ **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل**۔ قاھرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء

۱۰۹۔ **زیلعی**، ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنفی (م۷۶۲ھ)۔ **نصب الرایۃ لأحادیث الھدایہ**۔ مصر: دارالحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۱۱۰۔ **سخاوی**، الشیخ شمس الدین محمد عبد الرحمٰن السخاوی(۹۰۲ھ)۔**القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع**۔مدینہ منورہ،سعودی عرب: المکتبۃ العلمیہ، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء۔

۱۱۱۔ **سخاوی**، الشیخ شمس الدین محمد عبدالرحمٰن السخاوی(۹۰۲ھ)۔**فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۱۲۔ **سدوسی**، یعقوب بن شیبۃ بن لصلت السدوسی ابو یوسف(۱۸۲۔۲۶۸ھ)۔**مسند عمر بن الخطاب** ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب الثقافیہ،۱۴۰۵ھ۔

۱۱۳۔ **سرخسی**، امام شمس الدین السرخسی(۴۸۳ھ)۔**کتاب المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ،۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

سنوسی، علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی(۸۹۵ھ) **مکمل اِکمال المعلم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۱۱۴۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔**الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۱۱۵۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تاريخ الخلفاء**۔ بغداد، عراق: مکتبۃ الشرق الجدید۔

۱۱۶۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الإشباه والنظائر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ۔

۱۱۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح السنن ابن ماجه**۔کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۱۱۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تدريب الراوى فى شرح تقريب النووى** ۔سعودی عرب: مکتبہ الریاض الحدیثہ

۱۱۹۔ **سیوطی**، امام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان السیوطی، (۸۴۹-۹۱۱ھ / ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**۔ بیروت، لبنان: شرکۃ دار الأرقم بن ابی الأرقم۔

۱۲۰۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الحاوى للفتاوى**۔ لائلپور، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۱۲۱۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **حسن المقصد فى عمل المولد** ۔ بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ھ)۔

۱۲۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن

عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **تنویر الحوالک شرح موطا مالک** ،مصر: مکتبہ التجاریہ الکبری، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء۔

۱۲۳۔ **سہارنپوری**، احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)۔ **حاشیہ بخاری**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔

۱۲۴۔ **شاشی**، ابو سعید ہیثم بن کلیب بن شریح (م ۳۳۵ھ/ ۹۴۶ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم و الحکم، ۱۴۱۰ھ۔

۱۲۵۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسی اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔ **الاعتصام**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۲۶۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسی اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔**الموافقات فی اصول الشریعه**۔قاھرہ، مصر مطبع المدنی، ۱۹۶۹ء۔

۱۲۷۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی، (متوفی: ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۲ء)۔ **ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**۔قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔

۱۲۸۔ **شبیر احمد عثمانی**،(۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء)۔**فتح الملهم بشرح صحیح مسلم**۔کراچی ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۱۲۹۔ **شربینی** ، الشیخ محمد الشربینی الخطیب ،(۹۷۷ھ)۔**مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج**۔ بیروت ،لبنان: دار إحياء التراث العربی، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۳۰۔ **شروانی**، الشیخ عبدالحمید الشروانی ( ) ۔**حواشی الشروانی**۔دار صادر۔

۱۳۱۔ **شعرانی**، ابو العمران عبدالوهاب بن احمد بن علی ال الشافعی المصر ی المعروف بالشعرانی، (۸۹۸۔۹۷۳ھ)۔ **الیواقیت و الجواهر فی بیان عقائد الاکابر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ،۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۳۲۔ **شمس الحق**، محمد شمس الحق عظیم آبادی أبو طیب۔ **عون المعبود شرح سنن ابی داؤد**۔بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۳۳۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۳۴۔ **شهرستانی**، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر أحمد (۴۷۹۔۵۴۸ھ)۔ **الملل والنحل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفة، ۲۰۰۱ء۔

۱۳۵۔ **شیبانی**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **الآحاد و المثانی**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۳۶۔ **صالحی شامی**، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی (م ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء)۔ **سبل الهدیٰ و الرشاد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۳۷۔ **صنعانی**، محمد بن اسماعیل امیر (۷۷۳۔۸۵۲ھ)۔**سبل السلام شرح بلوغ المرام**۔بیروت ،لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۷۹ھ

۱۳۸۔ **طاہر القادری**، ڈاکٹر محمد طاہر القادری ۔ **عرفان القرآن**۔ لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز۔**۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء**

۱۳۹۔ **طاہر پٹنی**، علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) **مجمع بحار الانوار**۔ لکھنؤ۔ انڈیا: مطبع منشی نولکشور۔

۱۴۰۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۴۱۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبة المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۴۲۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبة العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۴۳۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۴۴۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الامم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۴۵۔ **طبری**، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تھذیب الآثار**۔ مصر، القاہرہ: مطبعۃ المدنی۔

۱۴۶۔ **طحاوی**، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **شرح معانی الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۴۷۔ **طحطاوی**، احمد بن محمد طحطاوی (۱۲۳۱ھ) **حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح**، مصر: مطبع مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ

۱۴۸۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۴۹۔ **عبدالحق محدث دہلوی** (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **أشعة اللمعات**۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۵۰۔ **عبدالحئ احمد العکری الدمشقی**، (۱۰۸۹ھ) **شذرات الذھب فی أخبار من ذھب**، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ۔

۱۵۱۔ **عبدالرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/ ۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۵۲۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ الجیلانی البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **غنیۃ الطالبین**۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الثقافیۃ۔

۱۵۳۔ **عبدالقاهر بغدادی() الفرق بین الفرق۔** بیروت، لبنان: دار المعرفة

۱۵۴۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔ ۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا و مزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علی ألسنة الناس۔** بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **الاصابه فی تمییز الصحابه۔** بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۵۶۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **تلخیص الحبیرفی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر** ۔المدینة المنورة، سعودیہ: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء۔

۱۵۷۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔** لاہور، پاکستان: دارنشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۵۸۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی + عمان + اُردن: دار عمار، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۹۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **لسان المیزان۔** بیروت، لبنان، مؤسسة الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۶۰۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/

۱۳۷۲-۱۴۴۹ء)۔ **تهذيب التهذيب**۔ بيروت، لبنان: دارالفكر، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۶۱۔ **علوی المالکی**، السيد محمد بن علوی المالکی الحسنی، (۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)، **مفاهيم يجب ان تصحح**، ابوظہبی: دار الفجر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۶۲۔ **عینی**، بدر الدين ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسين بن يوسف بن محمود (۷۶۲-۸۵۵ھ/۱۳۶۱-۱۴۵۱ء)۔ **عمدة القاری شرح صحيح البخاری**۔ بيروت، لبنان: دار الفكر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۶۳۔ **غامدی**، سعید بن ناصر الغامدی۔ **حقيقة البدعة و أحكامها**۔ رياض، سعودی عرب: مكتبة الرشيد، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

۱۶۴۔ **غزالی**، حجة الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **إحياء علوم الدين**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

۱۶۵۔ **فراہیدی**، خليل بن أحمد (۱۸۶ھ)، **كتاب العين**۔ دارالرشيد للنشر۔

۱۶۶۔ **قرافی**، علامہ شہاب الدين ابو العباس احمد بن ادريس بن عبدالرحمٰن الصنہاجی المشہور بالقرافی (۶۸۴ھ)۔ **انوار البروق فی انوارالفروق**۔ بيروت، لبنان: دارالمعرفة۔

۱۶۷۔ **قرطبی**، ابوعبد الله محمد بن احمد بن محمد بن يحيىٰ بن مفرج أموی (۲۸۴-۳۸۰ھ/ ۸۹۷-۹۹۰ء)۔ **الجامع لاحكام القرآن**۔ بيروت، لبنان: دار احياء التراث العربی۔

۱۶۸۔ **قُسطلانی**، ابو العباس شہاب الدين احمد بن محمد القسطلانی (۹۲۳ھ)۔ **ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری**۔ مصر: دار الفكر، ۱۳۰۴ھ۔

۱۶۹۔ **قضاعی**، ابوعبد الله محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حكمون بن ابراهيم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشهاب**۔ بيروت، لبنان:

مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۷۰۔ **کاندھلوی،** محمد زکریا الکاندھلوی (۱۳۵۱ھ/۱۴۰۲ھ)۔ **أوجز المسالک الی مؤطا مالک۔** ملتان، پاکستان: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔

۱۷۱۔ **کرمانی،** علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (۷۹۶ھ) ۔**الکواکب الدراری في شرح صحیح البخاری۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۱۷۲۔ **کنانی،** احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه۔** بیروت، لبنان: دارالعربیة، ۱۴۰۳ھ۔

۱۷۳۔ **لالکائی،** ھبة اللہ بن الحسن بن منصور اللالکائی (۴۱۸ھ)۔**شرح أُصول إعتقاد أهل السنه و الجماعة من الکتاب والسنة وإجماع الصحابة۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۱۷۴۔ **لوئس معلوف،** (۱۸۶۷۔۱۹۴۶ء/۱۲۸۳۔۱۳۶۵ھ)۔ **المنجد فی اللغة۔** بیروت، لبنان: دارالمشرق، ۱۹۷۳ء۔

۱۷۵۔ **مالک،** ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطا۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۷۶۔ **ماوردی،** علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی (۴۵۰ھ)۔ **الاحکام السلطانیه و الولایات الدینیة.** مصر، مکتبہ التوفیقیہ۔

۱۷۷۔ **مبارکپوری،** محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم ابوالعلا المبارکپوری (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ **تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۱۷۸۔ **محبّ طبری،** ابوجعفر احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم

(۶۱۵۔۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸۔۱۲۹۵ء)۔ **الرياض النضره فی مناقب العشره۔** بيروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء۔

۱۷۹۔ **مروزی**، محمد بن نصر بن الحجاج، ابو عبدالله (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ **السنه۔** بيروت، لبنان: مؤسسة الكتب الثقافيه، ۱۴۰۸ھ۔

۱۸۰۔ **مزی**، ابو الحجاج يوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن يوسف بن عبد الملک بن يوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ **تهذيب الكمال۔** بيروت، لبنان: مؤسسة الرساله، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۸۱۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشيری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحيح۔** بيروت، لبنان: دار احياء التراث العربی۔

۱۸۲۔ **مقدسی** ، شیخ ضیاء الدین ابو عبد الله محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان الحنبلی المقدسی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔**الاحاديث المختارة**۔مكة المكرّمة ، مكتبة النهضة ،۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۸۳۔ **مقدسی**، محمد بن عبد الواحد حنبلی (م ۶۴۳ھ)۔ **الاحاديث المختاره۔** فضائل بيت المقدس۔ شام: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۸۴۔ **مقرئی**، ابو عمرو عثمان بن سعيد المقرئی الدانی (۳۷۱۔۴۴۴ھ)۔ **السنن الواردة فی الفتن۔** الرياض، دار العاصمة، ۱۴۱۶ھ۔

۱۸۵۔ **ملا علی قاری**، نور الدين بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء)۔ **مرقاة المفاتيح شرح مشکوٰة المصابيح**۔ بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۱۸۶۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفين بن علی بن زين العابدين (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فيض القدير شرح الجامع الصغير۔** مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۸۷۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظيم بن عبد القوی بن عبد الله بن سلامه بن سعد

(۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب و الترهیب من الحدیث الشریف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۸۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء۔

۱۸۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۹۰۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **عمل الیوم و اللیلة**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۷ھ

۱۹۱۔ **نسفی**، امام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفی (۷۱۰ھ)، **مدارک التنزیل و حقائق التاویل**، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی

۱۹۲۔ **نعیم بن حماد**، ابوعبداللہ المروزی (م: ۲۸۸ھ)۔ **الفتن**۔ قاہرہ، مصر: مکتبة التوحید، ۱۴۱۲ھ۔

۱۹۳۔ **نووی**، ابو زکریا یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ **تہذیب الاسماء و اللغات**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۴۔ **نووی**، ابو زکریا، یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ **شرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۱۹۵۔ **نیشاپوری**، محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ الحاکم النیساپوری ابو عبداللہ (۳۲۱۔۴۰۵ھ)۔ **المدخل الی الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۴ھ۔

۱۹۶۔ **وادیاشی**، عمر بن علی بن احمد الوادیاشی الاندلسی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ **تحفة**

المحتاج الی ادلة المنهاج۔ مكة المكرّمة، دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۱۹۷۔ **وشتانی**، امام ابو عبد اللہ محمد خلفة الوشتانی (۸۲۷ھ أو ۸۲۸ھ)۔ **إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم۔** بيروت، لبنان: دارالكتب العلمية۔

۱۹۸۔ **وحید الزمان**، (۱۳۲۷ھ)۔ **هدية المهدی۔** فیصل آباد، پاکستان: چشتی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء۔

۱۹۹۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوئد۔** قاہرہ، مصر: دار الريان للتراث + بيروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۰۰۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن اِلی زوائد ابن حبان۔** بيروت، لبنان: دار الكتب العلميہ۔

۲۰۱۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **كنز العمال۔** بيروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۳۹۹/۱۹۷۹۔

۲۰۲۔ **یعقوبی**، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (م۲۸۷ھ/ ۸۹۷ء)۔**تاريخ اليعقوبی۔** بيروت، لبنان: دارصادر۔

❁ ❁ ❁